خالدؓ

سیف اللہ

سلسله تاریخ و سوانح

٤

سلسلہ تاریخ و سوانح

مدیر ✿ حنیف رامے

۱ - الحسین ، شہید اعظم ۔ عمر ابو النصر
۲ - الہارون ۔ عمر ابو النصر
۳ - چنگیز خاں ، فاتح عالم ۔ ہیرلڈ لیمب
۴ - امیر تیمور ، لرزندۂ جہاں ۔ ہیرلڈ لیمب
۵ - عمر ، فاروق اعظم ۔ محمد حسین ہیکل
۶ - ابوبکر ، صدیق اکبر ۔ محمد حسین ہیکل
۷ - عرب دنیا ۔ نجلا عزالدین
۸ - عمرو بن العاص ، فاتح مصر ۔ حسن ابراہیم حسن
۹ - الزہراء ۔ عمر ابو النصر

۱۲۰۷

خالد، سیف اللہ

حضرت خالدؓ بن ولید

☆

زندگی اور فتوحات

ابو زید شلبی

ترجمہ : شیخ محمد احمد پانی پتی

مکتبہ جدید

انارکلی ۰ لاہور

Acc No: 28892
MASOOD FAISAL JHANDIR ★ MAILSI ★

جملہ حقوق محفوظ

بار اول - ۱۹۵۶ء

طابع : نذیر احمد چودھری
سویرا آرٹ پریس ، لاھور

ناشر : رشید احمد چودھری
مکتبہ جدید ، انارکلی لاھور

Masood Faisal Jhandir Library

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

ترتیب

دیباچہ ، مصنف ، ۹
پیش لفظ ، مصنف ، ۱۲

پہلا حصہ

خالد رض بن ولید ، اسلام سے قبل ، ۱۹

نسب ۔ ولادت ۔ خالد رض کا وطن ۔ مکہ ، اجتماعی کیفیت ۔ خالد رض کے اعمام ۔ خالد رض کے بھائی ۔ خالد رض کی والدہ ۔ خالد رض کے والد ۔ قریش میں خالد رض کا مرتبہ ۔ خالد رض کا پیشہ ۔ خالد رض کی بہادری و کامرانی کا راز ۔ خالد رض کی معاندانہ کوششیں ۔ جنگ خندق ۔ حدیبیہ کے موقع پر ۔ عمرة القضاء کے موقعہ پر ،

دوسرا حصہ

قبول اسلام سے لے کر رسول کریم صلعم کی وفات تک ۔ ۷۵

خالد رض کا اسلام قبول کرنا ۔ اسلام قبول کرنے میں دیر ۔ غزوۂ مؤتہ ۔ فتح مکہ ۔ عزیٰ بت کا انہدام ۔ خالد رض ، بنو جذیمہ میں ۔ بنو جذیمہ کے قتل کا اصل سبب ۔ غزوۂ ہوازن ۔ غزوۂ طائف ۔ بنو مصطلق ۔ دومۃ الجندل ۔ نجران ۔

تیسرا حصہ

خالدرض عہد صدیق میں ۔ ۱۳۵

تمہید ۔ طلیحہ ۔ مالک بن نویرہ ۔ مالک بن نویرہ کے قتل کی اصل حقیقت ۔ مسیلمہ کذاب ۔

عراق میں حضرت خالدرض کی فتوحات ، ۱۸۲

جنگ ابلہ ۔ جنگ مذار (الثنی) ۔ جنگ ولجہ ۔ جنگ الیس ۔ فتح امغیشیا ۔ جنگ حیرہ ۔ حضرت خالد کے اعمال اور امراء ۔ جنگ انبار ۔ جنگ عین التمر ۔ جنگ دومۃ الجندل ۔ جنگ حصید ۔ فتح خنافس ۔ جنگ مصیخ ۔ جنگ ثنی اور جنگ زمیل ۔ جنگ فراض حضرت خالد رض کا خفیہ حج ۔

عراق میں حضرت خالدرض کی فتوحات کا اثر ، ۲۲۸

شام میں حضرت خالدرض کی فتوحات ، ۲۳٤

کیا حضرت خالدرض شامی افواج کے سپہ سالار اعظم تھے ؟ ۲٤٦

جنگ یرموک ۔

چوتھا حصہ

خالدرض ، حضرت عمر کے عہد میں ، ۲٦۹

فتح دمشق ۔ معرکۂ فحل ۔ جنگ مرج الروم ۔ فتح حمص ۔ فتح حاضر ۔ فتح قنسرین ۔ فتح مرعشں ۔ فتوحات کا اختتام ۔

واقعات کی ترتیب اور ان کا زمانہ وقوع ۔

حضرت خالد اور حضرت عمر ، ۲۹۰

حضرت عمر کے اوصاف ۔ حضرت خالد کے بعض اوصاف ۔ حضرت عمر کی حضرت خالد سے ناراضی کے اصل اسباب ۔ معزولی کب ہوئی ؟ ٹھوس تاریخی شہادتیں ۔ تاریخی واقعات ۔ معزولی کا اثر ، حضرت خالد کے دل پر ۔ امراء کے دلوں پر معزولی کا اثر ۔ لشکریوں کے دلوں پر معزولی کا اثر ۔ صحابہ کے دلوں پر معزولی کا اثر ۔ ناراضی اور اختلاف کا اختتام ۔ حضرت خالد رض کا دینی مرتبہ ۔ حضرت خالد کے اوصاف و اخلاق ۔ آپ کی جنگی لیاقت ۔ لشکر کے سپاہیوں سے آپ کا حسن و سلوک ۔ جہاد سے عشق ۔ حضرت خالد کے اہل و عیال ۔ حضرت خالد کی وفات ۔

ماخذ کتاب ، ۳۲۷

فہرست شجرات و نقشہ جات

۱ - شجرہ حضرت خالد کا نسب اور رسول اللہ صلعم اور حضرت ابوبکر صدیق سے اس کا اتصال ، ۲۱

۲ - شجرہ حضرت خالد کا شجرۂ نسب والد اور والدہ کی طرف سے ، ۲۲

۳ - شجرہ بنو مخذوم کے بعض سربر آوردہ اشخاص ، ۳۸

۴ - شجرہ حضرت خالد کے چچا اور بعض چچا زاد بھائی اور بہنیں ، ۴۰

۵ - شجرہ حضرت خالد کے بھائی بہن ، ۵۰

۶ - شجرہ حضرت خالد کی سگی اور سوتیلی خالائیں اور ماموں ، ۵۴

۷ - نقشہ جزیرہ عرب ، ۲۴۸ اور ۲۴۹ کے درمیان

۸ - نقشہ العراقین اور الجزیرہ

۹ - نقشہ شام

۱۰ - نقشہ منطقۂ یرموک

۱۱ - نقشہ شہر دمشق اور اس کی سیر گاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ اشرف المرسلین سیدنا محمد و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین ۔

یہ کتاب اسلام کی اس عظیم الشان شخصیت کے بارے میں لکھی گئی ہے جو متفقہ طور پر مسلمانوں کا سب سے بڑا سپہ سالار مانا جاتا ہے ۔ ہماری مراد حضرت خالد رض بن ولید سے ہے جنہیں بارگاہ رسالت سے "سیف اللہ" کا خطاب مرحمت ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا ۔

جس بات نے مجھے اس عظیم فاتح کی سوانح حیات لکھنے پر آمادہ کیا وہ میرا یہ مشاہدہ تھا کہ زندہ اور ترقی کرنے والی قومیں اپنے مشاہیر کے کارناموں کو نہ صرف یاد رکھتی ہیں بلکہ ان پر فخر کرتی ہیں اور کسی موقع پر بھی وہ ان کی تعریف و توصیف سے غافل نہیں رہتیں ۔ ذاتی محفلیں ہوں یا پبلک جلسے، کوئی جگہ بھی ان کے تذکرے سے خالی نہیں رہتی ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم کے بچے بچے کے دل میں اپنے بڑے لوگوں کے لئے احترام اور تعظیم کے جذبات موجزن رہتے ہیں ۔

اس کے بالمقابل مسلمانوں نے اپنی ان مایہ ناز ہستیوں کو بالعموم فراموش کر دیا ہے جنہوں نے اپنی پوری زندگی اعلاء

کلمۃ الحق اور دین خدا کی حمایت و نصرت کے لئے وقف کر دی تھی ، جو اُمت مسلمہ کی عزت و افتخار کا باعث تھیں اور جن کی بیش بہا قربانیوں کے باعث اسلام کو شان و شوکت نصیب ہوئی ۔ ہمیں دنیا کی قوموں میں جو مقام حاصل ہے وہ محض ہمارے اسلاف کی وجہ سے ہے لیکن کیا یہ ظلم نہیں کہ ہم ان کے سارے کارنامے بھول چکے ہیں اور ہمیں اُن کی حقیقی شان کا مطلق علم نہیں ۔ ہماری بے حسی یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ہمیں بہادری ، شجاعت اور جواں مردی کے بارے میں جب بھی کوئی مثال دینے کی ضرورت پیش آئے گی تو نپولین کا نام ہی ہماری زبانوں پر آئے گا ۔ ہمیں قطعاً یہ خیال نہیں آئے گا کہ ہماری قوم ایک شاندار ماضی کی حامل ہے اور ہم میں ایسی ایسی نادرۂ روزگار ہستیاں گذری ہیں جن کے سامنے نپولین جیسے عظیم المرتبت جرنیل بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتے ۔

ذرا تصور تو کیجئے اگر خالد رض بن ولید کسی زندہ و بیدار قوم کے فرزند ہوتے تو ہر سال کتنے جلسے محض اُن کی یاد منانے کے لئے منعقد کئے جاتے اور کتنی یادگاریں ان کے نام پر قائم کی جاتیں ؟ ۔

میں خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ جامعۂ ازہر مصر کی تعلیم کے دوران میں مجھے ایسے فاضل اساتذہ سے استفادے کا موقع ملا جن کی غیرت اسلامی اور اسلاف سے محبت نے مجھ پر گہرا اثر ڈالا ۔ اسی اثر کا نتیجہ ہے کہ میں نے اپنے لئے یہ موضوع منتخب کیا ۔ اگر پڑھنے والوں کو اس میں کوئی مفید بات یا اچھی چیز نظر آئے تو اس کا تمام تر سہرا میرے محترم اساتذہ کے سر پر ہے ۔

جہاں تک میری تحقیق کا تعلق ہے آج تک کوئی مستقل

کتاب اسلام کے اس عظیم الشان سپہ سالار کے بارے میں نہیں لکھی گئی ۔ مجھے امید ہے کہ میری اس تصنیف سے حضرت خالد رض بن ولید کی زندگی کے تمام پہلو نمایاں ہو جائیں گے اور روم و فارس میں جو کارہائے نمایاں آپ نے سر انجام دئے اور ان علاقوں میں اسلام کا نام پہنچانے کے لئے آپ نے جو عدیم المثال قربانیاں کیں ان کا نقشہ پڑھنے والوں کے سامنے آجائے گا ۔ میں نے اس کتاب کے مرتب کرنے میں بڑی محنت کی ہے اور کوشش کی ہے کہ یہ کتاب کسی پہلو سے بھی تشنۂ تکمیل نہ رہے ۔ خدا کرے میں اپنی اس محنت میں کامیاب ہوا ہوں ۔

ابو زیـــد شلبی

۱۳۵۲ھ ۱۹۳۳ء

پیش لفظ

کسی قوم کی حقیقی قدر و منزلت اُس کے افراد کے ذریعے ہوتی ہے ۔ افراد اپنے کارناموں کی بدولت قوم کی سربلندی کا باعث بنتے ہیں ۔ جس قوم میں مخلص کارکن ، باعمل عالم ، نڈر اور بے خوف مجاہدین اور راست باز سیاست دان ہوں وہ قوم ترقی حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتی اور وہی قوم اس بات کی مستحق ہے کہ زمین کی بادشاہت اس کے ہاتھ آئے ۔

اسلام سے قبل عربوں کا شمار دنیا کی وحشی قوموں میں ہوتا تھا ۔ وہ انتہائی پراگندگی کی حالت میں زندگی بسر کرتے تھے ۔ کسی کی اطاعت کرنا اُن کے لئے عار تھا ۔ معمولی معمولی باتوں پر غیظ و غضب کی آگ اُن کے دلوں میں بھڑک اُٹھتی تھی جس کا نتیجہ عموماً خوں ریز جنگوں کی صورت میں ظاہر ہوتا تھا ۔ قبائلی عصبیت پر دوسری تمام چیزیں قربان کر دی جاتی تھیں ۔ اپنے قبیلے کی حمایت میں ہر شخص کٹ مرنے کو تیار ہو جاتا تھا خواہ قبیلہ حق پر ہو یا ناحق پر ، چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم ۔ اُن کی حالت بالکل اس شعر کے مصداق تھی :

لایسألون اخاهم حین یندبهم
فی النائبات علیٰ ماقال برهانا

(جس وقت ان کا بھائی کسی مصیبت کے موقع پر ان کو مدد کے لئے بلاتا ہے تو معاملے کی نوعیت دریافت کئے بغیر وہ اُس کی مدد کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں) وہ بتوں کی پرستش

کرتے تھے اور ان کے دلوں میں یہ وہم سمایا تھا کہ اس طرح انہیں خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے ۔ وہ علم و شائستگی سے عاری تھے اور فکر و تدبر و مآل اندیشی ان سے کوسوں دور تھی ۔

ایک لمبے عرصے کی گمراہی اور پستی کے بعد آخر خدا تعالیٰ نے ان پر اسلام کے ذریعے اپنی رحمت نازل کرنے اور اپنے انعامات سے انہیں سرفراز کرنے کا ارادہ فرمایا ۔ اسلام کے ظہور کے قریب اس نے قس بن ساعدہ * اور ورقہ بن نوفل جیسے چند نیک لوگوں کو پیدا کردیا جنہیں عقل و فکر ، تدبر و فراست ، زیرکی و دانائی سے حصۂ وافر ملا تاکہ ان کے ذریعے لوگوں کے ذہنوں کو اسلام کی تعلیمات قبول کرنے کے لئے تیار کیا جا سکے ۔ ان لوگوں نے اپنی پرحکمت باتوں اور مواعظ حسنہ کے ذریعے عربوں کو اپنی طرف مائل کرنا اور ان کی گمراہی کو ان پر آشکارا کرنا شروع کیا ۔ ان میں سے ایک گروہ دین ابراہیمی کی تلاش میں تھا اور ایک جماعت اس فکر میں مشغول تھی کہ اپنی قوم کے دین سے کسی بہتر دین تک اس کی رہنمائی ہو جائے † ۔

ان حکماء اور مفکرین کے گروہ کی مثال صبح کاذب کی روشنی سے دی جا سکتی ہے جو صبح صادق کی خبر دینے کے لئے فجر سے قبل کچھ وقت کے لئے نمودار ہوتی ہے ۔ اس کے بعد صبح صادق کا ظہور ہوتا ہے کچھ عرصہ بعد صبح کے مطلع تاباں سے سورج طلوع ہو کر تمام عالم کو اپنی روشنی سے منور کر دیتا ہے ۔

اسلام کی صبح درخشاں کا ظہور ایک ہولناک تاریکی کے بعد ہوا ۔ اس وقت دنیا شاہان کسریٰ کے استبداد اور قیاصرہ

* السیرۃ الحلبیہ جلد اول صفحہ ۱۷۲ † آگے چل کر مکہ کی سیاسی حیثیت کے بیان میں مفصل طور پر اس کا تذکرہ آئے گا ۔

کے ظلم و جور کی چکیوں کے نیچے بری طرح پس رہی تھی۔ خدا کے بندے اپنے معبود حقیقی کو بھول کر بے جان پتھروں اور ستاروں کی پرستش میں لگے ہوئے تھے۔ اس حالت کو دیکھ کرخدا تعالیٰ نے، کہ اپنے بندوں پر انتہائی مہربان ہے نہ چاہا کہ اس کے بندے اس گمراھی میں ادھر آدھر بھٹکتے پھریں۔ اس نے اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کو بھٹکی ہوئی دنیا کی اصلاح کے لئے بھیجا جنہوں نے آکر لوگوں کو بتایا کہ عبادت کے لائق صرف ایک ھی ذات ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ آپ نے انسانوں کے لئے جو ضابطۂ اخلاق مقرر فرمایا اس سے بہتر ضابطۂ اخلاق نہ پہلے کسی نے پیش کیا تھا اور نہ آئندہ کوئی پیش کر سکتا ہے۔ آپ نے تمام انسانوں کو، قطع نظر اس کے کہ وہ عربی ھیں یا عجمی، آزاد ھیں یا غلام، معزز قوم کے افراد ھیں یا پست اقوام سے تعلق رکھتے ھیں، مساوی حقوق دئے۔ فضیلت کا معیار آپ نے ایک اور صرف ایک یعنی تقویٰ مقرر فرمایا۔ آپ نے واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" خدا تعالیٰ کے نزدیک سب سے معزز و مکرم وھی فرد ہے جو تقویٰ کے میدان میں سب سے آگے ہے۔ "لیس لعربی علی عجمی فضل الا بالتقویٰ" کسی عربی کو کسی غیر عربی پر کسی قسم کی کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، اگر کسی کو کوئی فضیلت حاصل ہے تو محض تقویٰ کے سبب۔

اُمت مسلمہ اپنے عہد اولین میں تمام اقوام عالم کے لئے ایک نمونہ تھی۔ اس نے دنیا کو دکھا دیا کہ وطن کی خاطر قربانی اور ایمان کی پختگی کا اظہار کس طرح کیا جاتا ہے اور جو فتوحات مسلمانوں نے حاصل کیں اُن کے پس منظر میں جو جذبہ کام کر

رهی تھی وہ تھی ''قوم کی صفوں میں مکمل یک جہتی اور رعایا کے درمیان کامل مساوات۔''

اُمت مسلمہ ابتدا میں عدل و انصاف کی قدر و قیمت سے حقیقی طور پر آشنا تھی ۔ کوئی معزز ترین شخص بھی قصور کر کے سزا سے بچ نہیں سکتا تھا اور کوئی نہایت ھی غریب شخص بھی مظلوم ہو کر انصاف سے محروم نہیں رہ سکتا تھا ۔

جس ایک کلمے پر مسلمان متحد ہو گئے تھے وہ تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ۔ یہ کلمہ زبان پر آتے ھی مسلمانوں کے دلوں سے کینہ مٹ جاتا تھا اور ان کے سینوں میں ایک نئی حرارت پیدا ہو جاتی تھی ۔ ان کی تمام جد و جہد اسی کلمے کو سر بلند کرنے کی خاطر تھی ۔ اسی کی خاطر وہ جمع ہوتے تھے اور اسی کی خاطر وہ جہاد کرتے تھے ۔

کوئی مورخ جب ان فتوحات پر نظر دوڑاتا ہے جو مسلمانوں نے ابتدائی عہد میں (جبکہ ان کی وحشیانہ طرز زندگی کو ختم ہوئے زیادہ دن نہیں گذرے تھے) حاصل کی تھیں تو حیرت سے اس کا دماغ چکرانے لگتا ھے ۔ آخر وہ کونسی چیز تھی جس نے اس تہذیب و اخلاق سے عاری قوم کو اعلیٰ درجے کی مہذب اور شائستہ قوم بنا دیا اور اس میں وہ اتحاد پیدا کردیا جس کی نظیر ملنی مشکل ھے؟ حالانکہ ایک وقت یہ تھا کہ کسی شاعر کا ایک شعر ھی ایک باپ کے دو بیٹوں میں دشمنی کے لئے تفریق ڈالنے اور باہم عداوت کی آگ بھڑکانے کے لئے کافی ہوا کرتا تھا ، تفریق و عداوت بھی ایسی کہ اس کا نتیجہ اکثر خوں ریز جنگوں کی صورت میں ظاہر ہوتا تھا ۔

ہر شخص کے ذہن میں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ دلوں میں

یہ انقلاب عظیم کس طرح برپا ھوا ؟ کیا اس انقلاب کا سبب وہ نیا دین تھا جس کے وہ پیروکار بن گئے تھے؟ یا وہ عدل تھا جو اس وقت قائم ھوچکا تھا ؟ یا وہ مساوات تھی جس نے حاکم اور محکوم دونوں کو ایک سطح پر لا کھڑا کیا تھا ؟ یا فوجوں کی اعلیٰ کارکردگی تھی جس نے ان کو فتوحات سے نوازا ؟ ۔

ان سوالوں کا صرف ایک ھی جواب ھے اور وہ یہ کہ یہ دین اسلام ھی تھا جس نے عربوں کے منتشر شیرازے کو یکجا کیا ، ان کی صفوں میں اتحاد پیدا کیا ، دور جاھلیت کی مہلک رسومات سے انہیں روکا اورعین اس وقت جب ان کی قوتیں باھمی تنازعات میں ضائع ھو رھی تھیں ان کے سامنے ایک بلند نصب العین رکھا اور ان کی قوتوں کو اس کے حصول کی کوشش میں لگا دیا* ۔

اسی دین نے انہیں مساوات اور عدل کی نعمتوں سے روشناس کرایا ، اسی نے انہیں اتحاد کی تلقین کی ، اسی نے انہیں " طیعوا اللہ و رسولہ ولاتنازعوا فتفشلوا " (اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں مت جھگڑو کیونکہ اس طرح تم کمزور ھو جاؤ گے) کی تعلیم دے کر اختلافات اور جھگڑوں سے بچنے کا

---

* مشہور فرانسیسی مستشرق لیبان اپنی کتاب " التعالیم النفسیہ للحرب الاوربیہ" کے چوتھے باب میں "دوران جنگ میں روحانی عوامل" کے عنوان کے تحت اسی امر کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتا ھے"عربوں کے اس ایمان کے نتیجے میں جو انہیں حاصل تھا اس چھوٹی سی جماعت نے نہایت قلیل مدت میں دنیا کے تقریباً تمام متمدن حصے کو فتح کر لیا اور ان کی سلطنت کا دائرہ مشرق سے مغرب تک وسیع ھو گیا" صفحہ ٦٦ مطبوعہ الہلال پریس ١٩١٦ء ۔

حکم دیا ، اسی نے یا ایہا الذین آمنوا اذا لقیتم فئة فاثبتوا و اذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون (اے ایمان والو ! جب کسی گروہ سے تمہارا سامنا ہو تو تم ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرتے رہو اسی طرح تم کامیاب ہو سکتے ہو) کا فرمان سنا کر انہیں فتح پانے کا گر بتایا۔

اسی دین نے ان کی عقلوں کو جلا دی اور اولم ینظروا فی ملکوت السموٰت و الارض و ما خلق اللہ من شیئی (کیا نہوں نے زمین و آسمان کی بادشاہت اور خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء پر غور و فکر نہیں کرتے) کا حکم سنا کر انہیں زمین و آسمان کے عیاں و نہاں خزانے حاصل کرنے کی طرف متوجہ کیا۔

جب مسلمانوں نے اپنے ارد گرد نظر دوڑائی تو انہوں نے دیکھا کہ ایک طرف تو امراء عیش پرستی میں مشغول ہیں ، دوسری طرف غلام اور غریب رعایا جور و ستم میں دبی ہوئی ہے۔ نیک انسانیت کم کئے جا رہے ہیں اور ہر طرف گمراہی کا بازار گرم ہے۔ اس وقت انہیں یہ خدائی فرمان یاد آیا : ”ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینہون عن المنکر“ (تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے ، بھلائی کی تلقین کرے اور بدی سے بچائے)۔ اس فرمان کے بموجب انہوں نے دین اسلام کی اشاعت اور خدا کے بندوں کو ہدایت دینے کی خاطر کمر ہمت باندھ لی اور جی جان سے اس کام میں لگ گئے ۔ ان کے سامنے صرف ایک ہی مقصد تھا اور وہ تھا اعلاء کلمة الحق اور مخلوق خدا کی بھلائی۔ ابوبکر ، عمر ، عثمان ، علی ، عمرو بن العاص اور خالد بن ولید اس میدان کے عظیم ترین شہسوار ہیں۔

حضرت خالد بن ولید انتہائی اہم شخصیت کے مالک تھے۔

مرتدین کا زور توڑنے اور سواد عراق اور شام کو فتح کرنے میں جو کارھائے نمایاں آپ نے سرانجام دئے وہ تاریخ میں بے حد اھمیت کے حامل ھیں۔ جس حیرت انگیز قابلیت کے ساتھ آپ نے اسلامی فوجوں کی کمان کی، اسی کا اثر تھا، کہ جب دشمن سنتے تھے کہ خالد بن ولید اُن کے مقابلے کے لئے آرھے ھیں تو ان کے چھکے چھوٹ جاتے تھے اور وہ مقابلے سے پہلے ھی ھمت ھار بیٹھتے تھے۔

ابو زیــــد شلبی

پہلا حصہ

خالدؓ بن ولیدؓ اسلام سے قبل

نسب

حضرت خالد بن ولید کا شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے:
ابو سلیمان* خالد بن ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر† بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لؤی۔ اس طرح رسول اللہ صلعم اور حضرت ابوبکر صدیق سے آپ کا نسب ساتویں پشت میں جا کر مل جاتا ہے۔ (شجرہ نمبر ۱)

آپ کی والدہ کا نام لبابۃ الصغریٰ تھا جو حارث بن حزن ہلالیہ کی بیٹی تھیں۔ ان کا اور آپ کے والد ولید کا سلسلہ نسب مضر پر جا کر مل جاتا ہے۔ (شجرہ نمبر ۲)

ولادت

تاریخ کی کسی کتاب سے ہمیں حضرت خالد بن ولید کی

* بعض روایتوں میں ابو سلیمان کی بجائے ابوالولید آیا ہے۔

† بعض کتب تاریخ میں عمر کی بجائے عمرو لکھا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ ہم کئی قلمی اور مطبوعہ کتابوں کی چھان بین کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ انساب القرشیین جلد ۱ صفحہ ۵۹۔ ابن ہشام کی جلد اول و جلد ثانی۔ ابن سعد جلد ۳ اور طبری حصہ ۲ و ۳ کے بے شمار مقامات میں عمر ہی لکھا ہے۔

صحیح تاریخ پیدائش کا پتہ نہیں چلتا ۔ البتہ ابن عساکر نے اور ابن برهان الدین نے اپنی سیرة* میں لکھا ہے کہ بچپن میں ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب اور حضرت خالد بن ولید نے کشتی لڑی جس میں خالد نے عمر کی پنڈلی توڑ ڈالی جو کافی علاج معالجے کے بعد ٹھیک ہوئی ۔ اس واقعے سے دونوں کا ہم عمر ہونا ثابت ہوتا ہے ۔ اسلام کے ظہور کے وقت حضرت عمر ستائیس سال کے تھے ۔ حضرت خالد کی بھی اس وقت تقریباً یہی عمر ہوگی† ۔

حضرت خالد کی زندگی کے اصل واقعات شروع کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ان کے منشا ، مولد ، ان کے قبیلے اور ان کے والدین کا مختصر حال بیان کر دیا جائے ۔ کیوں کہ اس طرح ہم ان کے متعلق ایسی رائے قائم کرسکتے ہیں جو حقیقت سے دور نہیں ہوگی ۔ وہ جگہ جہاں کوئی شخص قیام پذیر ہوتا ہے ، اس جگہ کی آب و ہوا ، وہاں کے میدان اور وادیاں ، اس شخص کے ساتھی اور دوست اور قبیلہ جن میں وہ اپنی زندگی

* تاریخ ابن عساکر جلد ۳ صفحہ ۷۰ و سیرة ابن برهان الدین جلد ۳ صفحہ ۲۷۶ ۔

† اگر یہ بات مان لی جائے کہ دونوں ہم عمر تھے تو حضرت عمر کی عمر بعثت نبوی کے وقت متفقہ طور پر ۲۷ برس کی تھی اور رسول کریم صلعم پر پہلی وحی ۱۲ فروری ۶۱۰ء کو نازل ہوئی تھی (رحمة للعالمین جلد ۱ صفحہ ۴۲) اس سنہ میں سے ۲۷ برس منہا کئے جائیں تو اس حساب سے خالد کی پیدائش ۵۸۳ء میں ثابت ہوتی ہے ۔ یعنی رسول کریم صلعم کی ولادت با سعادت سے تقریباً بارہ سال بعد (مترجم) ۔

شجرہ نمبر ۱

فہر
(قریش)

غالب

لؤی

کعب

مرہ

یقظہ	کلاب	تیم
مخزوم	قصی	سعد
عمر	عبد مناف	کعب
عبداللہ	ہشم	عمرو
المغیرہ	عبدالمطلب	عامر
الولید	عبد اللہ	عثمان ابوقحافہ
خالد رضی اللہ عنہ	محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم	ابوبکر رضی اللہ عنہ

شجرہ نمبر ٢

حضرت
خالدرضؓ کا شجرۂ نسب
والد اور والدہ
کی طرف سے

مضـــر

قیس عیلان	الیاس
خصفه	مدرکه
عکرمه	خزیمه
منصور	کنانه
ہوازن	النضر
بکر	مالک
معاویه	فہر
صعصعه	غالب
عامر	لؤی
ہلال	کعب
عبد اللہ	مره
زویبه	یقظه
الہزم	مخزوم
بجیر	عمرو
حزن	عبد اللہ
الحارث	المغیره
لبابه (والدہ خالد)	الولید (والد خالد)

خـالـــد
رضی اللہ عنہ

مـاخذ

١۔ الطبری جلد ٢
صفحه ١٧٧-١٧٨
٢۔ نہایة الارب جلد ٣
صفحه ٣٥٦
٣۔ الاستیعاب جلد ٢
صفحه ٤٢٨، ٤٢٩
٤۔ انساب الاشراف
جلد ٢ صفحه ٢١٤-
٢١٦
٥۔ سیرة ابن هشام
جلد ١ صفحه ١٦٧-
١٧٠
٦۔ الاصابه جلد ٨
صفحه ١٧٨

گزارتا ہے، اس کے اخلاق و عادات اور خصائل پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ ان اثرات کا تعلق انسان کی ابتدائی زندگی ہی سے نہیں بلکہ قبل از پیدائش کی زندگی سے بھی ہوتا ہے۔ ماہرین نفسیات کا مقولہ ہے کہ کسی شخص میں کسی خاص خصلت کا پایا جانا اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ اس کے والدین اس کی پیدائش سے پہلے کسی حادثے سے دو چار ہو چکے ہیں۔ چنانچہ سترھویں صدی کے مشہور انگریزی مدبر تھامس ہوب کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ وہ انتہائی بزدل تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی والدہ کو ہسپانوی بحری بیڑے "آرمیڈا" کے انگلستان پر چڑھائی کے دوران میں انتہائی خوف و ہراس کے عالم میں سے گزرنا پڑا تھا۔ اسی خوف و ہراس کا اثر اس کے بیٹے میں بھی سرایت کر گیا۔

خالدؓ کا وطن

خالد بن ولید خاندان قریش سے تعلق رکھتے تھے جو مکہ کا مشہور و معروف قبیلہ تھا۔ شہر اور قبیلے نے خالد پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ ان اثرات کو سمجھنے کے لئے مکہ کی طبعی اور اجتماعی حالتوں کا مطالعہ ضروری ہے۔

مکہ۔ طبعی حالت

مکہ حجاز کے جنوبی علاقے میں بنجر وادی کے درمیان واقع ہے۔ یہاں کی ہوا گرم ہے البتہ یہ ہر قسم کی کدورتوں اور گندگی سے پاک ہے۔ ساحل سمندر قریب ہی ہے اس لئے صحرا میں ہونے کے باوجود صحرائی آب و ہوا کا زیادہ اثر مکہ پر نہیں ہے۔

یہ علاقہ زراعت اور صنعت و حرفت کے قابل نہیں ہے۔

ریتلی زمین ہونے کی وجہ سے کھیتی باڑی نہیں ہوسکتی اور صنعت و حرفت کے لئے خام مواد نہیں مل سکتا ۔ اس لئے یہاں کے باشندوں کو روزی کمانے کے لئے سفر پر نکلنا پڑتا ہے ۔ چنانچہ جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس میں اہل مکہ سال کا بیشتر حصہ سفر میں گزارتے تھے اور ان کے قدم رات دن گردش میں رہتے تھے ۔ اس کی طرف خدا تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں اشارہ کیا ہے :

لایلاف قریش ایلا فہم ۔ رحلة الشتاء والصیف ۔ فلیعبدوا رب ھذا البیت الذی اطعمہم من جوع و آمنہم من خوف (چوں کہ خدا تعالیٰ نے قریش کے دلوں میں جاڑے اور گرمی کے سفروں کی الفت پیدا کردی ہے ۔ اس لئے انہیں چاہئے کہ وہ اس الفت پیدا کر دینے کی وجہ سے اس خانۂ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا اور خوف سے ان کو امن میں رکھا) ۔

اہل مکہ پر ان حالات کا اثر

ان طبعی حالات کا اثر باشندوں پر پڑنا ضروری تھا ۔ ان کی صحت بہت اچھی تھی ۔ کھلے آسمان کے نیچے زندگی بسر کرنے کی وجہ سے ستارہ شناسی میں انہیں کافی دسترس تھی ۔ دن رات سفر میں رہنے کے باعث ان میں محنت و مشقت اٹھانے کی عادت راسخ ہوچکی تھی ۔ مختلف قوموں سے میل جول تھا ، اس لئے فراست اور دانائی میں یہ لوگ دوسرے عرب قبائل میں ممتاز تھے ۔

مکہ ۔ اجتماعی کیفیت

مکہ ۔ دینی مرکز

مذہبی لحاظ سے عرب میں مکہ کو بہت اہمیت اور

تقدیس حاصل تھی کیوں کہ اس جگہ حضرت ابراہیم کے مبارک ہاتھوں سے بنائی ہوئی وہ مقدس عمارت کھڑی تھی جسے کعبۂ مکرمہ اور بیت اللہ کے ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ جس کی طرف منہ کرکے دنیا کا ہر مسلمان نماز پڑھتا ہے اور جس کی زیارت کے لئے ہر سال لاکھوں آدمی جمع ہوتے ہیں۔ بیت اللہ کے مکہ میں واقع ہونے کے علاوہ اہل مکہ کو ایک خصوصیت یہ بھی حاصل تھی کہ وہ حضرت اسماعیل جیسے جلیل القدر نبی کی اولاد تھے۔ کعبہ کی تولیت انہی کے ہاتھ میں تھی اور اس وجہ سے وہ ایسی خاص مراعات کے حامل تھے جو دوسرے عرب قبائل کو حاصل نہ تھیں۔ چنانچہ اسلام سے قبل حج کے موقع پر اہل مکہ عرفات میں جاکر نہیں ٹھیرتے تھے حالانکہ عرفات میں ٹھہرنا حج کا رکن اعظم ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم عین حرم کے رہنے والے ہیں، حرم کی حد کے باہر کیوں جائیں۔ اسی طرح وہ باہر سے آنے والوں کو مجبور کرتے تھے کہ وہ اپنے معمولی کپڑوں میں حج نہ کریں بلکہ خاص کپڑے (احرام) پہن کر آئیں اور اگر وہ ایسا نہیں کرسکتے تو پھر ننگے ہوکر حج کریں*۔

اسی کا اثر تھا کہ تمام عرب قبائل میں اہل مکہ کو نہایت درجہ عزت اور احترام حاصل تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ عرب کا کوئی فرد، گھرانہ اور قبیلہ ان سے زیادہ معزز نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ نے بھی اس نعمت عظمیٰ کا ذکر کرکے، جو اس نے

---

* اسلام نے ان تمام امتیازات کو مٹا دیا اور اہل مکہ پر یہ فرض قرار دیا کہ باہر سے آنے والے لوگ جس طریق پر حج کرتے ہیں اسی طریق پر وہ بھی کریں، انہیں کسی قسم کی مراعات نہیں دی جا سکتیں۔

اہل مکہ کو عطا فرما رکھی تھی ، مندرجہ بالا سورۃ میں شکر ادا کرنے کی طرف ان کی توجہ دلائی ہے -

مکہ - تجارتی مرکز - مکہ آن تجارتی قافلوں کے راستے میں پڑتا تھا جو ہندوستان اور اپنے ملک کی چیزیں لے کر یمن سے شام اور مصر جایا کرتے تھے - یہ قافلے پانی کا ذخیرہ کرنے اور راستے کے لئے سامان خورو نوش اکٹھا کرنے کے لئے یہاں ضرور قیام کیا کرتے تھے - مکہ کے قریب کئی بازار تھے جن کی خصوصیت یہ تھی کہ وہاں نہ صرف تجارتی سامان فروخت ہوتا تھا بلکہ شاعری اور ادب کے مقابلے بھی منعقد ہوتے تھے - عرب قبائل ایک دوسرے پر اپنی فوقیت اور بڑائی کا اظہار انہی بازاروں میں کرتے تھے - تجارتی قافلوں کے آنے جانے سے مکہ میں خوب چہل پہل گہما گہمی اور رونق رہتی تھی - مکہ محض تجارتی قافلوں کی گزر گاہ ہی نہ تھا بلکہ یہاں کے باسندے بھی تجارت کا کام وسیع پیمانے پر کرتے تھے اور بیسیوں شہروں خصوصاً شام اور یمن کی جانب آن کے تجارتی قافلے بکثرت جایا کرتے تھے -

تجارت ، سفروں کی کثرت اور مختلف اقوام کے ساتھ میل جول رکھنے کا نتیجہ اہل مکہ کے حق میں بہت سود مند ثابت ہوا - ان کے یہاں مال کی فراوانی تھی اور وہ نہایت خوش حال تھے - دوسری قوموں کے ساتھ میل جول کے نتیجہ میں ان کو مختلف تہذیبوں اور افکار کے مطالعے کا موقع ملا جس سے آن کی عقلیں صیقل ہوئیں اور ذہن کافی حد تک بلند ہوا -

مکہ - ادبی اور اخلاقی مرکز - مذہبی حیثیت کے علاوہ

مکہ کو تمام عرب پر ادبی اور اخلاق حسنہ سے بھی امتیاز حاصل تھا۔ یہ امتیاز اس وقت سے شروع ہوا جب قریش کے جد امجد قصئی بن کلاب* نے خزاعہ پر غلبہ حاصل کرکے مکہ کی سیادت اور بیت الحرام کا تمام انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ قصئی کو جو عزت، قدر اور منزلت حاصل ہوئی وہ اس کی وفات پر ختم نہیں ہوگئی بلکہ نسلاً بعد نسل اس کی اولاد میں منتقل ہوتی چلی گئی۔ چنانچہ اہل مکہ تمام عرب میں انتہائی ادب و احترام کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔ اہل مکہ کے اس امتیاز اور برتری میں بہت بڑا حصہ ان بازاروں کا بھی تھا جو مکہ کے قریب واقع تھے۔ یہ بازار جن کو میلہ کہنا زیادہ مناسب ہے ہر سال منعقد ہوتے تھے۔ سارے عرب سے شعراء، خطباء، مفکر اور حکماء ان میلوں میں شامل ہونے کے لئے آتے تھے۔ شعر و شاعری کی محفلیں منعقد ہوتیں، فصیح البیان خطیب اپنے خطبوں سے لوگوں کے دل گرماتے، ہر قبیلہ اپنے شاعروں، خطیبوں، مفکروں اور حکماء کے بل پر دوسرے قبیلوں پر اپنی بڑائی جتاتا اور اپنے بلند اور اعلیٰ مرتبے کا ڈھنڈورا پیٹتا۔ ان میلوں میں اہل مکہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی تھی۔ جب شعراء فخریہ اشعار سناتے اور قبائل کے سردار اپنی بڑائی اور برتری کا اظہار کرتے تو وہ قریش کو مستثنیٰ قرار دے لیتے تھے۔ چنانچہ مشہور شاعر اخطل کہتا ہے

رأیت الناس ما حاشا قریشا
فانا نحن افضلھم فعالا

---

* زمانہ حال کے مؤرخین کی تحقیق یہ ہے کہ قصئی بن کلاب نے ۴۸۰ء میں وفات پائی۔

(میں نے تمام لوگوں کو خوب اچھی طرح پرکھ کر یہ رائے قائم کی ہے کہ ہم سوائے قریش کے باقی تمام لوگوں سے افضل ہیں)۔

اہل مکہ میں اپنی بڑائی اور بڑی کے احساس کی وجہ سے شجاعت، بہادری، ہر قسم کی تکلیف برداشت کرنے کی قوت، ہر میدان میں کامیابی حاصل کرنے اور دشمنوں سے پورا پورا انتقام لینے کا جذبہ، اپنی تعریف سننے کا شوق، ہر قومی کام میں سبقت، وفاء عہد، پڑوسیوں اور پناہ گزینوں کی حفاظت کے خصائل قدرتی طور پر پیدا ہوگئے تھے۔ اپنے قومی کردار کے قیام اور عزت نفس کو برقرار رکھنے کے لئے وہ کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔

<u>مکہ۔ سیاسی مرکز</u>۔ اہل مکہ میں سیاسی شعور بہت بڑھا ہوا تھا۔ ان میں جو سیاسی نظام مروج تھا وہ شورائی اور جمہوری حکومتوں کے نظام سے بہت ملتا جلتا ہے۔ عہدوں اور رتبوں کی تقسیم میں ہر قبیلہ شریک تھا اور کوئی قبیلہ اپنے جائز حق سے محروم نہ تھا۔

باہمی معاملات میں مشورہ کرنے کے لئے ایک 'دار الندوہ' قائم تھا جہاں وقتاً فوقتاً سرداران قبایل جمع ہو کر حاضرالوقت مسائل پر بحث و تمحیص کرتے اور باہمی مشورے سے کسی قطعی اور یقینی فیصلے پر پہنچتے۔ دارالندوہ کی اسی شکل کو بعد میں متمدن اقوام نے اپنایا جسے آج کل 'پارلیمنٹ' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

سرداروں کے فیصلوں کو حرف آخر کا درجہ حاصل ہوتا تھا اور قوم کو انہیں لازماً قبول کرنا پڑھتا تھا۔ دارالندوہ کا قیام اسی لئے عمل میں لایا گیا تھا کہ یہاں بیٹھ کر سرداران قبایل

پہلے متفقہ طور پر کوئی فیصلہ کر لیں تاکہ کسی خامی اور غلطی کا امکان نہ رہے۔ اس کے بعد وہ اسے اپنے اپنے قبیلے کے ذریعے نافذ کرائیں۔ اس طرح اہل مکہ کی قومی زندگی میں دارالندوہ کو زبردست اہمیت حاصل ہو گئی تھی۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ یہاں بیٹھ کر جو فیصلے کئے جاتے تھے کسی شخص کو ان پر چون و چرا کرنے کا حق حاصل نہ تھا۔ ہر کوئی سچے دل سے انہیں قبول کرتا اور بعد میں کسی قسم کے حیلے بہانے کر کے انہیں کالعدم قرار دینے کی کوشش نہ کرتا۔ اس طرح قوم میں یک جہتی اور اتحاد و اتفاق قائم رہتا تھا۔

اس جمہوری طریقے کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی تھا کہ مکہ کے ہر قبیلے کے لوگوں میں اپنے فرائض کا احساس اور اپنے سردار کا احترام تھا۔ ان پر شوریٰ کی اہمیت اچھی طرح واضح تھی اور اس کے لئے وہ ایسے ہی نمائندے (رئیس) کو منتخب کرتے تھے جو ان کے معاملات کو اچھی طرح مجلس کے سامنے پیش کر سکے۔

معاملات کے اس اجتماعی نظام کا اہل مکہ پر بہت گہرا اثر پڑا! عرب کے دوسرے قبائل کے مقابلے میں ان کا اخلاق نمایاں طور پر بہتر تھا۔ اپنے اور دوسرے لوگوں کے حقوق و فرائض کا انہیں کماحقہ احساس تھا۔ قریش کے جداکبر قصیٰ سے قبل اور اسلام کے ظہور کے وقت اہل مکہ کی حالتوں کا اگر موازنہ کیا جائے تو دونوں حالتوں میں ہمیں زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ وہ ایک پراگندہ اور جاہل قوم سے، جسے اپنے اونٹوں کے علاوہ اور کسی چیز کی خبر نہ تھی، ایک ایسی متمدن قوم میں تبدیل ہو گئے تھے جس نے شائستگی اور تہذیب میں کافی حد تک ترقی کر لی تھی۔ اہل مکہ کے کردار میں تبدیلی کی روشن مثال

"حلف الفضول" کا واقعہ ہے جب انہوں نے مل کر یہ عہد کیا تھا کہ وہ ہر مظلوم کی مدد کریں گے ۔ اسی حلف الفضول کے بارے میں رسول کریم صلعم نے یہ فرمایا تھا کہ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں میں نے ایک ایسا عہد کیا تھا جو مجھے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ پسند ہے اور اگر اب اسلام کے زمانے میں بھی مجھ سے اس کا واسطہ دے کر مدد مانگی جائے تو میں اس کے لئے تیار ہوں*۔

* اس واقع کی تفصیل ابن ہشام نے اپنی سیرت میں بایں الفاظ بیان کی ہے "قریش کے بعض قبائل نے باہم ایک عہد کرنا چاہا ۔ چنانچہ وہ عبداللہ بن جدعان بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لؤی کے گھر میں جمع ہوئے اور سب نے بالاتفاق قسمیں کھائیں کہ مکہ میں وہ جس مظلوم کو دیکھیں گے ، خواہ وہ مکہ کا باشندہ ہو یا مسافر ، اس کے ساتھ ہو کر ظالم سے اس کا بدلہ لیں گے ۔ اس حلف کا نام انہوں نے "حلف الفضول" رکھا ۔ مندرجہ ذیل قبائل اس موقع پر جمع تھے : بنو ہاشم ، بنو عبدالمطلب ، اسد بن عبدالعزی ، زہرہ بن کلاب اور تیم بن مرہ"۔ اسی حلف کے بارے میں زبیر بن عبدالمطلب نے یہ اشعار کہے تھے

ان الفضول تحا لفوا وتعا قدوا
الا یقیم ببطن مکة ظالم
امر علیه تعاهد وا وتعاقد وا
فا لجار والمعتر فیهم سالم

(السہیلی جلد ۱ صفحہ ۹۱ و ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۳)

(باقی صفحہ ۳۱ پر)

اس کے ساتھ ساتھ قریش میں ایسے افراد کا پیدا ہو جانا جنہوں نے اپنے آبائی دین کو ترک کرکے ، بت پرستی کو چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش اختیار کرلی ، اس روشن ضمیری کا پتہ دیتا ہے جو قریش میں رونما ہو رہی تھی * ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰

یعنی "فضول نے (یہ حلف اٹھانے میں چار ایسے آدمی پیش پیش تھے جن کا نام فضل تھا ۔ اسی مناسبت سے اس کا نام حلف الفضول پڑ گیا) یہ عہد کر لیا ہے کہ آئندہ وادئ مکہ میں کوئی ظالم رہنے نہیں پائے گا ۔ اس عہد کی انہوں نے خوب نگہداشت کی ، اسی کا نتیجہ ہے کہ اب پڑوسی اور غریب و بیکس انسان کی طرف کوئی شخص آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا ۔"

* ابن ہشام اپنی سیرت میں لکھتے ہیں : "ایک دفعہ قریش اپنے ایک تہوار کے موقع پر ایک بڑے بت کے قریب جمع ہوئے جس کی وہ بہت تعظیم کرتے تھے ، اس پر چڑھاوا چڑھاتے تھے ، اس کے نام پر قربانیاں کرتے تھے اور اس کے گرد طواف کرتے تھے ۔ اس موقع پر چار اشخاص نے خفیہ طور پر ان سے علحدگی اختیار کر لی جو مندرجہ ذیل تھے ۔

(۱) ورقہ بن نوفل ۔ (۲) عبیداللہ بن جحش ۔ (۳) عثمان بن حویرث ۔ اور (۴) زید بن عمرو بن نفیل ۔ انہوں نے آپس میں طے کیا کہ چونکہ ہماری قوم نے انتہائی گمراہی اختیار کر لی ہے اور دین ابراہیمی سے ان کو کسی قسم کا تعلق نہیں رہا ، جن بتوں کی وہ پوجا کرتے ہیں وہ محض پتھر ہیں جو نہ سنتے ہیں اور نہ

(باقی صفحہ ۳۲ پر)

ذهنیتوں اور افکار میں یہ تبدیلی کیونکر رونما ہوئی ؟ اور وہ جو کبھی جنگل کے بھیڑیے تھے متمدن انسانوں میں کس طرح تبدیل ہو گئے ؟ یہ در اصل اس امر کی علامت تھی کہ اب خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک نئے دین کا ظہور ہونے والا ہے۔ اور اس پیغمبر کی ولادت کا وقت آن پہنچا ہے جس کے سپرد دین خدا کو تمام مذاہب پر غالب کرنے کا کام کیا گیا ہے۔ قریش کی ظاہری حالت اگرچہ ایسی نہ تھی کہ تاریخ میں زیادہ دیر تک اُن کا نام زندہ رہ سکتا۔ اور وہ تمام عرب کو اپنے گرد اکٹھا کر کے اور انہیں اپنا مطیع و فرماں بردار بنا کر ایک لمبے عرصہ تک عالم پر حکمرانی کرتے۔ لیکن چونکہ رسول کریم صلعم کی ولادت کے بعد دنیا کی سرداری کا تاج انہی کے سر پر رکھا جانے والا تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے پہلے ہی سے ان کی مخفی استعدادوں اور صلاحیتوں کو ظاہر کرنا شروع کر دیا جو ان عظیم فتوحات اور کارہائے نمایاں میں بے حد ممد ثابت ہوئیں جن کا کچھ ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا۔

خالد کا قبیلہ - حضرت خالد بن ولید بنو مخزوم سے تعلق رکھتے تھے جو قریش کا ایک معزز قبیلہ تھا۔ زیرک، دانا اور باکمال افراد کی اس قبیلے میں کمی نہ تھی۔ مغیرہ بن عبداللہ بن عمر،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱)
دیکھتے ہیں، نہ نقصان پہنچاتے ہیں اور نہ نفع دیتے ہیں اس لئے ہمیں دین ابراہیمی کی تلاش کرنی چاہئے۔ ان میں سے ورقہ بن نوفل نے بہت کچھ غور و فکر کے بعد عیسائیت اختیار کر لی اور بائبل اور انجیل کا مطالعہ کرنے کے بعد وہ عیسائیت کے بہت بڑے پیرو کار بن گئے۔'' ابن ہشام جلد اول صفحہ ۱۴۵

جو سخاوت میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے، اسی قبیلے کے فرد تھے۔ ابو وہب بن عمرو تھے، جنہوں نے سب سے پہلے لوگوں میں یہ خیال پیدا کیا کہ بیت اللہ کی تعمیر میں صرف وہی رقم صرف کی جائے جو حلال طریقوں سے حاصل کی گئی ہو، اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جب قریش کعبہ کی تعمیر نئے سرے سے شروع کرنے لگے تو ابو وہب نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا "اے میری قوم تم اس عمارت کی تعمیر شروع کرنے لگے ہو، جو خانۂ خدا ہے، جس میں شب و روز خدا کا نام لیا جاتا ہے۔ اس لئے اس بات کا سختی سے خیال رکھو کہ اس کی تعمیر میں کوئی ایسی رقم نہ لگائی جائے جس کے حرام ہونے کے متعلق تمہیں شبہ بھی ہو۔ نہ تو اس میں فاحشہ عورت کا روپیہ خرچ ہونا چاہیئے نہ سود کا روپیہ لگنا چاہیئے اور نہ ایسا روپیہ لگنا چاہیئے جو لوگوں پر ظلم و ستم کر کے حاصل کیا گیا ہو*۔" ابو وہب رسول کریم صلعم کے والد کے ماموں تھے اور تمام مکہ میں نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

بنو مخزوم کو قریش میں جو رتبہ حاصل تھا اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ جب کعبہ کی تعمیر کا سوال درپیش ہوا تو اس خیال سے، کہ تمام قبائل کو اس کی تعمیر کا شرف حاصل ہو، عمارت کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے ہر قبیلے کے سپرد

---

* مؤلف روض الانف لکھتے ہیں کہ ابو وہب بن عمرو کی اس تقریر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قریش سود، ظلم اور فواحش کو دل سے حرام ہی سمجھتے تھے (گو ظاہر میں انہیں ایسا کرنے میں کوئی باک نہ تھا) روض الانف جلد اول صفحہ ۱۳۱۔

ایک ایک حصہ کر دیا گیا ۔ اس موقع پر کعبہ کی عمارت کا چوتھائی حصہ یعنی حجراسود سے لے کر رکن یمانی تک بنو مخزوم کے حصے میں آیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو مخزوم کس قدر بلند مرتبہ کے مالک تھے* ۔

بنو مخزوم کی بزرگی اور قدر و منزلت کا اظہار اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ قریش کی سیادت کے معاملے میں ان کا بنو ہاشم سے اکثر جھگڑا رہتا تھا ۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے بنو ہاشم قریش کا معزز ترین قبیلہ تھا ۔ کسی قبیلے کو اس سے ہمسری کے دعوے کی جرأت نہ تھی ۔ لیکن بنو مخزوم کسی بھی موقع پر اپنی بڑائی اور شرف و منزلت کا اظہار کرنے سے چوکتے نہ تھے ۔ جب رسول کریم صلعم نے خدا تعالیٰ کے اذن سے نبوت کا دعویٰ کیا تو انہوں نے یہ کہہ کر آپ کی مخالفت کی کہ اگر خدا تعالیٰ کسی کو نبی بنانا چاہتا تو ہم میں سے بناتا ۔ چنانچہ ابو جہل بنو ہاشم کو مخاطب کر کے کہا کرتا تھا ”جس وقت سخاوت ، شجاعت ، بزرگی اور عزت و شرف کا مقابلہ ہوا اور گھوڑے میدان میں دوڑنے لگے اور ہم نے مقابلہ جیت لیا تو اس وقت تم نے کہنا شروع کر دیا کہ ہم میں نبی پیدا ہو گیا† ۔“

جس وقت قریش نے رسول کریم صلعم کی مخالفت میں مغلوب

---

* یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۸ ۔ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۱۳۱ ۔ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ ۔ طبری اور ابن ہشام نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ مذکورہ بالا رکن تمام کا تمام بنو مخزوم کے حصہ میں آیا تھا ۔ ان کا بیان ہے کہ اس حصے کی تعمیر میں بنو مخزوم کے علاوہ چند اور قبائل بھی شریک تھے ۔

† المغازی للواقدی صفحہ ۲۳ ۔

الغضب ہو کر باہم ایک معاہدہ تحریر کیا کہ کوئی شخص آپ سے اور بنو ہاشم سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھے گا اور انہیں کھانے پینے کی کوئی چیز مہیا نہ کرے گا۔ تو رسول کریم صلعم تمام بنوہاشم اور بنوعبدالمطلب کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور ہونے پر مجبور ہوگئے۔ قریش نے تمام راستے بند کر رکھے تھے اور کسی جانب سے بھی آپ کو کھانے پینے کی کوئی چیز نہ پہنچ سکتی تھی۔ جب محصورین بھوک اور پیاس کی وجہ سے مرنے کے قریب ہوگئے تو سب سے پہلے جس کے دل میں مسلمانوں کے متعلق جذبۂ ترحم پیدا ہوا اور جس نے اس صریح ظلم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر کے اس ظالمانہ معاہدے کو ختم کرنے کے لئے زور دیا وہ بنو مخزوم ہی کا ایک فرد زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ تھا *۔

جب بعض مسلمان کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر حبشہ چلے گئے تو کفار نے ان کو واپس بلانے کے لئے نجاشی شاہ حبشہ کے پاس دو آدمیوں پر مشتمل ایک وفد بھیجا جس میں ایک تو عمرو بن العاص تھے اور دوسرا بنو مخزوم کا کوئی فرد تھا †۔ ایسی معزز سفارت میں جو ایک بادشاہ کے پاس بھیجی جا رہی

* طبری جلد ۲ صفحہ ۲۲۸۔ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۲۳۲۔

† بعض روایات میں آیا ہے کہ عمرو بن العاص کے علاوہ دوسرا شخص حضرت خالد بن ولید کا بھائی عمارہ بن ولید تھا اور بعض روایتوں میں یہ مذکور ہے کہ وہ شخص عبداللہ بن ابی ربیعہ تھا۔ تاہم قطع نظر اس کے کہ کونسی روایت صحیح ہے اس امر پر مؤرخین کا اتفاق ہے کہ دوسرا شخص قبیلہ بنو مخزوم ہی سے تعلق رکھتا تھا۔ حضرت خالد کے بھائیوں کے ذکر میں یہ بیان تفصیل سے آئے گا۔

تھی بنو مخزوم کے ایک فرد کے شامل ہونے سے اس قدر و منزلت کا پتہ چلتا ھے جو قریش کے دل میں اس قبیلے کی تھی -

بنو مخزوم اور سرداران بنو ھاشم کے درمیان از دواج کا سلسلہ بھی جاری تھا - چنانچہ عاتکہ بنت عبدالمطلب ، ابو آمیہ بن مغیرہ سے بیاھی ھوئی تھیں - اسی ابو آمیہ کے لڑکے زھیر بن ابو آمیہ نے سب سے پہلے قریش کے ظالمانہ معاھدے کو فسخ کرنے کا سوال آٹھایا تھا - رسول کریم صلعم کی دادی فاطمہ بنت عمرو بنو مخزوم ھی سے تعلق رکھتی تھیں* اگر ان سب باتوں کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تب بھی بنو مخزوم کی منزلت ، شرف اور فخر کے لئے یہ امر کافی ھے کہ رسول کریم صلعم نے بھی اس قبیلے سے از دواجی تعلق قائم کیا - چنانچہ آپ کی دو ازواج مطہرات حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ بنو مخزوم سے تعلق رکھتی تھیں† -

جس طرح بنو مخزوم قریش میں انتہائی بلند مرتبہ کے مالک تھے اسی طرح وہ دولت و ثروت میں بھی کسی سے کم نہ تھے - واقدی نے قریش کے اس عظیم الشان قافلے کا حال بیان کرتے ہوئے ، جو جنگ بدر سے قبل اس مقصد کے لئے تیار کیا گیا تھا کہ اس سے جو منافع حاصل ھوگا اسے مسلمانوں کے خلاف جنگی

* فاطمہ بنت عمرو رسول کریم صلعم کے والد حضرت عبداللہ ، آپ کے چچاؤں ابوطالب اور زبیر اور سوائے صفیہ کے باقی تمام پھوپھیوں کی والدہ تھیں - ابن ھشام جلد اول صفحہ ۷۸ - طبری جلد ۲ صفحہ ۱۷۳ - ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲ -

† طبری جلد ۳ صفحہ ۱۷۷ و ۱۷۸ - ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۵۵ و ۳۶۷ - ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۱۱ -

تیاریوں میں خرچ کیا جائے گا، لکھا ہے کہ اس قافلے میں بنو مخزوم کے دو سو اونٹ تھے اور اس میں ان کا حصہ چار پانچ ہزار مثقال سونا تھا*۔

جہاں بنو مخزوم رسول کریم صلعم کی مخالفت اور دشمنی کرنے میں پیش پیش تھے وہاں اس قبیلے میں مخلصین کی بھی کمی نہ تھی۔ اس قبیلے کے کئی لوگ سابقون الاولون میں شامل ہیں اور کئی نے اللہ کی راہ میں ہجرت بھی کی۔ چنانچہ حبشہ کی طرف جن مسلمانوں نے ہجرت کی ان میں بنو مخزوم کے آٹھ افراد تھے† جن میں حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد اور حضرت ارقم بن ابی ارقم‡ بھی شامل تھے۔ حضرت ابوسلمہ رض ابتدائی مسلمانوں میں سے تھے اور حبشہ اور مدینہ کی ہجرتوں کے موقع پر مہاجرین میں پیش پیش آپ ہی تھے۔ حضرت ارقم کی بلندیٔ مرتبہ کے لئے یہی بیان کر دینا کافی ہے کہ مسلمانوں کی پہلی مسجد آپ ہی کی جائے سکونت تھی جہاں وہ کفار مکہ کی نظروں سے چھپ کر خدائے واحد کی عبادت کیا کرتے تھے اور جہاں جمع ہوکر وہ اسلام کی ترقی کی تدابیر سوچا کرتے تھے۔

شجرات نمبر ۳، ۴ سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ بنو مخزوم میں کتنے مشہور اور معزز ترین لوگ گذرے ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے

* المغازی للواقدی صفحہ ۱۲۔

† ابن ہشام جلد اول صفحہ ۲۰۶

‡ ابن ہشام (جلد اول صفحہ ۱۶۵) کی روایت کے بموجب حضرت ابو سلمہ کا نمبر اسلام لانے والوں میں دسواں اور حضرت ارقم کا بارھواں تھا۔ لیکن ابن سعد (جلد ۳ صفحہ ۱۷۳) کی روایت ہے کہ ابوسلمہ ساتویں نمبر پر اسلام لائے۔

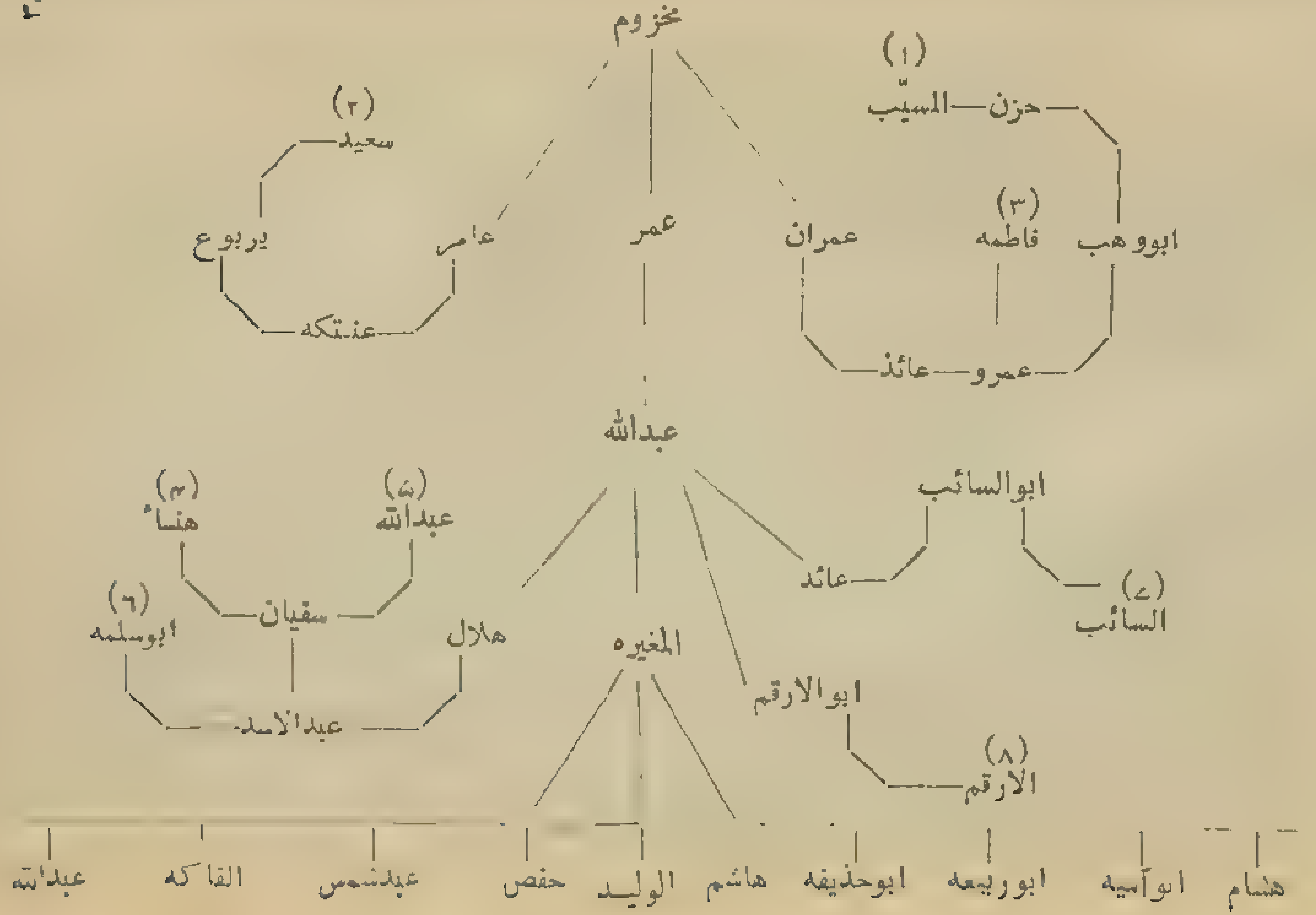
مخزوم
عامر
عمر
عمران
(١)
حزن—المسيّب
ابووهب
(٣)
فاطمه
عمرو—عائذ
(٢)
سعيد
يربوع
عنتكه
عبدالله
(٥)
عبدالله
(٣)
هناء
سفيان
(٦)
ابوسلمه
هلال
عبدالاسد
المغيره
ابوالارقم
(٨)
الارقم
عائذ
ابوالسائب
(٤)
السائب
هشام
ابوأميه
ابوربيعه
ابوحذيفه
هاشم
الوليد
حفص
عبدشمس
الفاكه
عبدالله

شجرہ نمبر ۳ (صفحہ ۳۸)

بنو مخزوم کے بعض سربرآوردہ اشخاص

خالد

ماخذ

(۱) طبقات ابن سعد
(۲) سیرۃ ابن ھشام
(۳) تاریخ طبری
(۴) انساب القرشیین
(۵) تاریخ ابن خلدون

(۱) بعیت رضوان میں شامل تھے۔
(۲) معززین قریش میں سے تھے اور مؤلفہ قلوبھم کے زمرہ میں شامل تھے۔
(۳) رسول اللہ صلعم کی دادی اور زبیر اور ابوطالب کی والدہ تھیں۔
(۴) اولین مسلمانوں میں سے تھے اور حبشہ کی جانب ھجرت کرنے والوں میں شامل تھے۔
(۵) " " " " "
(۶) اولین مسلمانوں اور مہاجرین حبشہ میں شامل تھے۔ مدینہ کی طرف سب سے پہلے انہوں نے ھی ھجرت کی۔
(۷) مؤلفۃ قلوبھم کے زمرہ میں شامل اور مخلص مسلمان تھے۔
(۸) ابتدائی مسلمانوں میں سے تھے۔ انھی کے گھر میں مسلمان خفیہ طور پر جمع ہو کر نمازیں وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔

شجرہ نمبر ۴

حضرت خالدرض کے چچا اور بعض چچازاد
بھائی اور بہنیں

مـاخذ

(۱) مغازی الواقدی (۲) طبقات ابن سعد
(۳) سیرۃ بن ہشام (۴) تاریخ طبری
(۵) تاریخ ابن خلدون (۶) فتوح البلدان بلاذری

المغیرہ

- ہشام: ۱ ابوجہل، ۲ سلمہ، ۳ خالد، ۴ الحارث، ۵ العاص
- ابوامیہ: ۶ زہیر، ۷ عبداللہ، ۸ ام سلمہ، ۹ المہاجر
- ابوربیعہ: ۱۰ عیاش، ۱۱ عبداللہ
- ابوحذیفہ: ۱۲ ابوامیہ، ۱۳ ہاشم
- الولید: خالد رضی اللہ عنہ
- ہاشم: ۱۴ حنتمہ
- حفص
- عبدشمس: ۱۵ الولید
- الفاکہ: ۱۶ ابوقیس
- عبداللہ: ۱۷ عثمان، ۱۸ نوفل

خالد رض کے چچا زاد بھائیوں اور بہنوں کے حالات
(متعلقہ شجرہ نمبر ۴)

(۱) ابو جہل : سرداران قریش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید دشمنوں میں سے تھا ۔ مشہور صحابی حضرت عکرمہ رض کا باپ تھا ۔

(۲) سلمہ : قدیمی مسلمان ہیں ۔ حبشہ کی طرف ہجرت کی ۔ جنگ مرج الصفر میں شہادت پائی ۔

(۳) خالد : مؤلفۃ قلوبہم کے زمرہ میں شامل ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے انہیں ہوازن کی غنیمتوں میں سے حصہ دیا تھا ۔

(۴) حارث : مخلص مسلمان تھے ۔ ان کے بارے میں ایک شاعر کہتا ہے ۔

اولی قریش بالمکارم والندی
فی الجاھلیۃ کان والاسلام

(جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں اخلاق اور سخاوت کے لحاظ سے حارث بہترین شخص ہیں)

(۵) العاص : سرداران قریش میں سے تھا ۔ جنگ بدر میں حضرت عمر بن خطاب نے اسے قتل کیا ۔

(۶) زہیر : محاصرۂ شعب ابو طالب کو توڑنے کے لئے سب سے پہلے انہی نے آواز اٹھائی تھی ۔

(۷) عبداللہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے داماد تھے ۔

(۸) ام سلمہ : ام المومنین زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

(۹) المہاجر : انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے صنعاء

کا امیر مقرر کر کے بھیجا تھا ۔ مرتدین کی جنگوں میں حضرت ابو بکر صدیق رض نے انہیں اسود عنسی سے لڑنے کے لئے جھنڈا مرحمت فرمایا تھا ۔

(۱۰) عیاش : ابتدائی مسلمانوں میں سے تھے اور دارارقم میں مسلمانوں کے جمع ہونے سے پہلے مسلمان ہوئے تھے ۔ حبشہ کی دوسری ہجرت میں شریک تھے ۔

(۱۱) عبداللہ : صحابی تھے ۔ جنگ طائف میں شہید ہوئے ۔

(۱۲) ابوامیہ : سرداران قریش میں سے تھا اور جنگ بدر کے دن کفر کی حالت میں قتل ہوا ۔

(۱۳) ہاشم : ابتدائی مسلمانوں میں سے تھے ۔ حبشہ کی دوسری ہجرت میں شریک تھے ۔

(۱۴) حنتمہ : حضرت عمر بن خطاب کی والدہ تھیں ۔

(۱۵) الولید : جنگ یمامہ میں شہادت پائی ۔

(۱۶) ابوقیس : سرداران قریش میں سے تھا ۔ جنگ بدر میں حضرت حمزہ نے اسے قتل کیا تھا ۔ پہلے اسلام لے آیا تھا پھر مرتد ہو گیا ۔

(۱۷) عثمان : یہ ابن حضرمی کے قافلہ میں شریک تھا اور مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہو گیا تھا ۔

(۱۸) نوفل : جنگ خندق کے موقع پر خندق میں گرپڑا تھا ۔ مسلمانوں نے اس پر پتھروں کی بارش کی ۔ حضرت علی نے خندق میں کود کر اس کا کام تمام کر دیا ۔

جنھوں نے اپنی تمام قوم کو سر بلند کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور جن کی وجہ سے اس قبیلے کا نام اب تک زندہ ہے۔ اس قبیلے کے بعض افراد ابھی تک بلائی مصر میں ' اشمونین ' کے مقام پر آباد ہیں اور بہادری اور شجاعت کی قومی خصلتیں ان میں اب تک موجود ہیں۔

اس قبیلے کو قریش میں جو شرف اور مرتبہ حاصل تھا اس کے مختصر سے ذکر کے بعد یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم حضرت خالد کے اعمام(چچاؤں) کا بھی مختصر سا حال بیان کر دیں جس سے معلوم ہو کہ انہیں اپنی قوم میں کس درجہ بزرگی، سیادت اور بلند رتبہ حاصل تھا۔

خالدؓ کے اعمام

حضرت خالد کے چچا قریش میں ہر قومی کام کے موقع پر سب سے آگے ہوتے تھے۔ شرافت، سخاوت اور امارت میں وہ ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔

خانۂ کعبہ کی تعمیر کے موقع پر جب حجراسود کو اپنی جگہ پر رکھنے کا سوال پیدا ہوا تو قریش میں زبردست اختلاف رونما ہو گیا۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ سعادت اسی کے حصے میں آئے۔ اس جھگڑے نے یہاں تک طول کھینچا کہ قریب تھا کہ تلواریں کھنچ جاتیں اور خانہ جنگی برپا ہو جاتی۔ اس وقت حضرت خالد کے چچا ابوامیہ بن مغیرہ ہی تھے جنھوں نے یہ تجویز پیش کی کہ اس جھگڑے کا تصفیہ اس شخص سے کرایا جائے

جو کل سب سے پہلے خانۂ کعبہ میں داخل ہو* - اس تجویز پر سب لوگوں کا اتفاق ہو گیا اور قریش ایک زبردست خانہ جنگی سے بچ گئے۔

ابو آمیہ قریش میں ”زادالراکب“ (مسافر کا توشہ) کے لقب سے مشہور تھے کیوں کہ جو شخص ان کے ساتھ سفر میں ہوتا تھا اسے اپنا زاد راہ لینے کی ضرورت نہ ہوتی تھی - اس کے کھانے پینے کے تمام اخراجات ابو آمیہ برداشت کرتے تھے - ابو آمیہ ظہور اسلام سے قبل ہی وفات پا گئے - ابوطالب نے ان کا مرثیہ کہا جس کا ایک شعر یہ ہے :

الا ان زادالرکب غیر مدافع
بسرو سحیم غیبته المقابر†

(افسوس ”زادالراکب“ کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں - اسے ”سروسحیم“ میں قبروں نے اپنے نیچے چھپا لیا) -

ابو احیحہ نے ان کا مرثیہ لکھتے ہوئے کہا :

---

* قریش کی خوش قسمتی تھی کہ گلے روز سب سے پہلے جو شخص خانہ کعبہ میں داخل ہوا وہ رسول کریم صلعم تھے - جب لوگوں نے آپ کو دیکھا تو کہنے لگے ”یہ شخص امین ہے اس لئے ہم اس کے فیصلے پر راضی ہیں“ ابن ہشام جلد اول صفحہ ۱۳۲ - طبری جلد ۲ صفحہ ۲۸۱ - ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۹ - ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۵ -

† ”سرو سحیم“ اس شہر کا نام ہے جہاں ابو آمیہ تجارت کے لئے شام جاتے ہوئے فوت ہوئے تھے - بلوغ الارب مؤلفہ الوسی جلد ۳ صفحہ ۲۱۵ -

الاهلک الماجد الرافـد   و کل قریش لـه حـامـد
و من هو عصمة أیتامنا   وغیث اذا فقد الراعـد*

(افسوس وہ شخص فوت ہوگیا جو بزرگ اور سخی تھا، قریش کا بچہ بچہ اس کی تعریف میں رطب اللسان تھا۔ وہ ہمارے یتیموں کی پناہ گاہ تھا، وہ خشک سالی کے موسم میں باران رحمت تھا)۔

حضرت خالد کے دوسرے چچا بھی سخاوت اور مہمان نوازی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ فاکہ بن مغیرہ نے ایک "بیت الضیافت" بنا رکھا تھا جہاں جا کر ہر شخص بلا اجازت کھانا کھا سکتا تھا۔ آپ کے ایک اور چچا ابو حذیفہ بن مغیرہ ان چار بڑے بڑے رؤساء† میں شریک تھے جنہوں نے رسول کریم صلعم کے فیصلے کے بعد حجر اسود کو اپنی جگہ رکھنے کے لئے اس چادر کے کونے پکڑے تھے جس میں حجر اسود رکھا ہوا تھا۔

ایک چچا ہشام بن مغیرہ بھی قریش کے سرداروں میں سے تھے۔ حرب فجار کے موقع پر بنو مخزوم کی قیادت انہی کے سپرد تھی۔ وہ بڑے جری اور بہترین شہسوار تھے۔ شکل بڑی بارعب تھی۔ ان کی وفات سے قریش کو سخت رنج پہنچا تھا اور

* السیرۃ الحلبیہ جلد اول صفحہ ۱۶۱۔

† یہ چار رؤساء مندرجہ ذیل تھے:—

عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس۔ اسود بن عبدالمطلب بن اسد بن عبدالعزی۔ ابو حذیفہ بن مغیرہ بن عمر بن مخزوم اور قیس بن عدی السہمی۔ الیعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۹۔ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۴۔ مروج الذہب مؤلفہ مسعودی جلد اول صفحہ ۳۹۷۔

کئی خطبے ان کی شان میں پڑھے گئے تھے - مقدسی لکھتا ہے ''ہشام کی وفات کے بعد مکہ کے قریب تین سال تک کوئی میلہ نہ لگا - کئی سال تک یہ طریقہ رائج رہا کہ اگر قریش کسی وقعہ کا ذکر کرتے تو یہ کہتے کہ یہ واقعہ ہشام کی موت کے اتنے عرصہ بعد وقوع پذیر ہوا* '' ہشام کی وفات پر ایک شاعر نے اپنے مرثیے میں کہا تھا:

و اصبح بطن مکـة مقـشعرا
کان الارض لـیس بها هشـام†

(وادیٔ مکہ بے نور ہوگئی ہے - کیونکہ ہشام اس زمین سے اٹھ گیا ہے) ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خالد کے چچا قوم میں کس قدر بلند شخصیات کے مالک تھے (تفصیل کے لئے شجرہ نمبر ۴ دیکھیں)

خالـــدرض کے بھائی

مورخین میں آپ کے بھائیوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے - بعض ان کی تعداد دس‡ بتاتے ہیں بعض تیرہ - بعض کہتے ہیں کہ آپ سات بھائی تھے - قرآن کریم کی آیت (و بنین شهودا) سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کئی بھائی تھے جو سب کے سب مرفہ الحال تھے اور عیش و آرام سے زندگی بسر کرتے تھے - سات بھائیوں کا ہونا زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ اسلام سے قبل اور بعد کے واقعات اور غزوات کی چھان بین

* انساب القرشیین مؤلفہ مقدسی جلد ۲ صفحہ ۳۴۸ -

† بلوغ الارب مؤلفہ الوسی جلد ۳ صفحہ ۲۱۵ -

‡ امام فخرالدین رازی مؤلف تفسیر کبیر نے بھی بھائیوں کی تعداد دس ہی لکھی ہے (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۱۸۷) -

کرنے سے سات سے زیادہ کا حال معلوم نہیں ہوتا ۔ سات بھائیوں کے نام یہ ہیں* ۔ (۱) عاص (۲) ابوقیس (۳) عبد شمس (۴) عمارہ (۵) ہشام (۶) ولید (۷) خالد ۔ بہنیں دو تھیں فاطمہ اور فاختہ ۔

ان میں سے عاص اسلام سے قبل ہی بچپن میں فوت ہو گیا تھا ۔ ابوقیس اسلام لے آیا تھا لیکن بعد ازاں مرتد ہو گیا اور جنگ بدر میں حضرت حمزہ اور بعض روایات کے بموجب حضرت علی کے ہاتھوں مارا گیا ۔ اسی کے بارے میں قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی تھی "ان الذین توفاھم الملائکۃ ظالمی انفسہم†" (بعض وہ لوگ جن کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں) ۔

عبد شمس حضرت خالد کے بھائی کا نام ہی نہ تھا بلکہ ان کے والد کی کنیت بھی تھی‡ ۔

عمارہ کو قریش نے عمرو بن العاص کے ساتھ مسلمانوں کو حبشہ سے واپس لانے کے لئے بھیجا تھا ۔ اسی عمارہ کو قریش نے رسول کریم صلعم کے چچا حضرت ابو طالب کو آپ کے بدلے

---

* کسی مؤرخ نے ان بھائیوں کے نام یکجا نہیں لکھے ۔ مختلف واقعات کی چھان بین کرنے سے جن بھائیوں کا حال ہمیں معلوم ہوا وہ ہم نے لکھ دیا ہے البتہ علامہ الوسی نے اپنی تفسیر (جلد ۹ صفحہ ۱۲۲) میں مذکورہ بالا ساتوں بھائیوں کے نام لکھے ہیں ۔

† ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۷۵ و ۱۰۳ ۔

‡ المغازی للواقدی صفحہ ۱۴۷ ۔ انساب الاشراف جلد اول صفحہ ۶۰ ۔ ابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۴۸ ۔ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۲۱ ۔

پیش کیا تھا اور کہا تھا " اے ابوطالب ! یہ لڑکا قریش میں سب سے خوبرو اور صاحب فہم و تمیز ہے ۔ تم اسے اپنا بیٹا بنا لو اور اس کے بدلے اپنے بھتیجے محمد کو ہمیں دے دو* "۔ قریش کا یہ کہنا دراصل یہ اعتراف کرنا تھا کہ عمارہ میں وہ خوبیاں موجود ہیں جن کی وجہ سے وہ تمام قوم میں منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ اسی لئے انہوں نے اس کو رسول کریم صلعم کے عوض ابوطالب کے سامنے پیش کیا اور اس کی انہی خوبیوں کو دیکھتے ہوئے انہوں نے اسے نجاشی کے پاس بھیجنے کے لئے بھی منتخب کیا ‡ ۔

خالد کے علاوہ ولید اور ہشام کو بھی اسلام قبول کرنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی سعادت نصیب ہوئی ۔ ہشام ان لوگوں میں سے تھے جنہیں رسول کریم صلعم اسلام قبول کرنے کے بعد بطور تالیف قلوب کچھ نہ کچھ مرحمت فرمایا کرتے تھے† ۔ ولید پران کے بھائی اور دوسرے قریش اسلام قبول کرنے کی وجہ سے بہت ظلم توڑا کرتے تھے۔ آخرکار وہ موقع پاکر مدینہ بھاگ گئے۔ راستے میں لگا تار چلنے کی وجہ سے ان کی ایک انگلی زخمی ہو گئی ۔ انہوں نے انگلی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا :

هل انت الا أصبع دميت
و فی سبیل الله مالقیت

---

* طبری جلد ۲ صفحہ ۲۲۰ ۔ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۱۷۱ ۔
† سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۳۰۹ ۔
‡ یہ بیان بعض کتب (مثلاً طبری جلد ۲ صفحہ ۲۲۵) کے اس بیان کے مطابق نہیں ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ "حضرت

(باقی صفحہ ۴۹ پر)

تو کیا ہے؟ محض ایک انگلی ہی ہے جو زخمی ہوئی۔ ابھی تو نے اللہ کے راستے میں تکلیف ہی کیا برداشت کی ہے؟

ولید اپنے دونوں بیٹوں خالد اور ہشام سے بہت پہلے اسلام لائے تھے۔ رسول کریم صلعم ان سے بہت محبت کرتے تھے اور ان کے لئے دعا مانگا کرتے تھے۔ حضرت خالد کے اسلام لانے میں ولید کا بھی ہاتھ ہے۔

آپ کی بہن فاطمہ نے فتح مکہ کے دن رسول کریم صلعم کی بیعت کی تھی۔ ان کی شادی حارث بن ہشام مخزومی سے ہوئی تھی۔ دوسری بہن فاختہ، صفوان بن امیہ کی بیوی تھیں اور اپنے شوہر سے کئی ماہ قبل اسلام لائی تھیں*۔ (شجرہ نمبر ۸ دیکھیں)

خالدرض کی والدہ

آپ کی والدہ لبابۃ الصغریٰ کا نسب اپنے شوہر ولید سے قیس عیلان بن مضر پر جا کر مل جاتا ہے (شجرہ نمبر ۲ دیکھیں)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸)

عمرو بن العاص کے ساتھ دوسرے شخص عبداللہ بن ابی ربیعہ تھے" عمرو بن العاص کئی بار حبشہ گئے تھے اور ایک بار عمارہ بن ولید بھی ان کے ساتھ تھا۔ چنانچہ مؤلف السیرۃ الحلبیہ نے یہی خیال ظاہر کیا ہے (السیرۃ الحلبیہ جلد اول صفحہ ۳۳۲ و جلد ۲ صفحہ ۲۶۶) جن کتابوں میں عمارہ کا عمرو بن العاص کے ساتھ جانا بالصراحت مذکور ہے ان میں اغانی (جلد ۳ صفحہ ۳۳) یعقوبی (جلد ۲ صفحہ ۲۸) اور الروض الانف (جلد ۱ صفحہ ۱۷۱) قابل ذکر ہیں۔

* الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۷۵ و ۷۷۶۔ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۰ و ۱۲۲۔

شجرہ نمبر ٥

حضرت خالدرضؓ کے بھائی بہن

الولید

ابوقیس | عبد شمس | الولید | فاختہ (بہن) | خالد | فاطمہ (بہن) | ہشام | العاص | عمار

ان کے اسلام لانے کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے۔ مؤلف کتاب الاصابہ لکھتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئی تھیں۔ اُن کے اس دعوے کی بنیاد اس امر پر ہے کہ وہ حضرت عمر کے زمانے تک زندہ رہیں* لیکن ابن حجر ان کے اسلام لانے کو تسلیم نہیں کرتے۔ لبابۃ الصغریٰ کی آٹھ بہنیں تھیں۔

(۱) میمونہ بنت حارث زوجۂ رسول کریم صلعم۔ گویا حضرت خالد کو یہ شرف حاصل ہے کہ اُن کی ایک خالہ امہات المومنین میں سے تھیں۔

(۲) ام الفضل لبابۃ الکبریٰ بنت حارث زوجۂ عباس بن عبدالمطلب۔ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت خدیجہ کے بعد وہ سب سے پہلی عورت ہیں جو اسلام لائیں۔ ان کی اولاد آگے چل کر عظیم الشان عباسی سلطنت کی مالک بنی۔

(۳) عصماء بنت حرث زوجۂ ابی بن خلف الجمحی۔ ان کے بطن سے ابان پیدا ہوئے۔

(۴) عزہ بنت حارث زوجۂ زیاد بن عبداللہ بن مالک الہلالی۔ ان کے متعلق ابن عبدالبر کہتے ہیں "کسی شخص نے ان کا شمار صحابیات میں نہیں کیا۔ میرا خیال بھی یہی ہے کہ انہیں اسلام قبول کرنے کی توفیق نہیں ملی۔"

(۵) ہزیلہ بنت حارث۔ ان کا نکاح کسی اعرابی کے ساتھ ہوا تھا۔ یہ اکثر اپنی بہن حضرت میمونہ کو گھی، پنیر اور مکھن بھیجا کرتی تھیں۔

(۶) اسماء بنت عمیس۔ سب سے پہلے یہ حضرت جعفر بن ابی

* الاصابہ جلد ۸ صفحہ ۱۷۸۔

طالب کے نکاح میں آئیں - ان کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے ان سے شادی کی ۔ آخر میں حضرت علی بن ابی طالب کی زوجیت میں آئیں* -

(۷) سلمیٰ بنت عمیس - پہلے یہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی زوجیت میں رہیں - ان کی شہادت کے بعد شداد بن اسامہ بن ہاد اللیثی نے ان سے شادی کی -

(۸) سلامہ بنت عمیس زوجۂ عبداللہ بن کعب بن منبہ خثعمی†

اس طرح لبابۃ الصغریٰ سمیت کل سگی بہنیں چھ اور سوتیلی بہنیں (باپ کی طرف سے) نو تھیں - رسول کریم صلعم نے انہیں " الاخوات مومنات‡ " کا خطاب مرحمت فرمایا تھا - لبابہ کے سوتیلے بھائی محمیہ بن جزء بن عبدیغوث زبیدی تھے جو ابتدائی مسلمانوں میں سے تھے - حبشہ کی جانب ہجرت کرنے والوں میں یہ بھی شامل تھے - رسول کریم صلعم نے انہیں "خمس" وصول کرنے پر لگایا ہوا تھا اور انہیں ایک لونڈی بھی مرحمت فرمائی تھی - کلبی نے لکھا ہے کہ یہ جنگ بدر میں شریک تھے لیکن واقدی لکھتے ہیں کہ سب سے پہلی جنگ جس میں وہ شریک ہوئے جنگ مریسیع☼ تھی -

---

* انساب الاشراف جلد ۲ صفحہ ۲۱۴ و ۲۱۶ - الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۶۸ و ۷۷۹ و ۷۸۰ و ۷۸۶ - السہیلی جلد ۲ صفحہ ۷۸ و ۷۹ -

† انساب الاشراف جلد اول صفحہ ۲۱۶ - الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۷۹ و ۷۸۷ و ۷۸۶ -

‡ الروض الانف جلد اول صفحہ ۱۶۸ -

☼ الاصابہ جلد ۶ صفحہ ۶۸ - الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۰۶ -

ان تمام بہنوں کی والدہ ھند بنت عوف بن زھیر بن حارث بن حماطہ الحمیریہ تھیں*۔ شجرہ نمبر ۲ اور شجرہ نمبر ۶ سے واضح ہو جائے گا کہ شرف اور حسب و نسب میں خالد کی والدہ کا درجہ کتنا بلند تھا۔ وہ اس قبیلے کی طرف منسوب تھیں جو تمام قبائل مضر میں سب سے زیادہ معزز اور بڑا تھا۔ اس حسب و نسب اور شرافت کا اثر ان کے بیٹوں کے اخلاق پر پڑنا لازمی تھا۔

خالدؓ کے والد

خالد کے والد عبد شمس ولید بن مغیرہ مخزومی تھے جو قریش میں صاحب عقل و فہم و ذکاء اور بڑے فصیح البیان خطیب مانے جاتے تھے۔ انہیں جو عزت، شرف اور رتبہ میسر تھا وہ بہت کم لوگوں کو حاصل تھا۔ وہ جاہلیت کے زمانے میں قریش کے سرداروں میں سے تھے†۔ عبدالمطلب کی وفات کے بعد جن لوگوں نے قریش کی سیادت کا دعویٰ کیا ان میں وہ بھی شامل تھے‡۔ اسلام سے قبل ہی انہوں نے مے نوشی بالکل ترک کر دی تھی✡۔ چوری کرنے کے جرم میں ھاتھ کاٹنے کی سزا سب سے پہلے انہوں نے ھی ایجاد کی تھی جس کی بعد میں اسلام نے بھی توثیق کر دی°۔

---

* الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۱۰۔ انساب الاشراف جلد اول صفحہ ۲۱۴۔

† یعقوبی جلد ۱ صفحہ ۳۰۰۔

‡ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۳۔

✡ السہیلی جلد ۱ صفحہ ۲۸۳۔

° صبح الاعشی جلد ۱ صفحہ ۴۳۵۔

شجرہ نمبر ۶

حضرت خالدرض کی سگی اور
سوتیلی خالائیں اور ماموں

هند بنت عوف
زوجه
حارث بن حزن

سگی خالائیں

عزه
عصماء
هزیله
ام المومنین میمونه رض
لبابة الصغریٰ
لبابة الکبریٰ

سوتیلی خالائیں

محمیه بن جزء الزبیدی (سوتیلے ماموں)
اسماء بنت عمیس
سلمیٰ بنت عمیس
سلامه بنت عمیس

ماخذ

الاستیعاب جلد ۲
صفحه ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۶
الاصابه جلد ۸ صفحه ۱۷۸، جلد ۶
صفحه ۶۷
انساب الاشراف جلد ۲
صفحه ۲۱۳، ۲۱۶

انہیں '' عدل قریش* '' کے نام سے پکارا جاتا تھا ۔ ایک سال صرف وہ اکیلے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا کرتے تھے حالانکہ دوسرے سال تمام قریش مل کر غلاف چڑھاتے تھے ۔

حج کے موسم میں وہ منیٰ کے مقام پر تمام حاجیوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے ۔ ان کے علاوہ اور کسی شخص کو اجازت نہ تھی کہ وہ منیٰ میں کھانا پکانے کے لئے آگ جلائے ۔ حجاج کے ساتھ ان کے مشفقانہ سلوک کی وجہ سے اعرابی ان کے بے حد مداح اور ثناخواں تھے† ۔ خدا تعالیٰ نے انہیں مال و دولت کی فراوانی سے بھی نوازا تھا ۔ بارہ ہزار دینار سے کم کسی وقت بھی ان کے پاس روپیہ نہ ہوتا تھا‡ ۔ وہ بے شمار باغات کے مالک تھے جو مکہ سے طائف تک چلے گئے تھے اور جن کا پھل سال بھر ختم نہ ہوتا تھا☼ ۔

---

* مؤلف انساب الاشراف لکھتے ہیں کہ انہیں یہ لقب اس لئے دیا گیا تھا کہ ان کے نزدیک عدل و انصاف میں تمام قریش کو مساوی حقوق حاصل تھے (جلد اول صفحہ ٦٠) ۔ السیرۃ الحلبیہ جلد اول صفحہ ٣٤٧ ۔

† السیرۃ الحلبیہ جلد اول صفحہ ٣٤٧ ۔

‡ آیت ''وجعلت له مالا ممدوداً'' انہی کے بارے میں اسی لئے نازل ہوئی تھی ۔ السہیلی جلد اول صفحہ ١٠٣ ۔

☼ السیرۃ الحلبیہ جلد اول صفحہ ٣٤٣ ۔ لیکن میرے محترم استاد شیخ عبد الوہاب اس امر کو ناممکن سمجھتے ہیں ۔ ان کا کہنا ہے کہ ''مکہ سے طائف تک باغات کا وجود صرف خواب ہی میں ممکن ہے ۔ دونوں شہروں کے درمیان صرف (باقی صفحہ ٥٦ پر)

ان کی دلیری اور عزم و ارادہ کی پختگی کا اظہار اس واقعے سے ہوتا ہے کہ جب قریش نے کعبہ کو ڈھا کر از سر نو بنانے کا ارادہ کیا تو ہر شخص اسے ڈھاتے ہوئے ڈرتا تھا کہ کہیں اس پر خدائی عذاب نازل نہ ہو جائے۔ لیکن انہوں نے کدل لی اور یہ کہہ کر عمارت ڈھانی شروع کر دی "اے اللہ! ہم جو کچھ کرنے لگے ہیں اس میں کسی بد ارادے کو دخل نہیں۔ ہمارا ارادہ نیک ہے*۔"

کعبہ کی تعظیم وہ اتنی کرتے تھے کہ کبھی اس میں جوتیاں پہن کر داخل نہیں ہوئے۔ اور کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس نے اس طریقے کو رواج دیا وہ ولید ہی تھے†۔ عقیدے کی پختگی اور اپنے آبائی دین سے حد درجہ شغف ہی کا اثر تھا کہ وہ اسلام کے شدید مخالف بن گئے۔ اور رسول کریم صلعم کے پیغام

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۵)

جبل کراء پر باغات ہیں لیکن یہ مقام مکہ سے کافی فاصلے پر ہے اور کافی بلند ہے" محترم استاد نے جو کچھ کہا ہے وہ اپنے اس مشاہدے کی بنا پر کہا ہے جو انہیں ۱۳۴۹ھ میں سفر حج کے دوران میں حاصل ہوا ہے۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ طبعی حالات کی وجہ سے زمین میں تغیر واقع ہو گیا ہو اور جس سرزمین میں پہلے باغات موجود ہوں طبعی اثرات کے باعث وہ بعد میں ناپید ہو گئے ہوں۔ ہمارے بیان سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ یہ باغات مکہ سے طائف تک مسلسل چلے گئے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ فصلے فاصلے پر واقع ہوں۔

* طبری جلد ۲ صفحہ ۲۰۱۔ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۳۱۔

† صبح الاعشی جلد ۹ صفحہ ۲۲۸۔

کیونکہ ان کی بغاوت کے لئے انہوں نے سوچ کر کوشش شروع کر دی ۔ قریش کے شرفاء اور معززین کے اس وفد میں جو حضرت ابوطالب کے پاس یہ درخواست لے کر گیا تھا کہ وہ اپنے بھتیجے کو ان کے دین کی تحقیر اور ان کے بتوں کی برائی کرنے سے روک دیں، ولید بھی شامل تھے* ۔

رسول کریم صلعم کی شدید خواہش تھی کہ ولید اسلام لے آئیں تا کہ اسلام کو شان و شوکت نصیب ہو ۔ جب کبھی ولید آپ کے پاس آتے تو آپ نہایت انہماک سے تبلیغ کرتے ۔ ایک دفعہ آپ انہیں تبلیغ فرما رہے تھے کہ ابن ام مکتوم صحابی، جو نابینا تھے، آپ کے پاس آئے اور درخواست کی کہ آپ انہیں دین کے بارے میں کچھ بتائیں ۔ ابن ام مکتوم کا بیچ میں دخل دینا رسول کریم صلعم کو کچھ ناگوار گزرا ۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں :

"عبس وتولی ان جاءہ الاعمی وما یدریک لعلہ یزکی ....."

اے رسول تو نے عبس اس بات پر کہ تیرے پاس اندھا آیا، تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا ۔ تجھے کیا پتہ کہ شاید وہ اندھا پاکیزگی حاصل کرتا)

طبعی اور خاندانی شرافت کا یہ اثر تھا کہ باوجود اسلام کے شدید مخالف ہونے کے جس وقت حضرت عثمان بن مظعون الجمحی نے حبشہ سے واپس مکہ آ کر ان سے پناہ کی درخواست کی تو انہوں نے بلا تامل یہ درخواست قبول کر لی اور عثمان کو قریش کی ایذاؤں سے بچا لیا ۔ چند دن بعد عثمان نے اپنی درخواست واپس لے لی اور کہا کہ مجھے خدا کی پناہ کے سوا اور کسی کی پناہ مطلوب نہیں ۔ لیکن ولید کی شرافت کا ان کے دل پر نقش رہا کہ انہوں نے پناہ کی درخواست واپس لیتے ہوئے ان کے متعلق کہا "میں نے ولید کو انتہائی باوفا اور بہترین پناہ دینے والا پایا †"

* طبری جلد صفحہ ۱۲۱۸ ۔ † سیرۃ ابن ہشام جلد اول صفحہ ۲۳۰ ۔

ولید کو اپنی قوم میں اتنا اثر و رسوخ اور عزت حاصل تھی کہ اگر وہ اسلام لے آتے تو یقیناً قریش کی ایک بڑی تعداد ان کے ساتھ اسلام لے آتی۔ ایک مرتبہ انہیں قرآن کریم سننے کا اتفاق ہوا۔ ان کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ وہ کہنے لگے ''اس کلام کی مثال تو اس خوبصورت کھجور کے درخت کی سی ہے جس کا پھل نہایت میٹھا ہوتا ہے۔ جس کا اوپر کا حصہ ثمردار ہوتا ہے اور نچلا حصہ پانی سے تر بتر اور جو ہمیشہ بلند و بالا ہی رہتا ہے*'' ان کے یہ الفاظ سن کر قریش بڑے مضطرب ہوئے اور کہنے لگے ''اے ولید! تم دین سے پھر گئے اور اپنے ساتھ تم قریش کو بھی گمراہ کردو گے''۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ محض ولید کے یہ تسلیم کرلینے سے کہ قرآن مجید روز مرہ کے عام کلام کی طرح نہیں ہے، قریش میں بے چینی پھیل گئی اور انہیں ڈر پیدا ہو گیا کہ ولید اسلام لے آئیں گے تو اپنے ساتھ اور بہت سے لوگوں کو بھی لے جائیں گے۔

ولید کے جو اوصاف ہمارے سامنے ہیں اور جن کا قرآن کریم میں بھی اشارہ موجود ہے، ان کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اسلام قبول کرتے اور قرآن مجید کی تصدیق کرنے میں پیش پیش ہوتے۔ لیکن تکبر اور جاہ و مکنت راہ میں حائل ہو گئی اور وہ نہ صرف اسلام قبول کرنے سے محروم رہے بلکہ اسفل السافلین میں جا گرے۔ ان کی حالت بالکل اس آیت کی مصداق تھی، فانہم لا یکذبونک ولکن الظالمین بآیات اللہ یجحدون۔ (اے رسول! یہ کفار تجھے نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم تو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں)۔ ولید کا شمار ان پانچ سر بر آوردہ اشخاص میں تھا جو رسول کریم صلعم

* سیرۃ ابن ہشام جلد اول صفحہ ۱۷۳ - تفسیر بغوی، ابن کثیر اور طبری میں بھی یہ روایت باختلاف الفاظ موجود ہے۔

کی دشمنی اور آپ سے استہزاء کرنے میں پیش پیش تھے - انہی کے اور ان کے ساتھیوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''انا کفیناک المستهزئين الذين يجعلون مع الله الها آخر فسوف يعلمون*'' (اے رسول ہم ان ٹھٹھا کرنے والوں سے جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں خود نپٹ لیں گے اور عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا کہ استہزاء کرنے کا کیا انجام ہوتا ہے) -

قریش میں ولید ''الوحید†'' کے نام سے پکارے جاتے تھے کیونکہ وہ ان خوبیوں اور خصلتوں میں جو پہلے بیان کی جا چکی ہیں تمام قوم میں منفردانہ حیثیت رکھتے تھے - ہجرت کے تین ماہ بعد پچانوے برس کی عمر میں ان کا انتقال ہوا - حجون مقام میں دفن کئے گئے‡ موت کا سبب یہ ہوا کہ وہ کسی کام کے لئے خزاعہ قبیلہ میں گئے - وہاں ایک شخص تیر تیار کر رہا تھا - ان کا پیر ایک تیر پر پڑ کر سخت زخمی ہو گیا - یہی زخم جان لیوا ثابت ہوا - انہوں نے اپنے بیٹوں کو وصیت کر دی تھی کہ وہ خزاعہ سے خوں بہا ضرور لے لیں - چنانچہ خزاعہ کو خوں بہا دینا پڑا☼ -

انہوں نے قبیلہ ثقیف کو بہت سا روپیہ سود پر دے رکھا تھا - ان کی وفات کے بعد خالد نے ان سے سود کا تقاضا کیا - بعد

* سیرۃ ابن ہشام جلد اول صفحہ ۲۲۵ و ۲۷۲ -

† انساب الاشراف جلد اول صفحہ ۹۰ - السیرۃ الحلبیہ جلد اول صفحہ ۳۲۷ -

‡ انساب الاشراف جلد اول صفحہ ۹۰ -

☼ سیرۃ ابن ہشام جلد اول صفحہ ۲۵۵ - ابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۳۸ - السیرۃ الحلبیہ جلد اول صفحہ ۳۲۸ -

میں قبیلہ ثقیف اسلام لے آیا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی :"یا ایہاالذین آمنوا اتقوا اللہ و ذروا مابقی من الربا ان کنتم مومنین ، فان لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللہ ورسولہ ، وان تبتم فلکم رؤوس اموالکم لاتظلمون ولا تظلمون .... " (اے لوگو کہ ایمان لے آئے ہو اللہ سے ڈرو اور اگر تم مومن ہو تو سود کا جو روپیہ باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لئے تیار رہو۔ اگر تم توبہ کرتے ہو تو تمہیں صرف اصل روپیہ (راس المال) لینے کا حق پہنچتا ہے۔ اس طرح نہ تم ظلم کرو گے نہ تم پر ظلم ہو گا) اس وقت رسول کریم صلعم نے حضرت خالد سے فرمایا کہ اب تمہیں صرف راس المال لینے کا حق پہنچتا ہے۔ چنانچہ حضرت خالد نے تمام سود جو قبیلہ ثقیف پر واجب تھا چھوڑ دیا*۔

ولید کے بارے میں کئی آیات نازل ہوئی ہیں† جن سے ان کے اس بلند مرتبہ کا پتہ چلتا ہے جو انہیں اپنی قوم میں حاصل تھا۔ یہ آیات ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ ولا تطع کل حلاف مہین ہماز مشاء بنمیم مناع للخیر معتد أثیم عتل بعد ذالک زنیم ، ان کان ذامال و بنین ، اذا تتلی علیہ آیا تنا قال اساطیرالاولین۔ (تم کسی ایسے شخص کی

* سیرۃ ابن ہشام جلد اول صفحہ ۲۰۵۔

† ان آیات میں سے بعض تو خاص طور پر ولید کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور بعض تمام سرداران کفار کے لئے، جن میں ولید بھی شامل تھے۔ ان آیات کو درج کرنے سے ہمارا مقصد صرف ولید کی سیادت ، شرف ، جاہ اور بلند مرتبے کی تصویر دکھانا ہے۔

بات نہ ماننا جو بہت قسمیں کھانے والا اور آبرو باختہ ہے ۔ جو لوگوں پر آوازے کسا کرتا ہے اور چغلیاں کھاتا پھرتا ہے ۔ جو اچھے کاموں سے لوگوں کو روکتا رہتا ہے ، حد سے بڑھ گیا ہے ، بد ہے ، اکھڑ ہے اور ان عیوب کے علاوہ بد اصل بھی ہے ۔ جب ہماری آیتیں اس کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اس برتے پر کہ مال اور بہت سے بیٹے رکھتا ہے بول اٹھتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں) ۔ ولید بے شمار مال و دولت کے مالک تھے اور خدا تعالیٰ نے کئی بیٹے انہیں دئے تھے ۔ مال و دولت اور بیٹوں کی یہ کثرت ہی ان کے انکار و تکذیب کا باعث بنی* ۔

۲- قریش کے قول : لو لانزل ھذا القرآن علیٰ رجل من القریتین عظیم ۔ (یہ قرآن مکہ اور طائف کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل کیا گیا) کے مصداق بھی ولید ہی تھے۔ قریش کے اس قول سے جسے قرآن کریم نے بھی بیان کیا ہے واضح ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر کسی شخص پر آسمان سے وحی کا نزول ہونا ہی تھا تو اس غرض کے لئے ولید سے بہتر اور کوئی شخص نہیں اور وہ اپنی عظمت اور منزلت کے اعتبار سے محمد صلعم سے کہیں زیادہ اس نعمت کے حق دار ہیں† ۔

* تفسیر کبیر از امام فخرالدین رازی جلد ۸ صفحہ ۱۸۷ ۔

† خدا تعالیٰ نے ان کے اس قول کا جواب ان آیات میں دیا ہے : اهم یقسمون رحمة ربک نحن قسمنا بینهم معیشتهم فی الحیوة الدنیا ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات لیتخذ بعضهم بعضاً سخریاً ورحمة

(باقی صفحہ ۶۲ پر)

۳- ذرنی ومن خلقت وحیدا وجعلت له مالا ممدوداً وبنین شہوداً و مہدت له تمہیدا * ...... (اے رسول ! اس شخص کی سزا دہی مجھ پہ چھوڑ دو جس کو میں نے یکه و تنہا پیدا کیا ہے ، اسے مال کثیر اور بیٹے دئے ہیں اور ہر طرح کا سامان اس کے لئے مہیا کر دیا ہے)۔

مندرجه بالا آیات سے واضح ہو جاتا ہے که خالد کے والدین اپنی قوم میں انتہائی بلند مرتبے کے مالک تہے - خالد کی پرورش ایک ایسی قوم میں ہوئی جو شجاعت ، قوت و طاقت اور عزت و وجاہت میں اپنی مثال آپ تہی - والدین اور قبیلے کا

(بقیه حاشیه صفحه ٦١)

ربک خیر ممایجمعون (کیا یه لوگ الله کی رحمت کے تقسیم کرنے والے ہیں - سو دنیا کی زندگی میں تو ان کی روزی ان میں ہم تقسیم کرتے ہیں اور ہم نے دنیوی درجوں کے اعتبار سے ان میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دی ہے تاکہ آن میں سے ایک کو ایک اپنا محکوم بنائے رکہے - اور جو مال و متاع یه لوگ جمع کرتے ہیں ، تمہارے پروردگار کی رحمت تو اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے) - ابن ہشام جلد اول صفحه ۲۲٦ - انساب الاشراف جلد اول صفحه ٦٠ - تفسیر کبیر ز امام فخرالدین رازی - بغوی - ابن کثیرا ورالوسی وغیرہم -

* تقریباً تمام مفسرین اسی بات پر متفق ہیں که یہ آیت بھی ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی تہی - انساب الاشراف جلد اول صفحه ٦٠- اسباب النزول للواحدی صفحه ۳۳۰ - تفسیر کبیر از امام فخرالدین رازی - ابن کثیر - بغوی - آلوسی - الروض الانف جلد اول صفحه ۱۷۳ -

اثر خالد پر بہت گہرا پڑا اور انہوں نے عقلمندی و دانائی، شجاعت اور بہادری اور فنون حرب سے واقفیت میں انتہائی کمال حاصل کیا۔ انہی خوبیوں کی بدولت اپنی آئندہ زندگی میں خالد نے وہ کار ہائے نمایاں سر انجام دئے جو تاریخ کے صفحات میں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

قریش میں خالد کا مرتبہ

صفحات ماقبل میں بیان کیا جاچکا ہے کہ قصیٰ بن کلاب نے خزاعہ پر غلبہ حاصل کرکے انہیں مکہ سے نکال دیا تھا اور ان کی جگہ اپنے قبیلہ قریش کو آباد کیا تھا۔ اس وقت سے مکہ اور بیت الحرام کی ریاست قریش کے ہاتھوں میں آگئی تھی۔ یہ ریاست چند شعبوں میں بٹی ہوئی تھی۔

۱۔ دارالندوہ۔ یہ عمارت قصیٰ نے کعبہ کے بالمقابل بنائی تھی۔ اس میں قریش کے سر بر آوردہ اشخاص اور سردار باھمی معاملات پر گفت و شنید کرنے کے لئے جمع ہوتے تھے۔

۲۔ اللواء۔ (علم برداری) علم بردار ہی جنگ کے لئے جھنڈا تیار کرتا تھا اور وہی دوسرے لوگوں کو چھوٹے جھنڈے بنا کر بھی دیتا تھا۔

۳۔ حجابۃ الکعبہ۔ (کعبہ کی دربانی) جس شخص کے سپرد یہ خدمت ہوتی تھی وہی کعبہ کا دروازہ کھولتا تھا اور کعبہ کے متعلق تمام امور کی نگہداشت اسی کے ذمہ ہوتی تھی۔

۴۔ سقایہ۔ (پانی پلانا) جس شخص کے سپرد یہ کام ہوتا تھا وہ موسم حج میں حاجیوں کے لئے پانی کا انتظام کرتا تھا۔

۵۔ رفادۃ (حاجیوں کی مہمان نوازی و اعانت) ۔ رفادۃ، قصی نے قریش پر فرض کی تھی ۔ وہ ہر سال حج کے قریب تمام قریش سے حسب توفیق رقم اکٹھی کرتا اور اس رقم سے کھانا پکوا کر نادار اور غریب حاجیوں میں تقسیم کرتا تھا ۔

۶۔ قیادت ۔ یعنی جنگوں کے موقع پر سپہ سالاری کے فرائض سر انجام دینا ۔

قصی نے اپنی زندگی میں یہ تمام مناصب اپنے ہاتھ میں رکھے۔ وفات کے قریب اس نے کعبہ کی تولیت کے تمام امور اپنے بڑے لڑکے عبدالدار کے سپرد کر دئے ۔ عبدالدار کی وفات کے بعد اس کے لڑکوں اور اس کے بھتیجوں بنو عبد مناف میں ان مناصب کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اور اس اختلاف کے نتیجے میں قریش بھی دو حصوں میں بٹ گئے ۔ ایک حصہ بنو عبدالدار کی حمایت کرنے لگا اور دوسرا حصہ بنو عبد مناف کی ۔ بنو عبد الدار کے حلیفوں نے ان کی امداد اور اعانت کا حلف اٹھایا اور بنو عبد مناف کے حلیفوں نے ان کی امداد و اعانت کا ۔ قریب تھا کہ قریش میں باہم جنگ چھڑ جاتی لیکن بعض لوگوں نے بیچ میں پڑ کر صلح کرادی اور ان مناصب کو جو کلیۃً بنو عبد الدار کے ہاتھ میں تھے بنو عبد الدار اور بنو عبد مناف میں تقسیم کر دیا* اور پھر آہستہ آہستہ یہ مناصب قریش کے تمام قبائل میں تقسیم ہو گئے۔ اس جگہ ہم ان کا مختصر سا تذکرہ کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ حضرت خالد کو قریش میں کیا حیثیت حاصل تھی۔

اسلام کے ظہور کے قریب قریش کے دس قبائل میں سے دس اشخاص کو نمایاں حیثیت حاصل تھی ۔ کیونکہ یہ مناصب ان کے

* سیرۃ ابن ہشام جلد اول صفحہ ۸۲-۹۰ — طبری جلد ۲ صفحہ ۱۸۳-۱۸۵ ۔

کی تقسیم انہی دس اشخاص میں ہوتی تھی۔ وہ دس قبائل یہ تھے۔ (۱) ہاشم۔ (۲) امیہ۔ (۳) نوفل۔ (۴) عبدالدار۔ (۵) اسد۔ (۶) تیم۔ (۷) مخزوم۔ (۸) عدی۔ (۹) جمح۔ (۱۰) سہم۔ بنو ہاشم میں سے حضرت عباس بن عبدالمطلب کے سپرد سقایہ تھی یعنی حج کے دنوں میں حاجیوں کو پانی کی بہم رسانی کا سارا انتظام ان کے ذمے تھا۔ اسلام کے بعد بھی وہ اسی خدمت پر فائز رہے۔ بنو امیہ میں سے ابوسفیان بن حرب کے سپرد علم برداری تھی۔ جنگ کے دوران میں جھنڈا انہی کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ بنو نوفل میں سے حارث بن عامر کے سپرد رفادہ تھی۔ جب حج کا موقع قریب آتا تو تمام قریش حسب استطاعت کچھ نہ کچھ رقم نادار حاجیوں کے خورد و نوش کے لئے ان کے پاس جمع کرا دیتے اور وہ کھانا پکوا کر حاجیوں میں تقسیم کر دیتے۔ بنو عبدالدار میں سے عثمان بن طلحہ کے سپرد کعبہ کی نگرانی اور انتظام تھا۔ دارالندوہ کا انتظام بھی بنو عبدالدار کے سپرد تھا۔ بنو اسد میں سے یزید بن زمعہ بن اسود مشیر تھے۔ جب رؤسا قریش کسی بات پر متفق نہ ہو سکتے تو وہ معاملہ مشورے کے لئے یزید بن زمعہ کی خدمت میں پیش کیا جاتا اور جو فیصلہ وہ کرتے سب کو قبول کرنا پڑتا۔ یزید نے جنگ طائف میں جام شہادت نوش کیا۔ بنو تیم میں سے حضرت ابوبکر صدیق رض کے سپرد "اشناق" کا کام تھا۔ تمام جرمانے اور خون بہا آپ کے پاس جمع ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ اور کسی شخص کے پاس جمع ہونے والے خون بہا کو قبول نہ کیا جاتا تھا۔ بنو مخزوم میں سے حضرت خالد بن ولید کے سپرد "قبہ" اور "اعنہ" یعنی فوجی کیمپ کا انتظام اور سپہ سالاری تھی۔ قریش جنگ کے لئے جو سامان اکٹھا

کرتے تھے وہ انہی کی تحویل میں رہتا تھا ۔ جنگی گھوڑوں کی دیکھ بھال بھی انہی کے سپرد تھی ۔ بنو عدی میں سے حضرت عمر بن الخطاب کے سپرد 'سفارۃ' تھی ۔ یعنی جب قریش اور عرب کے کسی دیگر قبیلہ کے درمیان جنگ چھڑنے والی ہوتی تھی تو قریش انہیں اپنی طرف سے سفیر بنا کر بھیجتے تھے ۔ اگر قبائل کے درمیان عزت و مفاخرہ کا مقابلہ ہوتا ہو حضرت عمر ہی کو ثالث بنایا جاتا اور جو فیصلہ وہ دے دیتے قبائل اسے قبول کرتے ۔ بنو جمح میں سے صفوان بن امیہ کے سپرد فال لینے کا کام تھا ۔ جب کسی شخص کو فال نکلوانی ہوتی تو وہ صفوان کے پاس جاتا اور وہ اسے فال نکال کر دیتا ۔ بنو سہم میں سے حارث بن قیس کے سپرد وہ اموال ہوتے تھے جو قریش اپنے بتوں پر چڑھاتے تھے* ۔

خالد کا پیشہ

تاریخ کی کتابوں سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اسلام سے قبل حضرت خالد کا پیشہ کیا تھا ۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت خالد کے والد بہت امیر کبیر تھے اور بے شمار باغات کے مالک تھے ۔ ایسی صورت میں یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ خالد اور ان کے بھائیوں کو کوئی پیشہ اختیار کرنے یا تجارت کے لئے سفر پر جانے کی ضرورت نہ

---

* تاریخ ابن عساکر جلد ۳ صفحہ ۲۰۷ ۔ المقدسی جلد ۲ صفحہ ۳۲۷ ۔ العقدالفرید جلد ۲ صفحہ ۳۱ ۔ مندرجہ بالا بیان ان کتابوں میں متغیر الفاظ مذکور ہے ۔ ہم نے العقدالفرید کے بیان کو درج کیا ہے ۔

تھی - کیونکہ خدا نے انہیں گھر بیٹھے مال و دولت سے نواز رکھا تھا -

ہمارے اس خیال کی تائید سہیلی نے بھی کی ہے - وہ آیت "و بنین شہودا" کی تفسیر ان الفاظ میں کرتے ہیں : "ولید کو خدا تعالیٰ نے ایسے بیٹے دئے تھے جو اسی کے ساتھ رہتے تھے - سفر کرنے یا مکہ سے باہر جانے کی انہیں کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ ان کے والد کے پاس بے شمار مال و دولت موجود تھا" - الوسی وغیرہ نے بھی اپنی تفاسیر میں اسی خیال کی تائید کی ہے - ان امور کی موجودگی میں غالب گمان یہی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں حضرت خالد نے کوئی پیشہ اختیار نہیں کیا تھا -

تاہم بے کار رہنا ان کی فطرت کے سراسر خلاف تھا - ان دنوں امیروں اور سرداروں کے بیٹوں کے دلچسپ ترین مشغلے گھوڑے کی سواری اور گھوڑ دوڑ کے مقابلے تھے - شوق کا یہ حال تھا کہ گھوڑے کو سدھانے کے علاوہ اس کے دانہ پانی کا بھی سارا انتظام لڑکے خود ہی کرتے تھے - خادموں کے سپرد کبھی یہ کام نہ ہوتا تھا - خالد بھی امراء کے دوسرے لڑکوں کی طرح اسی شغل میں مشغول رہتے تھے - آپ کے لئے تو یہ مشغلہ اور بھی زیادہ اہم تھا کیونکہ ان کے قبیلے ، بنو مخزوم کے سپرد جنگی کیمپ کا انتظام اور فوجی گھوڑوں کی نگہداشت تھی - (جوان ہونے پر یہ ڈیوٹی حضرت خالد کے سپرد کی گئی) یہ امر محتاج بیان نہیں کہ جس شخص کو شہسواری اور گھوڑ دوڑ میں مہارت حاصل نہ ہو اسے لشکر کی سپہ سالاری اور جنگی گھوڑوں کی نگہداشت کا اہم کام سپرد نہیں کیا جا سکتا -

* الروض الانف جلد اول صفحہ ۱۲۳ - الوسی جلد ۲۹ صفحہ ۱۲۱ -

لیکن محض شہسواری ہی کافی نہ تھی بلکہ جب تک نوجوانوں میں پھرتی، چالاکی، شجاعت، خطرات سے بے پروائی اور جنگی مہارت کی صفت موجود نہ ہوتی تھی انہیں قبیلے میں عزت کا مستحق نہ سمجھا جاتا تھا۔ خالد میں یہ تمام صفات بدرجہ اتم موجود تھیں۔

مندرجہ بالا بیان سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ حضرت خالد کا کام صرف گھوڑے دوڑانا ہی تھا۔ دوسرے معززین قریش کی طرح وہ بھی یقیناً تنخواہ دار ملازم رکھ کر اپنا مال تجارت کے لئے ان کے حوالے کر دیتے ہوں گے کہ وہ دوسرے ملکوں میں جائیں اور تجارت سے جو منافع حاصل ہو وہ انہیں لا کر دے دیں۔ البتہ تجارت کے لئے حضرت خالد کا خود مکہ سے باہر نکلنا کسی تاریخ سے ثابت نہیں۔

خالدؓ کی بہادری و کامرانی کا راز

کوئی شخص اپنے فرائض کی بجا آوری میں اسی وقت کامیاب ہو سکتا ہے جب اسے ان کاموں میں حد درجہ مہارت ہو اور اس میں جبلی طور پر وہ کام کرنے کی استعداد موجود ہو۔ ہمارا روز مرہ کا مشاہدہ ہے کہ اگر کسی شخص کے سپرد کوئی ایسا کام کر دیا جائے جو اس کی طبیعت کے موافق نہ ہو تو وہ اس میں بالعموم ناکام ہوتا ہے۔ اور خواہ کتنا ہی ہوشیار اور کیسی ہی صلاحیتوں کا مالک کیوں نہ ہو وہ متوسط سے بھی کم درجے کا ثابت ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اگر فطری استعداد کے ساتھ فرائض میں رغبت اور ان کی طرف میلان بھی ہو تو یہ چیز سونے پر سہاگہ ثابت ہوتی ہے اور اس شخص کی کامیابی میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

حضرت خالد قدرت کی طرف سے جنگی دل و دماغ لے کر آئے تھے ۔ خاندانی روایات نے ان کی فطری صلاحیتوں کو اور بھی ابھرنے کا موقع دیا ۔ جنگی فرائض کی بجا آوری ان کے راہوار شوق کے لئے مہمیز ثابت ہوئی اور حضرت خالد ایک ایسے زبردست جنگی ماہر اور عظیم سپہ سالار بن گئے جن میں بڑے بڑے قائدین عساکر کی تمام صفات کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں ۔

اس زمانے میں کوئی فوجی سکول نہ تھا جہاں حضرت خالد فوجی تربیت حاصل کرتے ۔ آپ کی تربیت جنگ کے میدانوں اور مدرسۂ عمل میں ہوئی ۔ ایسی تربیت کا لازمی نتیجہ تھا کہ آپ شجاع ، بہادر ، نڈر اور خطرات کو خطر میں نہ لانے والے بن گئے ۔ آپ تمام جنگی حربوں سے پورے طور پر واقف تھے ۔ لشکر میں جن صفات کا ہونا ضروری تھا ان میں سے ہر ایک پر آپ کی نظر تھی ۔ ارادے کے پکے اور ذکاوت و فطانت میں اپنی مثل آپ تھے ۔ دشمن کی حرکات و سکنات پر کڑی نظر رکھنے والے تھے ۔ ان صفات کی موجودگی میں یہ جاننا کوئی مشکل بات نہیں کہ آپ کی کامیابی کا راز کیا تھا ۔

آپ کے حسب نسب اور اپنے قبیلے میں آپ کے مرتبے کا ذکر کرنے کے بعد اب ہم تاریخ کے اس موڑ پر آتے ہیں جہاں سے اسلام کا دور شروع ہوتا ہے ۔

خالدرض کی معاندانہ کوششیں

دوسرے سرداران قریش کی طرح خالد بھی شروع میں اسلام کے شدید مخالف تھے اور رسول کریم صلعم اور آپ پر ایمان لانے والوں کو سخت ناپسند کرتے تھے ۔ اسی مخالفت اور دشمنی کا

اثر تھا کہ بعد میں جب کفار مکہ اور مسلمانوں کے درمیان لڑائیاں شروع ہوئیں تو خالد کی پوری کوشش یہ ہوتی تھی کہ مسلمان نیست و نابود ہو جائیں۔

جنگ احد کے موقع پر جنگ کا پانسہ پلٹنے اور مسلمانوں کو شکست دینے میں* سب سے زیادہ حصہ خالد ہی کا تھا۔ ابتدا میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہو چکی تھی اور وہ مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف تھے کہ ان کی غفلت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے خالد نے اپنا دستہ لے کر پیچھے سے ان پر حملہ کر دیا اور مسلمانوں کی فتح کو آن کی آن میں شکست میں تبدیل کر ڈالا †۔
اگر خالد اس موقع پر دور اندیشی اور جنگی چالوں سے کام

---

* مصنف کا یہ خیال صحیح نہیں کہ جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ کسی فریق کو شکست اس وقت ہوتی ہے جب وہ میدان چھوڑ جائے۔ لیکن جنگ احد میں ایسا نہیں ہوا۔ بے شک پشت پر سے اچانک حملے کے باعث مسلمان پراگندہ اور منتشر ہوگئے لیکن فوراً ہی پھر ایک جگہ جمع ہو گئے اور دشمن کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔ باوجود نقصان اٹھانے کے ان کی یہ ثابت قدمی دیکھ کر نہ خالد کی ہمت ان پر حملہ کرنے کی ہوئی، نہ عکرمہ کی اور نہ سالار لشکر ابوسفیان ہی میں اتنی جرأت ہوئی کہ وہ ان مٹھی بھر مجاہدین کا دوبارہ مقابلہ کرتا اور اس نے اپنی خیریت اسی میں سمجھی کہ فوراً لشکر سمیت تیزی کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ (مترجم)۔

† سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۳۴ - طبری جلد ۳ صفحہ ۱۶ - ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۰۷ - السیرۃ الحلبیہ جلد ۲ صفحہ ۲۹۱ -

نہ لیتے اور اس موقع کو جو ان کے ھاتھ آ گیا تھا ضائع کر دیتے تو کفار مکہ کے لئے جنگ احد کی شکست بدر کی شکست سے کم نہ ھوتی ۔ اگر مسلمان اس موقع پر فتح یاب ھو جاتے تو کفار کو پھر کبھی مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ھوتی اور اغلب یہی تھا کہ حدیبیہ کے موقع پر بھی کفار مسلمانوں کے سامنے سد راہ بن کر کھڑے نہ ھو سکتے اور انہیں زیارت کعبہ سے نہ روک سکتے ۔

جنگِ خندق

جنگ خندق کے موقع پر خالد ان چنیدہ لوگوں میں سے تھے جو سارا دن خندق کے کنارے کنارے گشت کرتے رھتے تھے تا کہ اگر خندق کا کوئی حصہ کمزور معلوم ھو یا مسلمان غفلت کی حالت میں ھوں تو وہ خندق پار کر کے مسلمانوں پر حملہ کر سکیں ۔

لیکن مسلمان بھی باوجود انتہائی مشکلات کے کفار کے ارادوں سے غافل نہ تھے ۔ جب بھی وہ محسوس کرتے کہ خالد اپنے ساتھیوں کے ساتھ خندق پار کرنا چاھتے ھیں تو وہ ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر کے انہیں پیچھے ھٹا دیتے* اگر خدا نخواستہ خالد کو خندق پار کرنے کا موقع مل جاتا تو مسلمانوں کے لئے ایک نازک صورت حال پیدا ھو جاتی ۔ جنگ خندق میں جب کفار کے لشکر میں عام بھاگڑ پڑی اور گھبراھٹ میں کسی کو اپنے تن بدن کا ھوش نہ رھا تو اس وقت دو اشخاص ، خالد بن ولید

* طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۹ ۔ السیرۃ الحلبیہ جلد ۲ صفحہ ۳۱۷ ۔

اور عمرو بن العاص ہی سے درخواست کی گئی کہ اگر مسلمان تعاقب کر کے ان پر حملہ کریں تو وہ اُن کی حفاظت کریں۔ چنانچہ یہ دونوں دو سو سواروں کے ساتھ بطور "ساقہ" لشکر کے پیچھے پیچھے رہے تا کہ کسی متوقع خطرے کی صورت میں مقابلہ کر سکیں۔

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم کو خالد پر کتنا بھروسہ اور اعتماد تھا۔ اسے یقین تھا کہ خطرات اور مصائب سے انہیں اگر کوئی شخص محفوظ رکھ سکتا ہے تو وہ خالد ہی ہیں۔ خالد کے اتنی عظیم ذمہ داری قبول کر لینے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انہیں خود اپنے اوپر کتنا اعتماد تھا اور وہ کس طرح بلا خوف و خطر شدید خطرات میں اپنے آپ کو ڈال دیتے تھے۔ اپنے اوپر اعتماد کا یہی جذبہ ان کی آئندہ پوری زندگی میں کار فرما رہا۔

حدیبیہ کے موقع پر

حدیبیہ کے موقع پر جب رسول کریم صلعم اپنے صحابہ کے ہمراہ خانہ کعبہ کی زیارت کے ارادے سے روانہ ہوئے تو قریش نے آپ کی آمد کا حال سننے پر خالد کو مزید تحقیق کے لئے بھیجا۔ چنانچہ آپ دو سو سوار اپنے ہمراہ لے کر "کراع الغمیم" کے مقام پر پہنچے*۔ وہاں رسول کریم صلعم

* طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۵۰ ۔ السیرۃ الحلبیہ صفحہ ۳۲۲ ۔

کے قتل سے آپ کی مڈھ بھیڑ ہوئی* - خالد نے ارادہ کیا کہ جس وقت رسول کریم صلعم نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوں تو اس وقت وہ بے خبری میں صحابہ پر حملہ کر دیں گے - لیکن خدا تعالیٰ نے رسول کریم صلعم کو خالد کے ارادے سے اطلاع دے دی جس پر آپ نے صلوٰۃ خوف کا حکم دیا† وہ اس طرح کہ باری باری ایک دستہ نماز میں مشغول رہتا اور ایک دستہ دشمن کے بالمقابل چوکسی اور حفاظت کے لئے کھڑا رہتا - اگر قریش معاہدۂ صلح کرنے پر آمادہ نہ ہو جاتے تو یقیناً تاریخ میں منجملہ اور لڑائیوں کے جنگ حدیبیہ کا ذکر بھی آتا جس میں خالد نمایاں حصہ لیتے -

عمرۃ القضاء کے موقع پر

اس زمانے میں ابھی اسلام اور مسلمانوں سے اس درجہ نفرت اور دشمنی تھی کہ صلح حدیبیہ کے اگلے سال جب معاہدے کے مطابق مسلمان عمرۃ القضاء کرنے کے لئے مکہ میں داخل ہوئے تو خالد مکے سے باہر نکل گئے‡ کیونکہ وہ یہ برداشت نہ کر سکتے تھے کہ ان کی نظروں کے سامنے مسلمان مکہ میں داخل ہوں حالانکہ مسلمان بھی خانہ کعبہ کی تعظیم کرنے میں ان سے کسی طرح کم نہ تھے - ان کے اور اہل مکہ کے درمیان عمرہ

* طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶۹ - سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۲۹ - طبری جلد ۳ صفحہ ۷۰ - ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۳۶ - السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۱۴ -

† السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۱۴ -

‡ انساب القرشیین جلد ۲ صفحہ ۳۳۸ - تاریخ ابن عساکر جلد ۳ صفحہ ۶۹۰ -

کرنے کے متعلق ایک سال قبل باقاعدہ معاہدہ ہوچکا تھا اور اکثر مسلمان جو خانہ کعبہ کی زیارت کرنے کے لئے آئے تھے وہ قریش بلکہ خاص اُن کے قبیلے میں سے تھے ۔ لیکن عقیدے کی پختگی نے ان تمام باتوں کو نظر انداز کر دیا ۔

گو شرک کی حالت میں وہ اسلام اور مسلمانوں کے شدید دشمن تھے لیکن عقیدے کی وھی پختگی ، جو اسلام اور مسلمانوں سے شدید عداوت کا باعث تھی ، آگے چل کر اخلاص اور ان کارھائے نمایاں کا باعث بنی جو اسلام لانے کے بعد انہوں نے اس کی نصرت و حمایت میں سر انجام دئے ۔

یہاں پہنچ کر خالد کی کتاب زندگی کا پہلا باب ختم ہوتا ھے ۔ اور ایک ایسا دور شروع ھوتا ھے جو پہلے دور سے یکسر مختلف ھے ۔ اس نئے دور میں خالد کی شخصیت بالکل نئی صورت میں جلوہ گر نظر آتی ھے ۔ یہ نیا باب خالد کی زندگی ھی کا نہیں بلکہ تاریخ اسلام کا بھی درخشاں باب ھے ۔

دوسرا حصہ

قبول اسلام سے لے کر رسول کریم صلعم کی وفات تک

خالدرض کا اسلام قبول کرنا

مؤرخین میں اس بارے میں کافی اختلاف ہے کہ حضرت خالد کون سے سنہ میں اسلام لائے۔ بعض کہتے ہیں ۵ھ میں اسلام لائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ۶ھ میں۔ بعض کہتے ہیں ۷ھ میں اور بعض کا خیال ہے ۸ھ* میں۔ ۵ھ اور ۶ھ میں آپ کا اسلام لانا بعید از قیاس ہے۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے انہوں نے اپنی تائید میں کسی قسم کے دلائل پیش نہیں کئے۔ چنانچہ بہت سے ثقہ مؤرخین نے بڑے زور سے اس خیال کی تردید کی ہے† ۔

* بعض لوگوں نے یہ لکھا ہے کہ آپ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصے میں اسلام لائے۔ گو اس قول کے صحیح ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں تاہم اس سے کسی سنہ کا تعین نہیں ہوسکتا۔ شرح عینی للبخاری جلد ۱۶ صفحہ ۲۴۵ ۔

† ابن اثیر لکھتے ہیں " بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت خالد رض ۵ھ میں اسلام لائے لیکن اس خیال کو حقیقت

(باقی صفحہ ۷۶ پر)

۵ھ اور ٦ھ کے خارج از بحث ہو جانے کے بعد اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ ۷ھ اور ۸ھ میں سے کس سنہ میں آپ اسلام لائے۔ کتب تاریخ و سیر کی اچھی طرح چھان بین کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ آپ نے فتح مکہ سے چھ ماہ اور غزوہ مؤتہ سے دو ماہ قبل صفر ۸ھ میں اسلام قبول کیا۔ ہمارے اس نتیجے کی بنیاد دو امور پرمبنی ہے۔ (الف) تاریخی شہادتیں۔ (ب) عقلی امور جو تاریخی شہادتوں کے مطابق ہیں۔

(الف) سب سے پہلے ہم تاریخی شہادتیں پیش کرتے ہیں۔

(۱) ابن سعد حضرت خالد بن ولید کا اپنا قول نقل کرتے ہیں: ''ہم دونوں (خالد اور عمر و بن العاص) رسول کریم صلعم کی خدمت میں یکم صفر ۸ھ کو حاضر ہوئے*''۔

(۲) بلاذری لکھتے ہیں: ''عمرو بن عاص نجاشی کے پاس سے مسلمان ہو کر لوٹے۔ راستے میں انہیں عثمان بن طلحہ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۵)

سے کوئی واسطہ نہیں''۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۔ مؤلف کتاب الاصابہ لکھتے ہیں ''یہ خیال کہ حضرت خالد ۵ھ میں اسلام لائے محض ایک واہمہ ہے'' (الاصابہ جلد ۲ صفحہ ۹۸)۔ اسدالغابہ میں ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے جنہوں نے ٦ھ میں آپ کے اسلام لانے کا ذکر کیا ہے لکھا ہے ''یہ قول رد کرنے کے لائق ہے کیونکہ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ حضرت خالد حدیبیہ کے موقع پر کفار کے سواروں کے ساتھ مسلمانوں کی نقل و حرکت کی خبر لانے کے لئے نکلے تھے'' (اسدالغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۱)۔

* طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۱ و ۲۔

خالد بن ولید ملے جو رسول کریم صلعم کے پاس مدینہ جا رہے تھے ۔ چنانچہ یہ تینوں صفر ۸ھ میں رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لے آئے*"۔

(۳) بن قتیبہ لکھتے ہیں : "حضرت خالد بن ولید ، حضرت عمرو بن العاص اور حضرت عثمان بن طلحہ ۸ھ میں اسلام میں داخل ہوئے†"۔

(۴) طبری میں ہے : "صفر ۸ھ میں حضرت عمرو بن العاص نے رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا ۔ وہ نجاشی کے پاس سے مسلمان ہو کر آئے تھے ۔ عمرو بن العاص کے ساتھ ہی عثمان بن طلحہ عبدری اور خالد بن ولید بھی مسلمان ہونے کے لئے مدینہ آئے‡"۔

(۵) ابن عساکر ، واقدی کا قول نقل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں : "ہمارے نزدیک یہ بات مسلم الثبوت ہے کہ حضرت خالد غزوۂ خیبر میں شریک نہیں ہوئے ۔ وہ ، عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ ، یہ تینوں فتح مکہ سے قبل یکم صفر ۸ھ کو اسلام لائے تھے✿"۔

(۶) ابن اثیر لکھتے ہیں : "اس سنہ (۸ھ) کے پہلے مہینے (صفر) میں عمرو بن العاص نے رسول کریم صلعم کی خدمت میں

* فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۹۶ و انساب الاشراف جلد اول صفحہ ۱۸۳ ۔

† المعارف صفحہ ۹۰ ۔

‡ الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۰۳ ۔

✿ تاریخ مدینہ دمشق جلد ۳ صفحہ ۶۸۶ ۔

حاضر ہو کر بیعت کی۔ ان کے ساتھ ہی خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ عبدری بھی مسلمان ہونے کی غرض سے مدینہ آئے*"۔

(۷) ابو الفداء لکھتے ہیں "۸ھ میں خالد بن ولید، عمرو بن العاص السہمی اور عثمان بن طلحہ بن عبد الدار مسلمان ہونے کے لئے مدینہ آئے†"۔

ان کے علاوہ اور بھی سینکڑوں شہادتیں دی جاسکتی ہیں۔ لیکن ہم غیر ضروری طوالت سے بچنے کے لئے انہیں درج نہیں کر رہے۔

(ب) تاریخی شہادتوں کے بعد اب معقولات کی جانب آیئے۔

(۱) بلاذری فتح مکہ کے حالات میں لکھتے ہیں "رسول کریم صلعم نے فتح کے بعد خانۂ کعبہ کی چابی عثمان بن طلحہ کو مرحمت فرمائی جو ۸ھ میں اسلام قبول کرچکے تھے‡"۔ تاریخی شہادتوں سے ہم یہ بات ثابت کرچکے ہیں کہ عثمان بن طلحہ حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص کے ساتھ ہی اسلام قبول کرنے کے لئے مکہ آئے تھے۔ اس لئے حضرت خالد کا اسلام قبول کرنا بھی ۸ھ ہی میں ماننا پڑے گا۔

(۲) اکثر مؤرخین☼ جب حضرت عمرو بن العاص کے اسلام

* الکامل جلد ۲ صفحہ ۱۵۵۔

† تاریخ ابوالفداء جلد اول صفحہ ۱۴۲۔

‡ انساب الاشراف جلد اول صفحہ ۲۳۔

☼ الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۰۳ - سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۱۱۔ الاصابہ جلد ۲ صفحہ ۹۸۔

لانے کا حال بیان کرتے ہیں تو خود ان کا اپنا یہ قول بھی بیان کرتے ہیں ”و ذالک قبل الفتح“ یعنی ”یہ واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا ہے“ اگر یہ واقعہ ۵ھ یا ۶ھ کا ہوتا تو انہیں یہ کہنے سے کیا چیز مانع ہوتی کہ ہم نے حدیبیہ کے بعد یا عمرۃ القضاء سے پہلے اسلام قبول کیا۔ لیکن صرف یہ کہنے سے کہ ہم نے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کیا تھا یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے فتح سے تھوڑا ہی عرصہ قبل اسلام قبول کیا تھا۔ چنانچہ اس بارے میں سیرت ابن ہشام میں بھی حضرت عمرو بن العاص کا یہی قول درج ہے۔ چنانچہ یہ نتیجہ کسی صورت بھی نہیں نکل سکتا کہ آپ فتح مکہ سے ایک سال یا دو سال قبل اسلام لائے تھے کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو وہ اپنے اسلام لانے کو فتح مکہ کے بجائے کسی ایسے واقعہ سے منسلک کرتے جو قریب ہی کے زمانے میں گزرا ہو۔

(۳) جن کتابوں میں حضرت خالد کے بھائی ولید بن ولید کے اسلام لانے کا ذکر ہے ان میں یہ مذکور ہے کہ عمرۃ القضاء کے دوران میں رسول کریم صلعم نے ولید سے کہا ”افسوس خالد ہمارے پاس نہیں آئے۔ اگر وہ آتے تو ہم بڑی گرم جوشی سے ان کا خیر مقدم کرتے۔ خالد جیسے شخص کو تو اسلام قبول کرنے میں کوئی تامل نہیں کرنا چاہئے“ یہ سن کر ولید نے خالد کو ایک خط لکھا، جس میں رسول کریم صلعم کے یہ ارشادات درج کر کے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ یہی خط خالد کے اسلام لانے اور ہجرت کرنے کا سبب بنا*۔

* نسب القرشیین للمقدسی جلد ۲ صفحہ ۳۳۸ - الاستیعاب

(باقی صفحہ ۸۰ پر)

اس واقعہ سے بصراحت معلوم ہو جاتا ہے کہ عمرۃ القضاء تک حضرت خالد اسلام نہیں لائے تھے۔

رسول کریم صلعم عمرہ سے فارغ ہوکر ذی الحجہ ۷ھ میں واپس مدینہ تشریف لے گئے تھے۔ ان امور کی موجودگی میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ خالد نے ہجرت کا ارادہ ۷ھ کے آخری ایک یا دو روز میں کیا تھا* ۔ اور اپنے اس ارادے سے اپنے بعض رفیقوں کو مطلع کیا تھا جس سے ان کے اسلام لانے کی خبر مکہ میں پھیل گئی اور ابوسفیان اور عکرمہ بن ابوجہل سے تکرار بھی ہوئی۔

(۳) قابل اعتماد مؤرخین کا بیان ہے کہ سب سے اہم واقعہ جس میں حضرت خالد اسلام لانے کے بعد رسول کریم صلعم کے ساتھ شریک ہوئے، فتح مکہ ہے اور سب سے پہلا غزوہ جس میں آپ نے حصہ لیا غزوۂ موتہ† ہے۔ غزوۂ موتہ اور فتح مکہ دونوں واقعات ۸ھ میں ہوئے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت خالد ۷ھ میں اسلام لائے تو کیا یہ بات قیاس میں آنے والی ہے کہ آپ اتنا عرصہ لوگوں کی آنکھوں سے بالکل اوجھل رہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۹)
جلد ۲ صفحہ ۶۱۹ - الاصابہ جلد ۶ صفحہ ۳۲۳ - اسدالغابہ جلد ۵ صفحہ ۹۲ - ابن عساکر جلد ۳ صفحہ ۹۹۰ - السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۸۶ -

* مغازی الواقدی صفحہ ۳۰۰ و ۳۰۱ - سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۵۵ -

† الاستیعاب جلد اول صفحہ ۱۵۷ - اسدالغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۲ - تہذیب الاسماء مؤلفہ امام نووی صفحہ ۱۷۳ جلد اول -

نہ اس دوران میں آپ کا کوئی ذکر سننے میں آتا ہے اور نہ کسی غزوہ یا سریہ میں آپ حصہ لیتے ہیں ۔ کیا رسول کریم صلعم نے شروع میں آپ کی قدر نہ کی ؟ لیکن یہ کس طرح ہوسکتا ہے ؟ حضرت خالد ایسی شخصیت تھے ہی نہیں کہ اتنا عرصہ خاموشی سے گزر دیتے اور کسی شخص کو آپ کا پتہ نہ چلتا ۔ رسول کریم صلعم بھی اتنا عرصہ آپ کو نظر انداز نہ کرسکتے تھے جب کہ خود حضرت خالد بن ولید فرماتے ہیں کہ ''اسلام لانے کے بعد رسول کریم صلعم نے کسی موقع پر بھی مجھے دوسرے صحابہ سے علیحدہ نہیں رکھا''۔

(۲) جو لوگ ۷ھ میں آپ کے اسلام لانے کا ذکر کرتے ہیں وہ نہ کسی خاص مہینے کا ذکر کرتے ہیں اور نہ بالصراحت یہ بتاتے ہیں کہ آپ کس موقع پر اسلام لائے ۔ اس کے برعکس جن لوگوں نے ۸ھ میں آپ کا اسلام لانا بیان کیا ہے انھوں سنہ ، مہینہ اور دن تک بیان کر دیا ہے ۔ بلکہ بعض روایات میں تو وقت تک بیان کر دیا گیا ہے*۔

ان تمام عقلی اور تاریخی دلائل کی موجودگی میں ، جو ہم نے اوپر بیان کئے ہیں ، ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ **خالد صفر ۸ھ میں اسلام لائے** † ۔

اس بحث کو ہم نے طول اس لئے دیا ہے کہ خالد کے اسلام

---

* السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۸۷ ۔

† ہماری رائے کی تائید بستانی دائرۃ المعرف میں ، ڈاکٹر حسن ابراهیم اپنی کتاب ''عمرو بن العاص'' میں اور گبن ''زوال سلطنت روما'' میں کرتے ہیں :

لانے کے متعلق روایات میں بہت اختلاف اور ابہام پایا جاتا ہے۔ اسی لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ واضح اور بین دلیلوں کے ذریعہ آپ کے اسلام لانے کا زمانہ معین کر دیں۔

اب ہم حضرت خالد بن ولید ہی کی زبان سے آپ کے اسلام لانے کا ایمان افروز واقعہ درج کرتے ہیں*۔ آپ فرماتے ہیں:-

"جب خدا تعالیٰ نے مجھ پر اپنا فضل نازل کرنا چاہا تو اس نے میرے دل میں اسلام کی محبت پیدا کردی اور مجھے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت عطا فرمائی۔ میں سوچا کرتا تھا کہ میں محمد کے خلاف ہر جنگ میں لڑا لیکن ہمیشہ ہی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور ہم اسلام کی شان و شوکت مٹانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ آہستہ آہستہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ میں ایک غلط راستے پر کھڑا ہوں۔ کوئی غیبی طاقت بزور میرے دل میں محمد صلعم کے لئے جگہ پیدا کر رہی تھی۔ جب محمد صلعم عمرۃ القضاء کے لئے مکہ تشریف لائے تو میں مکہ سے نکل گیا اور جب تک حضور مکہ میں رہے میں وہاں داخل نہ ہوا۔ میرے بھائی ولید بن ولید جو مسلمان ہو چکے تھے محمد صلعم کے ساتھ تھے۔ حضور نے مجھے طلب فرمایا لیکن میں کہاں تھا؟ اس پر میرے بھائی نے مجھے یہ خط لکھا:-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مجھے تعجب ہے کہ تم اسلام سے اس قدر برگشتہ کیوں ہو؟ حالانکہ جس عقل کے تم مالک ہو وہ کبھی بھی اسلام کے حقیقی نور سے بے بہرہ نہیں رہ سکتی۔ رسول اللہ صلعم نے مجھ سے تمہارے متعلق دریافت فرمایا اور پوچھا

---

* طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۱ و ۲۔ تاریخ ابن عساکر جلد ۳ صفحہ ۶۹۰ و ۶۹۱۔ السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۸۶۔

کہ خالد کہاں ہیں؟ میں نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ خالد کو اللہ ہی لائے تو لائے۔ آپ نے فرمایا "خالد جیسا شخص کبھی اسلام کی حقیقت سے ناواقف نہیں رہ سکتا۔ اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر مشرکین سے لڑتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا" اے برادر! تم بہت دنوں تک گمراہی میں رہے ہو۔ اب حقیقت کو پہچانو اور سیدھے راستہ پر آ جاؤ"۔

یہ خط پڑھ کر میرے دل پر پڑے ہوئے تاریک پردے ہٹ گئے اور مجھے اسلام سے رغبت پیدا ہو گئی۔ سب سے زیادہ خوشی مجھے اس گفتگو سے ہوئی جو رسول اللہ صلعم نے میرے متعلق میرے بھائی سے کی تھی۔ آخر میں نے مکہ سے نکل کر رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہونے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ انہی ایام میں میں نے یہ خواب بھی دیکھا کہ میں ایک ویران، چٹیل اور تنگ جگہ میں ہوں لیکن خدا تعالیٰ نے میری رہنمائی فرمائی اور میں وہاں سے نکل کر ایک فراخ اور سر سبز و شاداب میدان میں آ گیا۔

جب میں نے مکہ سے نکلنے کی تیاری مکمل کر لی تو میں صفوان بن امیہ سے ملا اور اس سے کہا "اے ابو وہب! تم دیکھتے ہو کہ محمد عرب اور عجم پر غالب آ گئے ہیں۔ اگر ہم ان کے پاس جا کر ان کی اطاعت قبول کر لیں تو جو شرف ان کو حاصل ہونے والا ہے اس میں ہم بھی حصہ دار بن جائیں گے" صفوان نے جواب دیا "اگر تمام دنیا بھی محمد کو قبول کر لے اور میرے سوا اور ہر شخص مسلمان ہو جائے، تب بھی میں ان پر ایمان نہیں لاؤں گا۔ میں نے یہ سن کر اپنے دل میں کہا " یہ بے چارہ مجبور ہے کیونکہ اس کا باپ اور اس

کے بھائی جنگ بدر میں مارے جا چکے ہیں"۔ اس کے بعد میں، عکرمہ بن ابو جہل سے ملا اور وہی بات جو میں نے صفوان سے کہی تھی اس سے بھی کہی ۔ اس نے بھی وہی جواب دیا جو صفوان نے دیا تھا ۔ تب میں نے اس سے یہ درخواست کی کہ وہ ان باتوں کو اپنے تک ہی محدود رکھے اور کسی سے ان کا ذکر نہ کرے ۔ یہ بات اس نے قبول کرلی اور کہا "میں ان کا کسی سے ذکر نہ کروں گا"۔ عکرمہ کے بعد میں عثمان بن طلحہ سے ملا جو میرا دوست تھا ۔ پہلے تو میں نے وہی باتیں اس سے بھی کہنے کا ارادہ کیا لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ اس کا باپ طلحہ، چچا عثمان اور چار بھائی مسافع، جلاس، حارس اور کلاب، جنگ احد میں قتل کئے جا چکے ہیں ۔ کہیں یہ بھی مجھے وہی جواب نہ دے ۔ اس لئے میں نے خاموش رہنا چاہا لیکن زیادہ دیر تک خاموش نہ رہ سکا اور بات کہتے ہی بن پڑی ۔ میں نے اس سے کہا کہ "ہماری مثال اس لومڑی کی سی ہے جو بھٹ میں چھپی ہوئی ہو لیکن بھٹ میں اگر کثرت سے پانی ڈالا جائے تو اسے وہاں سے نکلنا ہی پڑتا ہے ۔ ہمیں یہ نظر آرہا ہے کہ مسلمان ہم پر غالب آجائیں گے ۔ کیوں نہ ہم پہلے ہی اسلام قبول کرلیں ؟" میری توقع کے قطعاً برعکس عثمان نے فوراً آمادگی ظاہر کر دی ۔ اس کے بعد مدینہ چلنے کی بات ہوئی اور یہ طے پایا کہ اگلے روز صبح سویرے ایک مقام پر ہم دونوں پہنچ جائیں اور جو پہلے پہنچ جائے وہ دوسرے کا انتظار کرے ۔ اگلے روز ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا کہ ہم دونوں مقررہ جگہ پر پہنچ گئے اور وہاں سے مدینہ کی راہ لی ۔ جب ہم 'ھدہ' کے مقام پر پہنچے تو ہمیں عمرو بن العاص ملے جو حبشہ سے آرہے تھے ۔ علیک سلیک کے بعد انہوں نے مجھ سے پوچھا :

"ابو سلیمان ! کہاں کا ارادہ ہے ؟ "میں نے جواب دیا " اللہ کی قسم ! ، مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی ہے کہ محمد ، اللہ کے رسول ہیں اور میں مسلمان ہونے کے لئے مدینہ جا رہا ہوں" عمرو بن العاص نے کہا "میں بھی مسلمان ہونے کے ارادے سے حبشہ سے آ رہا ہوں" چنانچہ ہم اکٹھے مدینہ کی جانب روانہ ہوئے۔ جب مدینہ پہنچے تو دوپہر کا وقت تھا۔ ہم نے اپنے اونٹ بٹھائے اور رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی تیاری کرنے لگے۔ رسول اللہ کو بھی ہمارے آنے کی خبر پہنچ گئی۔ آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا "مسلمانو ! مکہ نے اپنے جگر گوشے نکال کر تمہارے سامنے ڈال دئے ہیں" میں نے نئے کپڑے پہنے اور رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چلا۔ راستے میں مجھے میرے بھائی ملے۔ وہ کہنے لگے "جلدی چلو ، رسول اللہ تمہارے آنے سے بہت مسرور ہیں اور تمہارا انتظار فرما رہے ہیں"۔ چنانچہ ہم سب جلدی جلدی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جس وقت میں حضور کے سامنے پہنچا تو حضور مسکرا رہے تھے۔ میں نے قریب جا کر السلام علیکم کہا۔ حضور نے نہایت خندہ پیشانی سے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا "حضور! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں"۔ رسول اللہ نے فرمایا "اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی۔ مجھے بھی امید تھی کہ تمہاری عقل بالآخر سیدھے راستے کی طرف ضرور تمہاری رہنمائی کرے گی"۔ میں نے عرض کیا " یا رسول اللہ ! میں آپ کے خلاف کئی جنگوں میں لڑ چکا ہوں۔ آپ اللہ سے میرے اس گناہ کی معافی کے لئے دعا فرمائیں" آپ نے فرمایا " اسلام پچھلے تمام گناہوں کو

مٹا دیتا ہے*'' میں نے کہا '' کیا واقعی ؟ '' آپ نے فرمایا '' ہاں ! '' اس کے بعد آپ نے یہ دعا فرمائی '' اے اللہ ! خالد کی پچھلی تمام لغزشوں کو جو اس سے تیرے دین کی مخالفت کرتے ہوئے سرزد ہوئیں ، معاف فرما ''۔ ''میرے بعد عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ آگے بڑھے اور انہوں نے رسول اللہ کی بیعت کی۔ ہم صفر ۸ ھ میں مدینہ پہنچے تھے ۔ خدا تعالیٰ کی قسم جس دن سے میں نے اسلام قبول کیا اس دن سے رسول اللہ میرے اور دوسرے صحابہ کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے تھے اور ہر موقع پر مجھے بھی دوسرے صحابہ کے ساتھ شریک فرماتے تھے ۔ رہنے کے لئے حضور نے اپنے ان مکانوں میں سے جو حارثہ بن نعمان نے حضور کو پیش کئے تھے ایک مکان مجھے عنایت فرمایا † ''۔

حضرت خالد کی اس سرگذشت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسی لالچ کی خاطر یا کسی پیش آمدہ خطرے سے بچنے کے لئے یا کسی شخص کے سمجھانے بجھانے سے مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ اسی وقت اسلام لائے جب پورے غور و فکر کے بعد انہیں یقین ہوگیا کہ واقعی اسلام سچا مذہب ہے اور جس عقیدے پر وہ قائم ہیں اس میں سوائے گمراہی اور نقصان کے کچھ نہیں ۔
ان واقعات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کو خالد کے اسلام لانے کی کس قدر خواہش تھی ۔

رسول کریم صلعم کو خالد سے جو تعلق تھا اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ اسلام لانے کے بعد آپ نے خالد کو اپنے مکانوں میں سے ایک مکان عطا فرمایا ۔ لیکن ان کے دونوں

* یہاں پہنچ کر مؤلف السیرۃ الحلبیہ کا بیان ختم ہوا ۔
† طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۱ ۔

ساتھی، باوجودیکہ وہ قریش میں انتہائی بلند مرتبے کے مالک تھے، اس سلوک سے محروم رہے۔ پھر جب حضرت خالد نے آپ سے اپنے لئے دعائے استغفار کی درخواست کی تو حضور نے اسی وقت ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی۔

اسلام قبول کرنے میں دیر

اس سوال کا جواب ہمیں حضرت عمرو بن العاص کی زبان سے مل جاتا ہے۔ ان سے بھی یہی سوال پوچھا گیا تھا کہ آپ کا شمار عرب کے عقل مند ترین انسانوں میں ہوتا ہے پھر آپ نے اسلام لانے میں دیر کیوں کی؟ انہوں نے جواب دیا تھا ''ہم ایسے لوگوں میں رہتے تھے جنہیں ہم پر ہر طرح سے فوقیت حاصل تھی۔ ذکاوت، فطانت اور عقل مندی میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ جب تک وہ ہمارے درمیان رہے ہم ان سے علیحدگی کا خیال بھی دل میں نہ لاسکتے تھے لیکن جب وہ اس دنیا سے اٹھ گئے اور معاملات ہمارے ذہنوں میں آئے تو ہمیں غور و فکر اور تدبر کا موقعہ ملا۔ تب ہمیں معلوم ہوا کہ حق کس طرف ہے چنانچہ اسلام میرے دل میں راسخ ہوگیا''۔

پھر یہ بھی ہے کہ قریش خانۂ کعبہ کے متولی تھے۔ ان کا شمار عرب کے معزز ترین قبائل میں کیا جاتا تھا۔ اس کا طبعی اثر یہ تھا کہ قریش اور بالخصوص ان کے سردار اور سر برآوردہ اشخاص اس نئے دین کے مقابلے میں کھڑے ہوگئے جس کو قبول کرنے سے ان کی عزت میں فرق آنے کا اندیشہ تھا کیوں کہ اسلام قریش، غیر قریش، عرب اور عجم کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتا بلکہ سب مسلمانوں کو مساوی حقوق

دیتا ہے۔ قریش، جن کے دلوں میں پشتہا پشت سے اپنی سرداری اور بڑائی کا غرور قائم تھا، کس طرح یہ برداشت کرسکتے تھے کہ اُن کے اور اُن کے غلاموں کے درمیان کوئی فرق نہ رہے اور کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہ ہو۔ چنانچہ وہ اسلام کے پکے دشمن بن گئے۔ یہ دشمنی اس وقت اور بھی بڑھی جب مسلمانوں کے مقابلے میں قریش کو پے در پے شکستیں ہونے لگیں اور ان کے سردار ان جنگوں میں کثرت سے مارے جانے لگے۔ خصوصاً جنگ بدر میں جہاں مسلمانوں کے ہاتھوں صنا دید قریش کی بھاری تعداد موت کے گھاٹ اتر گئی۔ افراد کے لئے اُس دین کی پیروی بہت مشکل ہوتی ہے جس نے ان کے عزیزوں اور اقرباء کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہو، اور ان کے پیاروں کو ان سے چھین لیا ہو۔ چنانچہ جس وقت خالد نے اسلام لانے کا ارادہ کیا اور اپنے اس ارادے سے عکرمہ بن ابی جہل کو مطلع کیا تو وہ حیران ہو گیا اور کہنے لگا "تم صابی ہو گئے"۔ خالد نے کہا "میں صابی نہیں ہوا، مسلمان ہوا ہوں" تب عکرمہ نے کہا "خدا کی قسم! خواہ سارے قریش اسلام لے آتے مگر مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی"۔ خالد نے پوچھا "کیوں؟"۔ عکرمہ نے جواب دیا "تمہیں وہ وقت بھول گیا جب بدر کے موقع پر تمہارے چچا اور چچا زاد بھائی قتل ہوئے تھے؟ کم از کم تمہیں تو اسلام نہیں لانا چاہئے تھا۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ قریش مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ اس موقع پر تم ان سے علیحدگی اختیار کرنے لگے ہو؟" لیکن خالد کے دل میں اسلام کی حقانیت کا یقین راسخ ہوچکا تھا۔ وہ اس قسم کی اشتعال انگیز باتوں میں نہ آئے اور صاف صاف کہہ دیا کہ "یہ سب باتیں جاہلیت کی نشانی ہیں۔ میں ایسی

حضرت کا دلائل تھیں ۔ جس وقت مجھ پر حق ظاہر ہو گیا میں نے اسلام قبول کرلیا* ‘‘ ۔

اب ہم خالد کی آن فتوحات اور کارہائے نمایاں کا تذکرہ شروع کرتے ہیں جو اسلام کی ترقی میں بہت ممد و معاون ہوئیں ۔

غزوۂ موتـــہ †

رسول کریم صلعم نے ایک لشکر اپنے صحابی حارث بن عمیر کو پیغام بر بنا کر حاکم بصریٰ ‡ کے پاس بھیجا تھا ۔ آن لوگوں نے حارث کو شہید کر دیا ۔ اس پر جمادی الاول ۸ھ میں حضور نے ایک لشکر حارث کا انتقام لینے کے لئے شام بھیجا اور فرمایا ’’اس لشکر کی قیادت زید بن حارثہ کریں گے ۔ اگر وہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب قیادت سنبھال لیں ۔ اور اگر وہ بھی کام آجائیں تو قیادت عبداللہ بن رواحہ کے سپرد کردی جائے ✡‘‘۔

مسلمانوں کا لشکر جب بلقاء کی سرحد پر پہنچا تو انہیں معلوم ہوا کہ مشارف کے مقام پر ہرقل ، شہنشاہ روم کا ایک عظیم الشان لشکر ڈیرے ڈالے پڑا ہے ۔ یہ معلوم کر کے انہوں نے

* مغازی الواقدی صفحہ ۳۰۰ و ۳۰۱ ۔

† مؤتہ ، شام کے علاقہ بلقاء کی سرحد پر ایک بستی ہے ۔

‡ بصریٰ ، دمشق کے قریب ایک قصبہ ہے جسے کورۃ حوران بھی کہتے ہیں ۔

✡ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۵۶ ۔ معمول کے بر خلاف اس موقع پر تین امیر مقرر فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے رسول کریم صلعم کو پہلے ہی سے ان کی شہادت کی خبر دے دی تھی ۔

مؤتہ کا رخ کیا ۔ وھاں رومیوں اور ان کے درمیان جنگ شروع ہوئی ۔

زید بن حارثہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے ۔ ان کے بعد جعفر بن ابی طالب نے جھنڈا لیا اور لڑنا شروع کیا ۔ جب لڑائی نے زور پکڑا تو وہ اپنے گھوڑے سے اترے اور درانہ دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور شہید ہو گئے ۔ ان کے بعد عبداللہ بن رواحہ نے قیادت سنبھالی اور شہادت پائی ۔

اب مسلمانوں کے لشکر میں کوئی سردار نہ تھا جو ان میں نظام قائم رکھتا اور وہ مقصد بجا لاتا جس کے لئے اس لشکر کو بھیجا گیا تھا ۔ مسلمان اس صورت حال سے بہت پریشان ہوئے ۔ دشمن کے مقابلے میں ان کی حیثیت آٹے میں نمک کی سی تھی ۔ اور دشمن انہیں بڑی آسانی سے پیس کر رکھ سکتا تھا ۔ اس نازک موقع پر مسلمانوں کی نظریں حضرت خالد بن ولید پر پڑیں اور انہیں اپنا قائد منتخب کر لیا ۔

خالد ایک ایسے کمزور اور بے حقیقت لشکر کے قائد منتخب ہوئے تھے جس کی تعداد تین ہزار سے زیادہ نہ تھی ۔ اس کے مقابلے میں دشمن* ڈیڑھ لاکھ تربیت یافتہ جرار لشکر لئے میدان میں موجود تھا جسے اپنی قوت و طاقت پر کامل بھروسہ تھا ۔ یہی رومی لشکر کچھ عرصہ قبل ایرانیوں پر فتح پا چکا تھا اور فتح و کامرانی کے نشے میں چور اب مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے درپے تھا ۔ اس موقع پر خالد کی حربی صلاحیتیں ظاہر ہوئیں اور انہوں نے لشکر کو تباھی سے بچانے اور اسے دشمن کے نرغے

* یہ کم سے کم تعداد ھے جو مؤرخین عرب نے رومیوں کے لشکر کی لکھی ھے ۔

سے نکال لانے کے لئے صرف انکمز طور پر کامیابی حاصل کی۔ پہلے روز وہ حسبِ معمول دشمن سے لڑتے۔ جب رات ہوئی تو انہوں نے اپنے لشکر کی ترتیب بالکل بدل ڈالی۔ مقدمہ کو ساقہ کی جگہ کر دیا اور ساقہ کو مقدمہ کی جگہ۔ اسی طرح میمنہ اور میسرہ کو بھی تبدیل کر دیا۔ دشمن کو اس نقل و حرکت سے احساس ہوا کہ مسلمانوں کی مدد کے لئے کوئی اور تازہ دم فوج میدان میں آ گئی ہے۔ چنانچہ دوسرے روز اس کے جوش و خروش کی وہ حالت نہ تھی جو ایک روز پہلے تھی۔

اس طرح حضرت خالد نے وقتی طور پر لشکر اسلام کو تباہی سے بچا لیا اور پھر اس طرح دشمن کو مرعوب کر کے انہوں نے بڑے قرینے سے اپنے لشکر کو آہستہ آہستہ پیچھے ہٹانا شروع کیا۔ اور کچھ دیر بعد اسے دشمنوں کے نرغے سے سلامتی کے ساتھ نکال لائے۔ اب دونوں لشکر علیحدہ علیحدہ ہو گئے اور مسلمان اس تباہی و بربادی سے بچ گئے جو انہیں کچھ عرصہ قبل اٹل نظر آ رہی تھی۔

خالد رضہ نے اس موقع پر جو تدابیر اختیار کیں وہ کوئی معمولی کارنامہ نہیں جسے ہر قائد بجا لا سکتا بلکہ ایک عظیم الشان کارنامہ ہے جو جنگی مہارت، عقل مندی، وسعت نظر اور اللہ پر کامل بھروسے پر دلالت کرتی ہے۔ اگر اس وقت خالد سے ذرا بھی کوتاہی ہو جاتی تو پورے کا پورا اسلامی لشکر موت کے گھاٹ اتر جاتا۔ اس جنگ کے موقع پر مسلمانوں کو جس سختی اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا تھا خالد کا یہ قول اس کی دھندلی سی تصویر ہمارے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ "موتہ کی

* سیرۃ ابن ہشام جلد ۳ صفحہ ۹۶۔

جنگ میں میرے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹیں اور اگر کوئی تلوار صحیح سلامت میرے ہاتھ میں رہی تو وہ یمنی تلوار تھی*"۔ اندازہ کیجئے کہ جس لشکر کے سردار کو خود لڑنا پڑے اور اس کے ہاتھ سے نو تلواریں یکے بعد دیگرے ٹوٹ جائیں اس پر کیسے جرار لشکر نے حملہ کیا ہوگا اور وہ سردار کتنا شجاع، دلیر اور جنگی حربوں سے کس درجہ واقف ہوگا۔

جس وقت یہ معرکہ ہو رہا تھا اور مسلمانوں کے سردار یکے بعد دیگرے شہید ہو رہے تھے اس وقت اللہ تعالیٰ مدینہ میں رسول کریم صلعم کو یہ تمام ماجرا دکھا رہا تھا اور آپ صحابہ سے ان سرداروں کی شہادت کا حال بیان کر رہے تھے۔ جب خالد نے جھنڈا ہاتھ میں لیا تو آپ نے فرمایا "ان کے بعد خالد بن ولید نے جھنڈا ہاتھ میں لیا۔ وہ مقرر کردہ قائدین میں سے نہیں ہیں بلکہ انہوں نے خود اپنے کو قائد بنایا ہے"۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا "اے اللہ! وہ تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔ اب تو ہی اس کی مدد فرما†"۔ اس دن سے حضرت خالد کا لقب 'سیف اللہ' پڑ گیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ وہ نبی کریم صلعم کے دئے ہوئے اس لقب کے پورے پورے مستحق تھے، کیونکہ انہوں نے انتہائی نازک موقع پر مسلمانوں کے لشکر کو تباہی سے بچا لیا۔ یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ کے دئے ہوئے اس لقب میں جو جامعیت ہے وہ کسی عام انسان کی بیان کردہ تعریف میں کبھی نہیں ہو سکتی تھی۔

* طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۲۔ السیرۃ حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۹۶۔ انساب الاشراف جلد ۳ صفحہ ۹۳۳۔ الاستیعاب جلد اول صفحہ ۱۵۷۔ اسدالغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۔

† الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۰۹۔ السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۹۷۔

اس موقع پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں کی اس قدر قابل رحم حالت تھی تو ان کے پیچھے ہٹنے پر رومیوں نے آگے بڑھ کر انہیں روکا کیوں نہیں اور ان کا تعاقب کرنے میں انہیں کیا رکاوٹ پیش آئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بھاری لشکروں کے لئے جنگلوں میں گھس کر لڑائی کرنا بہت مشکل ہے۔ رومی لشکر بھاری تعداد پر مشتمل تھا اور اس کے پاس سامان جنگ بھی بہت تھا۔ اس کے مقابلے میں مسلمان تعداد میں بہت تھوڑے تھے اور ان کے پاس سامان بھی بہت کم تھا، اس لئے انہیں رومیوں کے مقابلے میں نقل و حرکت کے زیادہ مواقع میسر تھے اور وہ بڑی آسانی سے جنگلوں اور پہاڑوں میں گھس کر اپنی راہ بنا سکتے اور اپنی حفاظت کر سکتے تھے۔ اس صورت میں رومیوں کے لئے ان کا پیچھا کرنا کسی فائدے کا موجب نہ ہو سکتا تھا۔ یہ امر بھی بعید از قیاس نہیں کہ رومیوں کا یہ خیال ہو کہ مسلمانوں نے جنگلوں اور پہاڑوں میں کمین گاہیں بنا رکھی ہیں اور ان کا پیچھے ہٹنا محض ایک جنگی چال ہے تاکہ جب ہم ان کا تعاقب کرتے ہوئے گھنے جنگلوں میں پہنچیں تو وہ اپنی کمین گاہوں سے نکل کر ہم پر حملہ کر سکیں۔

بعض مؤرخین یہ لکھتے ہیں کہ لشکر کی قیادت حضرت خالد کے ہاتھ میں آنے کے بعد میدان جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا اور مسلمانوں نے پے در پے زور دار حملے کرکے رومیوں کو شکست فاش دے دی۔ چنانچہ ابن سعد 'طبقات' میں ایک ایسی ہی روایت نقل کرتے ہیں۔ اس روایت میں مرقوم ہے کہ حضرت خالد نے جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیتے ہی بڑے زور شور سے رومیوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے بے دھڑک تلوار کے جوہر دکھانے شروع کئے اور رومیوں کو ایسی زبردست شکست دی

جس کی مثال نہیں مل سکتی* ۔

لیکن یہ رواںت ہر لحاظ سے ناقابل قبول ہے ۔ مشہور اور مستند کتب تاریخ اس روایت کی تائید نہیں کرتیں ۔ بڑے بڑے مؤرخین جن میں ابن سعد خود بھی شامل ہیں ، اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت خالد نے کمان اپنے ہاتھ میں لے کر دشمن کے حملے کو روکا اور آہستہ آہستہ اپنے لشکر کو پیچھے ہٹا کر اسے دشمنوں کے نرغے سے نکال لائے۔

اس کے علاوہ عقل کے لئے بھی یہ بات قابل قبول نہیں کہ تین ہزار کا مختصر لشکر ڈیڑھ لاکھ سپاہیوں کے عظیم الشان لسکر پر فتح یاب ہو جائے۔ اگر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تھی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے کتنے ہزار رومی قتل کئے اور کس قدر مال غنیمت اکٹھا کیا ؟ مسلمان مؤرخین ہر جنگ کا ذکر کرتے وقت اس کے مقتولین کی تعداد اور مال غنیمت کی مقدار کا ضرور تذکرہ کرتے ہیں ۔ لیکن اس موقع پر وہ بالکل خاموش ہیں ۔ آخر کیوں ؟

ابن ہشام اور ابن برہان الدین† نے بھی ذکر کیا ہے کہ مسلمانوں نے خالد کو سپہ سالار بنایا اور خدا تعالیٰ نے انہیں میدان جنگ میں فتح عطا فرمائی ۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان مؤرخین نے مسلمانوں کی نجات کو مجازاً فتح سے تعبیر کیا ہے کیونکہ تین ہزار مسلمانوں کو، جنہیں موت اپنے سامنے نظر آرہی تھی، موت کے منہ سے بچا لانا فتح کے مترادف بھی سمجھا جاسکتا

* طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۹۳ ۔

† سیرۃ ابن ہسام جلد ۲ صفحہ ۲۶۰ ۔ السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۹٦ ۔

ہے۔ اگر حضرت خالد اپنے بے نظیر تدبر اور اعلیٰ جنگی مہارت سے کام نہ لیتے تو مسلمانوں کی تباہی میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ تھا۔ گویا حضرت خالد نے لشکر کو موت کے منہ سے نکال کر مسلمانوں کی تعداد میں تین ہزار کا اضافہ کر دیا۔

تقریباً تمام مؤرخین نے اس امر کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ جب یہ لشکر مدینہ کے قریب پہنچا تو رسول اللہ دیگر مسلمانوں کے ہمراہ اس کے استقبال کے لئے نکلے۔ جب لشکر سامنے آیا تو لوگوں نے لشکر کے سپاہیوں پر مٹی پھینکنی شروع کی اور کہنا شروع کیا ”اے بھگوڑو! تم لوگ اللہ کے راستے سے بھاگ کر آئے ہو“ لیکن نبی کریم صلعم نے انہیں اس حرکت سے منع فرمایا اور کہا ”یہ بھگوڑے نہیں ہیں۔ انشاء اللہ یہ دوبارہ جہاد کو جائیں گے“۔

اس روایت سے جہاں بعض مؤرخین کی اس روایت کی تردید ہوتی ہے کہ مسلمانوں نے لڑائی میں فرار اختیار کیا تھا (کیونکہ نبی کریم صلعم صحابہ کو لے کر ایک بھگوڑے لشکر کے استقبال کے لئے کبھی نہ نکل سکتے تھے) وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اس جنگ سے فتح یاب ہو کر نہیں لوٹے تھے۔ کیونکہ فتح یابی کی صورت میں ان کے سروں پر خاک ڈالنے کے کوئی معنی نہیں۔

تاہم اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تین ہزار کے مختصر سے لشکر کو ڈیڑھ لاکھ کے عظیم الشان لشکر کے نرغے میں سے نکال لانا اور وہ بھی اس صورت میں کہ مسلمانوں کے صرف بارہ آدمی شہید ہوئے، حضرت خالد کا ایک ایسا شاندار کارنامہ ہے جس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔

ہماری رائے کی تائید بعض اشعار سے بھی ہوتی ہے جو اس موقع پر کہے گئے تھے۔ چنانچہ قیس بن محسرالیعمری کہتے ہیں :۔

فواللہ لاتنفک نفسی تلــومنی
علیٰ موقفی والخیل قابعۃ قبل
علیٰ انی آسـیت نفسی بخــالد
الا خالد فی القــوم لیس لہ مثل
وجاشت الیّ النـفس من نحوجعفر
بمؤتۃ اذلاینـفع النابل النبل
وضم الیــنا حجزتیــہم کلیــہا
مہاجرۃ لامشرکون ولا عذل

(خدا کی قسم میرا نفس مجھے اب تک جنگ مؤتہ کے واقعات پر ملامت کرتا ہے۔ افسوس میں اس روز کچھ نہ کر سکا۔ میں نے اپنے آپ کو خالد کے سپرد کر دیا تھا جن کی مثل قوم میں کوئی نہیں ہے۔ مجھے جعفر کی شہادت کا وہ وقت نہیں بھولتا جب ہمارے تیر اندازوں کی طرف سے تیر چلانے کا کوئی فائدہ نہ تھا اور جب رومیوں کی فوجیں دو اطراف سے ہمیں پیس ڈالنے کے لئے ہم پر پل پڑی تھیں)۔

ابن برھان الدین بھی اپنی کتاب میں ہماری رائے ہی کی تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :

”جنگ مؤتہ میں مسلمانوں کو اس لحاظ سے فتح حاصل ہوئی تھی کہ اس موقع پر تین ہزار مسلمانوں کے مقابلے میں دو لاکھ رومی سپاہ میدان جنگ میں موجود تھی۔ اس عظیم الشان لشکر کے مقابلے میں مسلمانوں کے زندہ بچنے کی کوئی صورت نہیں تھی اور بظاہر یہی نظر آرہا تھا کہ تین ہزار سپاہیوں میں سے ایک

شخص بھی اپنی جان بچا کر نہیں لے جا سکے گا ۔ لیکن خالد بن ولید نے بے نظیر جرأت اور شجاعت دکھا کر مسلمانوں کو ہلاکت سے بچا لیا* "۔

فتح مکہ

جب اللہ نے چاہا کہ مکہ اس کے حقیقی وارثوں کے ھاتھوں میں دیا جائے تو اس نے اس کے لئے مختلف اسباب پیدا کرنے شروع کئے ۔ رسول کریم صلعم اس مہم کے لئے دس ہزار سپاھیوں کے ساتھ ۱۰ ۔ رمضان ۸ ھ کو بدھ کے روز بعد نماز عصر مدینہ سے روانہ ھوئے† ۔ مہاجرین اور انصار کے تمام بالغ افراد اپ کے ساتھ تھے‡ ان کے علاوہ عرب قبائل سے بھی ہزاروں اشخاص نے اس مہم میں شرکت کی تھی ۔ جس وقت نبی کریم صلعم مکہ کے قریب ذی طوی کے مقام پر پہنچے تو آپ نے لشکر کو ترتیب دی✿ ۔ حضور نے حضرت خالد بن ولید کو میمنہ کا امیر مقرر فرمایا جس میں اسلم ، سلیم ، غفار ، مزینہ ، جہینہ وغیرہ عرب قبائل

* السیرۃ الحلبیہ جلد ۲ صفحہ ۹۷ ۔

† سیرۃ ابن ھشام جلد ۲ صفحہ ۲۶۱ ۔ طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۹۹ ۔

‡ اس موقع پر مہاجرین کی تعداد سات سو تھی اور ان کے پاس تین سو گھوڑے تھے ۔ انصار چار ہزار کی تعداد میں تھے اور ان کے ساتھ پانچ سو گھوڑے تھے ۔ ابن ھشام جلد ۲ صفحہ ۲۶۵ ۔ الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۱۳ ۔ السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۹ ۔

✿ معجم البلدان جلد ۶ صفحہ ۴۶ ۔

شامل تھے* ۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب رسول کریم صلعم کی جانب سے حضرت خالد کو قیادت اور امارت کا شرف حاصل ہوا ۔

مکہ پہنچ کر رسول کریم صلعم نے سعد بن عبادہ کو 'کداء' زبیر کو 'کُدی' اور خالد کو 'لیط' کے مقام سے مکہ میں داخل ہونے کا حکم دیا ۔ نبی کریم صلعم 'اذاخر' کے مقام سے داخل ہوئے اور مکہ کی بلندی پر پہنچ کر سواری سے اتر پڑے ۔ وہیں آپ کے لئے ایک خیمہ استادہ کیا گیا ۔ اس طرح مسلمانوں کا لشکر مکہ میں چار اطراف سے داخل ہوا † ۔

رسول اللہ کی شدید خواہش تھی کہ حرم مقدس میں خون نہ بہے ۔ اسی لئے آپ نے اپنے سرداروں کو حکم دے دیا تھا کہ صرف اسی وقت تلواریں میان سے نکالی جائیں جب کفار ان کے آگے بڑھنے میں مزاحم ہوں اور بغیر جنگ کئے ہمارے آگے بڑھنے کی کوئی صورت نہ ہو ۔ لیکن بعض عمائد قریش نے حرم مقدس میں بھی خون بہانے سے دریغ نہ کیا ۔ صفوان بن امیہ ، عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمر نے قبیلہ بنی بکر اور احابیش ‡ کے بعض لوگوں کو زیرین مکہ میں خندمہ☼ کے مقام پر جمع کیا

* سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۷۱ ۔ الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۱۸ ۔

† طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۹۸ ۔

‡ بنوالہون بن خزیمہ ۔ بنوالحرث بن عبدمناف بن کنانہ اور بنوالمصطلق بن خزیمہ کو احابیش کہا جاتا تھا ۔

☼ خندمہ مکہ میں شعب ابی طالب کے نزدیک ایک مقام کا نام ہے (بلاذری صفحہ ۵۵) یاقوت حموی کہتا ہے کہ یہ مکہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے (معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۴۷۰) ۔

اور مسلمانوں سے لڑنے اور انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کا مصمم ارادہ کیا ۔ اللہ نے حضرت خالد کے لئے (جنہیں رسول اللہ نے سب سے پہلے مکہ میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا)* یہ مقرر کر رکھا تھا کہ وہ اس دن اپنی تلوار کے جوہر دکھائیں اور انہی لوگوں سے لڑیں جن کے ساتھ ہو کر وہ کچھ عرصہ قبل مسلمانوں سے جنگ کیا کرتے تھے ۔ چنانچہ خالد اور مندرجہ بالا گروہ کی مڈھ بھیڑ ہوئی ۔ دونوں طرف سے تلواریں چلنی شروع ہوئیں ۔ تیرہ مشرک کھیت رہے اور تین مسلمان شہید ہوئے † ۔ اس حملہ کے سوا اور کہیں مشرکین نے مقابلہ نہ کیا اور مسلمان مسجد حرام میں بغیر کسی مزاحمت کے داخل ہو گئے ۔ اس طرح رسول اللہ کا وہ رؤیا کامل طور پر پورا ہو گیا جس کا ذکر قرآن

* بلاذری صفحہ ۴۶ ۔

† مسلمان شہداء کے نام یہ ہیں : (۱) کرز بن جابر جو بنو محارب میں سے تھے ۔ (۲) خنیس بن خالد بن ربیعہ بن اصرم جو بنو منقذ کے حلیف تھے ۔ (۳) سلمہ بن میلاء جو قبیلہ جہینہ میں سے تھے ۔ اول الذکر دو شخص حضرت خالد کے لشکر میں شامل تھے لیکن یہ لشکر سے علیحدہ ہو کر ایک اور راستے پر جا رہے تھے ۔ قریش نے تنہا پا کر انہیں شہید کر ڈالا ۔ سلمہ بن میلاء لشکر میں ہی شامل رہے اور مشرکین سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے ۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۷۰ ۔ الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۱۸) ۔ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں کہ کفار کے مقتولین کی کل تعداد اٹھائیس تھی ، چوبیس قریش میں سے تھے اور چار قبیلہ ہذیل میں سے (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۹۸ ۔ ابو الفداء بھی اپنی تاریخ میں یہی لکھتے ہیں ۔ تاریخ ابو الفداء جلد ۱ صفحہ ۱۴۴) ۔

میں اس طرح کیا گیا ہے:

لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام انشاء اللہ آمنین محلقین رؤسکم و مقصرین لاتخافون فعلم مالم تعلموا فجعل من دون ذالک فتحا قریباً (بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو واقعی سچا ہی خواب دکھایا تھا کہ انشاء اللہ تم مسجد حرام میں بے خوف و خطر داخل ہو گے ۔ وہاں جا کر تم میں سے کچھ تو اپنے سر منڈوائیں گے اور کچھ فقط بال ہی کتروائیں گے ۔ غرض جس بات کی تم کو خبر نہ تھی اللہ کو وہ پہلے سے ہی معلوم تھی پھر اس خواب کی تعبیر نہ ہوئی کہ فتح مکہ سے پہلے ایک فتح کرا دی) ۔

مسلمان مکہ میں ۲۰ رمضان ۸ ھ بروز جمعہ داخل ہوئے*۔

بکر ، حارث اور احابیش کو جمع کرکے کفار نے یہ سوچا تھا کہ وہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روک لیں گے ۔ لیکن انہیں معلوم نہ تھا کہ فاتح لشکر کے میمنہ کا سردار خالد ہے ، وہی خالد جوکل تک ان کے ساتھ ہو کر مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچاتا رہا تھا ، آج انہی مشرکین اور کفار کے لئے پیغام موت بن کر آیا ہے ۔

اس یوم موعود کا انتظار رسول اللہ انتہائی صبر اور استقلال کے ساتھ کر رہے تھے کیونکہ اہل مکہ کو تمام عرب پر کئی لحاظ سے فوقیت حاصل تھی اور تمام اہل عرب ان کی سرداری کو قبول کرتے تھے ۔ اگر اہل مکہ رسول اللہ کے مطیع اور فرمانبردار بن جاتے اور مکہ سے بت پرستی اور شرک مٹ جاتا تو اس کے نتیجے میں تمام عرب مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لیتا ۔

* طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۹۹ ۔ الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۲۵

* الطبری ۳ صفحہ ۱۱۷

رسول اللہ کی دلی خواہش تھی کہ بعید نہ اس حال میں دیکھیں کہ وہاں خدائے واحد کی پرستش کی جاتی ہو اور تین سو ساٹھ بتوں میں سے کسی بت کا نشان باقی نہ ہو۔

رسول اللہ قریش کی نفسیات کو بھی اچھی طرح سمجھتے تھے۔ آپ کو معلوم تھا کہ قریش کی اسلام سے نفرت کرنے کی وجوہات کیا کیا ہیں۔ مکہ والے کبھی اس بات کو برداشت نہ کر سکتے تھے کہ رسول اللہ فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوں۔ انہیں معلوم تھا کہ رسول اللہ مکہ میں داخل ہو گئے تو ان کی ساری حکومت، عزت اور عظمت، جو اہل عرب پر انہیں حاصل تھی، جاتی رہے گی اور ان کے معبودوں کا نشان تک باقی نہ رہے گا۔ رسول اللہ ان سب باتوں کو جانتے تھے اسی لئے آپ نے لشکر کی قیادت اور امارت کے لئے ایسے لوگوں کو چنا جن کا جنگی تجربہ بے پناہ تھا اور جو لشکر کی قیادت کے لئے موزوں ترین اشخاص تھے۔ اس سلسلے میں جن چار لوگوں پر رسول اللہ کی نگاہ انتخاب پڑی ان میں حضرت خالد بھی تھے۔ حضرت خالد کا انتخاب اس لئے عمل میں آیا کہ آپ فی الواقع ایک ممتاز قائد تھے اور ان کی عیاں و نہاں صلاحیتوں سے رسول اللہ کی دوربین آنکھ خوب اچھی طرح واقف تھی۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان کی کمان میں وہ لشکر تھے* جو سر بسر بدوی زندگی میں رنگے ہوئے

* حضرت خالد کی کمان میں مندرجہ ذیل قبائل تھے (۱) بنو سلیم جن کی تعداد سات سو سے ایک ہزار تک تھی۔ (۲) اسلم جو چار سو کی تعداد میں تھے۔ (۳) مزینہ جن کی تعداد ایک ہزار تین تھی۔ (۴) بنو غفار جو چار سو کی تعداد میں آئے۔ (۵) جہینہ جن کی تعداد آٹھ سو اور بعض روایات کے مطابق ایک ہزار چار

(باقی صفحہ ۱۰۲ پر)

تھے، نہ تہذیب و تمدن سے واقف تھے نہ کسی نظام میں رہ کر زندگی بسر کرنے کے عادی تھے، تو ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت خالد کو اس مخلوط لشکر کی کمان دینے میں کیا بھید تھا۔ یہ امر یقینی ہے کہ ایسی طبائع رکھنے والے لشکر کی قیادت صرف خالد ہی کر سکتے تھے، ان کی قیادت اور کسی کے بس کی چیز نہ تھی۔

مکہ میں داخل ہوتے وقت حضرت خالد نے جو کارنمایاں سرانجام دیا اور راہ میں حائل ہونے والے لشکر کا جس طرح مقابلہ کیا اس کا اعتراف بہت سے مسلمان اور مشرکین شعراء نے کیا ہے۔ ذیل میں حماس بن قیس بکری کے چند اشعار درج کئے جاتے ہیں۔ یہ شخص ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے حضرت خالد کا مقابلہ کیا تھا۔ جب ان لوگوں نے شکست کھائی تو یہ بھاگ کر اپنے گھر پہنچا اور اپنی بیوی سے کہا کہ دروازہ بند کردے۔ بیوی نے اس کی نامردی پر اس کو لعنت ملامت کی تو اس نے یہ اشعار کہے*۔

انک لوشھدت یوم الخندمہ
اذ فرصفوان و فر عکرمہ
و ابویزید قائم کالمؤتمہ
و استقبلتھم بالسیوف المسلمہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۱)

سو تھی۔ سیرۃ ابن ھشام جلد ۲ صفحہ ۲۷۱ و ۲۷۹۔ الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۱۸ و ۱۲۲۔ السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۹۔

* سیرۃ ابن ھشام جلد ۲ صفحہ ۲۷۲۔ الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۱۹۔

یقطعن کل ساعد و جمجمه
ضرباًفلا یسمع الا غمغمه
لهم نهیت خلفنا و همهمه
لم تنطقی فی اللوم ادنیٰ کلمه

(اے میری بیوی کاش تو خندمہ کی جنگ میں موجود ہوتی جب کہ صفوان اور عکرمہ دونوں بھاگ گئے تھے اور ابو یزید بھی حیران و پریشان کھڑا تھا، اس وقت جب کہ میں ایسی تیز تلواروں کے ساتھ ان کے آگے بڑھا جو کلائی اور کھوپڑی کو کاٹ کاٹ دیتی تھیں اور اس شدت کی لڑائی تھی کہ بجز تلواروں کی جھنکار کے اور کوئی آواز نہ سنائی دیتی تھی اور ہمارے پیچھے دشمنوں کا شور و غوغا تھا۔ بس اگر تو اس موقع کو دیکھتی تو ایک لفظ بھی ملامت کا میرے متعلق نہ کہتی)۔

فتح مکہ کے بعد اسی دن کعبہ کو بتوں سے صاف کردیا گیا اور بجائے بتوں کی عبادت کے خدائے واحد کی پرستش کا آغاز ہوا۔ تاہم ابھی ایک مرحلہ اور باقی تھا اور وہ تھا ان معبدوں کا انہدام جو مکہ کے ارد گرد بتوں کی پرستش کے لئے قائم کئے گئے تھے۔ فتح مکہ کے معاً بعد رسول اللہ صلعم نے ان کی جانب بھی توجہ فرمائی۔

عزیٰ بت کا انہدام

فتح مکہ کو ابھی پانچ روز بھی نہیں گزرے تھے کہ رسول اللہ صلعم نے حضرت خالد کو تیس سواروں کے ہمراہ عزیٰ بت کو منہدم کرنے کے لئے نخلہ روانہ فرمایا۔ حضرت خالد ۲۵۔ رمضان کو وہاں پہنچے اور اسے منہدم کردیا۔ عزیٰ قریش کا سب سے بڑا بت تھا اور قریش، کنانہ اور مضر وغیرہ

قبائل اس کی تعظیم کرتے تھے ۔ اس معبد کا انتظام ، جس میں عزیٰ رکھا ہوا تھا ، بنو ہاشم کے حلیف بنو سلیم کی شاخ ، بنی شیبان کے سپرد تھا* ۔

عزیٰ کا انہدام گو بظاہر معمولی واقعہ نظر آتا ہے لیکن یہ حقیقت نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ یہ قریش کا سب سے بڑا بت تھا اور تمام قبائل کنانہ اور مضر اس کی حد درجہ تعظیم کرتے تھے ۔ اس کا انہدام کوئی معمولی بات نہ تھی ۔ رسول اللہ صلعم نے سب سے پہلے اس بت کو اس لئے منتخب فرمایا کہ آپ جانتے تھے کہ اگر اسے منہدم کر دیا گیا اور اس کی پرستش کرنے والوں نے اطاعت قبول کرلی تو دوسرے بتوں کو توڑنا اور ان کی تعظیم کرنے والے قبائل کو مطیع کرنا زیادہ دشوار نہیں ہوگا ۔

رسول اللہ صلعم اس نفسیاتی حقیقت سے واقف تھے کہ کعبہ کی فتح سے کفار کو سخت صدمہ پہنچا ہے اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے سخت کینہ اور بغض بھر گیا ہے ۔ لیکن وہ بے بس ہونے کی وجہ سے کچھ کر نہیں سکتے ۔ اگر اس وقت اس بڑے بت کو توڑا نہ گیا اور کفار کو کچھ مہلت مل گئی تو بعد میں اس کا انہدام سخت مشکل ہوجائے گا اور اس وقت دشمن جان لڑا دے گا مگر اس بت پر آنچ نہیں آنے دے گا ۔ چنانچہ ابھی فتح مکہ کو پانچ روز بھی نہیں گزرے تھے کہ آپ نے اس کے انہدام کا ارادہ کرلیا ۔

اس مہم کو سر کرنے کے لئے اسے سپہ سالار کا بھیجا جانا

* مغازی الواقدی صفحہ ۷ ۔ طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۹۹ ۔ الطبری جلد ۴ صفحہ ۱۲۳ ۔

ضروری تھا جو ہر ممکن خطرے کی پروا کئے بغیر اپنے فرض منصبی کو سر انجام دے سکے - یہ خوبی حضرت خالد میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی - چنانچہ رسول اللہ صلعم کی نظر انتخاب آپ پر ھی پڑی - حضرت خالد کا انتخاب ظاہر کرتا ہے کہ رسول اللہ صلعم کو آپ پر پورا بھروسہ تھا ، جنگی نقطۂ نگاہ سے ھی نہیں بلکہ دینی نقطۂ نظر سے بھی -

خالد ، بنو جذیمہ* میں

رسول اللہ فتح مکہ کے بعد خاموش ہو کر نہیں بیٹھ رہے بلکہ آپ نے عرب قبائل کو ہدایت کا راستہ دکھانے اور انہیں ظلمت سے نکال کر نور کی طرف راہنمائی کرنے کی عظیم الشان مہم نئے سرے سے شروع کردی - اب اس مہم میں زیادہ دشواری بھی نہیں رہی تھی کیونکہ قریش ، جنہیں عرب کی سرداری کا دعویٰ تھا اور جو اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے ، اب محمد رسول اللہ کی اطاعت قبول کر چکے تھے - اس سے قبل تمام عرب قبائل کی آنکھیں قریش کی طرف ھی لگی ہوئی تھیں اور وہ بے تابانہ منتظر تھے کہ آیا وہ نئے دین کے مقابلے میں جمے رہتے ھیں یا بالآخر اس کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو جاتے ھیں ؟ جب قریش نے بھی اسلام کے آگے ہتھیار ڈال دئے تو دیگر قبائل عرب کا اسلام لانا کوئی دشوار امر نہ رہا -

* بنو جذیمہ قبیلہ کنانہ کی ایک شاخ تھے اور زیریں مکہ سے ایک رات کی مسافت پر یلملم کے قریب آباد تھے (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۰۶) - یہ لوگ جذیمہ بن عامر بن عبد مناۃ بن کنانہ کی طرف منسوب ھیں (سیرۃ ابن ہشام جلد ۳ صفحہ ۲۸۴) -

رسول اللہ نے فتح مکہ کے اس نتیجے سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اسلام کی تبلیغ کے لئے ان قبائل عرب میں جو مکہ کے قریب آباد تھے، مختلف اشخاص کو بھیجنا شروع کیا۔

انہی لوگوں میں حضرت خالد بن ولید بھی تھے۔ عزیٰ کے انہدام کے بعد* رسول اللہ نے، جبکہ آپ مکہ میں ہی قیام فرما تھے، حضرت خالد کو ساڑھے تین سو مہاجرین و انصار اور بنو سلیم وغیرہ کے ساتھ† دعوت اسلام کی غرض سے بنو جذیمہ کی جانب روانہ فرمایا لیکن انہیں قتل و قتال کا حکم نہیں دیا۔

حضرت خالد، رسول اللہ کے حکم کے مطابق شوال ۸ ھ میں اپنے ساتھیوں کو لے کر مکہ سے روانہ ہوئے۔ بنو جذیمہ کے چشمہ غمیصاء‡ پر پہنچ کر آپ نے اس قبیلے کو طلب کیا اور انہیں حکم دیا کہ "ہتھیار رکھ دو کیونکہ قریش مکہ نے اسلام

* تمام اہل مغازی اور مؤرخین کا اتفاق ہے کہ حضرت خالد کو بنو جذیمہ کی طرف فتح مکہ کے بعد اور غزوۂ حنین سے قبل شوال ۸ ھ میں بھیجا گیا تھا (فتح الباری، شرح بخاری جلد ۸ صفحہ ۴۲ - شرح عینی بخاری جلد ۱۷ صفحہ ۳۱۳)۔

† واقدی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ حضرت خالد کے ساتھ بنو سلیم کے سات سو سوار تھے، انصار میں سے سوائے حضرت ابو قتادہ بن انس کے اور کوئی نہ تھا۔ یہ ابو قتادہ وہی ہیں جو مالک بن نویرہ کے قتل کے بعد حضرت خالد کی فوج سے علیحدہ ہو کر مدینہ آ گئے اور حضرت ابو بکر صدیق سے آپ کی شکایت کی۔

‡ غمیصاء بنو جذیمہ کا ایک چشمہ تھا (الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۲۳)۔

قبول کر لیا ہے" انہوں نے ہتھیار رکھ دئے۔ اس کے بعد حضرت خالد نے ان کی مشکیں کسنے کا حکم دیا اور ان میں سے بعض کو قتل کرا دیا۔

جب رسول اللہ کو اس واقع کی خبر ملی تو آپ نے آسمان کی جانب اپنے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا "اے اللہ! میں خالد بن ولید کے فعل سے بری الذمہ ہوں"۔ اس کے بعد آپ نے حضرت علی کو بلایا اور فرمایا کہ تم جا کر اس قبیلے کے مقدمے کا فیصلہ کرو۔ حضرت علی رسول اللہ کے پاس سے بہت سا مال لے کر بنو جذیمہ کے پاس آئے اور جس قدر لوگ حضرت خالد کے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے ان کا خون بہا ادا کیا حتیٰ کہ کتوں کا معاوضہ بھی دیا اور جو مال حضرت خالد نے چھینا تھا وہ سب بنو جذیمہ کو واپس کیا اور کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اپنے پاس نہ رکھی۔ خون بہا کی تمام رقم ادا کر چکنے کے بعد بھی حضرت علی کے پاس کچھ مال باقی رہ گیا۔ آپ نے ان لوگوں سے کہا کہ اگر تمہارا کوئی اور خون بہا یا مال باقی ہو تو اس کے بدلے میں یہ مال لے لو۔ لوگوں نے کہا اب ہمارا کچھ باقی نہیں ہے۔ حضرت علی نے فرمایا تاہم یہ مال بھی میں تمہیں ہی دئے دیتا ہوں، شاید تمہارا کوئی خون بہا یا مال رہ گیا ہو جس کی نہ تم کو خبر ہو نہ ہم کو۔ پس یہ مال تم اس کے معاوضے میں سمجھو۔ یہاں سے فارغ ہو کر حضرت علی رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام ماجرا عرض کیا۔ رسول اللہ نے فرمایا "تم نے جو کچھ کیا بہت اچھا کیا"۔

چونکہ اس واقعہ سے حضرت خالد کا خاص تعلق ہے اور بظاہر اس سے آپ کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم تمام واقعات کا جائزہ لیں اور معلوم کریں

کہ کیا حضرت خالد واقعی قصور وار تھے ؟ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں :

(۱) حضرت خالد نے بنو جذیمہ کے جن لوگوں کو قتل کیا کیا وہ کافر تھے یا وہ آپ کے پہنچنے سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے ؟

(۲) کیا حضرت خالد انہیں قتل کرنے میں غلطی پر تھے ؟

(۳) اگر غلطی پر تھے تو کیا آپ کا یہ فعل پرانے کینوں اور جاہلیت کے جھگڑوں کا انتقام لینے کی غرض سے تھا یا یہ محض ایک اتفاقی غلطی تھی ؟

(۴) کیا حضرت خالد کے پاس ان کے قتل کرنے کے لئے کوئی جواز تھا اور اگر جواز تھا تو کیا تھا ؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر بنو جذیمہ کافر ہوتے تو ان کے قتل پر وہ شور برپا نہ ہوتا جو اس وقت ہوا ۔ اس صورت میں اس تکرار کے بھی کوئی معنی نہیں تھے جو حضرت خالد بن ولید اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کے درمیان ہوئی اور جس میں حضرت عبدالرحمان بن عوف نے حضرت خالد پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے بنو جذیمہ کو اپنے چچا فاکہ بن مغیرہ کا انتقام لینے کی خاطر قتل کیا ہے * ۔ قتل و قتال کے اس سلسلے

* اس واقعہ کی تفصیل سیرۃ ابن ہشام اور طبری میں اس طرح لکھی ھے کہ بنو جذیمہ کے قتل کے متعلق حضرت خالد بن ولید اور حضرت عبدالرحمان بن عوف میں بڑی بحث ہوئی ۔ حضرت عبدالرحمان نے حضرت خالد سے کہا ”تم نے یہ جاہلیت کی کاروائی کی ھے“۔ حضرت خالد نے کہا ”میں نے ان سے تمہارے والد کا (باقی صفحہ ۱۰۹ پر)

کے بعد رسول اللہ نے حضرت علی کو مقتولین کا خون بہا ادا کرنے کے لئیے روانہ فرمایا اور انہوں نے جا کر نہ صرف ہر مقتول کا خون بہا ادا کیا بلکہ انہیں زائد مال بھی بطور تالیف قلوب مرحمت فرمایا۔ اگر بنو جذیمہ در حقیقت کافر ہوتے تو ان کا خون بہا ادا کرنے کے کوئی معنی نہیں تھے۔

اکثر قابل اعتماد مؤرخین بصراحت بیان کرتے ہیں کہ بنو جذیمہ اسلام لے آئے تھے۔ ان مؤرخین میں سے ہم واقدی، یعقوبی اور ابن سعد کی روایتیں پیش کرتے ہیں کیونکہ یہ سب سے زیادہ قدیم مؤرخین ہیں۔ واقدی اپنی کتاب 'المغازی' میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں*:

"اس کے بعد حضرت خالد 'ابرق' کے مقام پر بنو کنانہ کی ایک شاخ بنو جذیمہ کے پاس گئے۔ جس وقت آپ ان کے پاس پہنچے تو وہ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے............حضرت خالد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۸)

قصاص لیا ہے"۔ حضرت عبدالرحمان بن عوف نے کہا "یہ بات نہیں ہے۔ میں تو اپنے باپ کے قاتل کو قتل کر چکا ہوں۔ تم نے تو اپنے چچا فاکہ بن مغیرہ کا قصاص لیا ہے"۔ دونوں کی یہ تکرار یہاں تک بڑھی کہ اس کی خبر رسول اللہ تک پہنچی۔ رسول اللہ نے فرمایا "اے خالد! تم میرے صحابہ کے ساتھ نہ الجھو۔ اگر تم احد پہاڑ کے برابر سونا بھی راہ خدا میں خرچ کرو گے تب بھی تم ان میں سے کسی کے ایک دن یا ایک رات کے عمل کے برابر ثواب نہ پاؤ گے۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۸۷۔ الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۲۳)۔

* کتاب المغازی للواقدی صفحہ ۳۱۳۔

نے ان کا محاصرہ کر لیا اور ان سے پوچھا ''تم کس دین کے پیرو ہو'' ؟ انہوں نے کہا ''ہم مسلمان ہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ، وہ وحدہ لاشریک ہے اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں''۔ حضرت خالد نے پوچھا ''اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ تم کب اسلام لائے ؟'' انہوں نے جواب دیا '' اس رات جس رات ہم نے یہ سنا کہ رسول اللہ نے ان لوگوں کی جان بخشی کر دی ہے جنہوں نے اپنے ہتھیار رکھ دئے اور کلمۂ شہادت پڑھ دیا ۔ چنانچہ ہم بھی اسلام لے آئے اور نماز ادا کرنے لگے ''۔

ابن سعد ، طبقات* میں لکھتے ہیں :

جب حضرت خالد ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا '' ہم مسلمان ہیں ۔ نماز پڑھتے ہیں ۔ رسول اللہ کی رسالت کی تصدیق کرتے ہیں ۔ ہم نے اپنے گھروں کے صحنوں میں مسجدیں بنا رکھی ہیں اور ہم ان میں اذانیں بھی دیتے ہیں ''۔

یعقوبی لکھتے ہیں :

حضرت خالد نے ان سے کہا '' ہتھیار رکھ دو '' انہوں نے جواب دیا '' ہم اللہ اور اس کے رسول کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھاتے ، ہم مسلمان ہیں ۔ رسول اللہ نے آپ کو جس کام کے لئے بھیجا ہے، اسے سرانجام دیں ۔ اگر انہوں نے آپ کو زکواۃ اکٹھی کرنے کے لئے بھیجا ہے تو ہمارے اونٹ اور بکریاں حاضر ہیں ، آپ انہیں رسول اللہ کی خدمت میں لے جائیں† ''۔

---

* طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ ۔

† الیعقوبی جلد ۲ صفحہ ۶۳ ۔

ان روایات سے بصراحت ثابت ہوتا ہے کہ بنو جذیمہ مسلمان ہو چکے تھے۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ کیا حضرت خالد انہیں قتل کرنے میں غلطی پر تھے؟ ابن سعد لکھتے ہیں* کہ مہاجرین اور انصار نے اپنے قیدی چھوڑ دئے تھے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے ان قیدیوں کے قتل کو جائز نہیں سمجھا۔ اگر ان قیدیوں کا قتل کرنا جائز ہوتا تو وہ حضرت خالد کے حکم کی اطاعت ضرور کرتے اور اس طرح اپنے امیر کی مخالفت مول نہ لیتے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ مہاجرین اور انصار میں حضرت ابن عمر اور حضرت عبدالرحمان بن عوف جیسے کئی جلیل القدر صحابہ بھی موجود تھے۔

ان سب باتوں سے قطع نظر رسول اللہ نے یہ فرما کر کہ "اے اللہ! میں خالد بن ولید کے فعل سے بری الذمہ ہوں" یہ فیصلہ فرما دیا کہ حضرت خالد غلطی پر تھے۔ رسول اللہ کے فیصلے کے بعد کسی چون و چرا کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ آپ کا یہ فقرہ صاف بتاتا ہے کہ آپ کو حضرت خالد کا یہ فعل پسند نہیں آیا ورنہ آپ اس سے بریت کا اظہار نہ فرماتے۔ دوسرے الفاظ میں رسول اللہ حضرت خالد کو غلطی پر سمجھتے تھے۔ چنانچہ مؤلف الاستیعاب نے کھلے الفاظ میں اس کی تصریح بھی کر دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"............ حضرت خالد نے بعض لوگوں کو قتل کیا

* ابن سعد کی عبارت یہ ہے "بنو سلیم نے اپنے پکڑے ہوئے قیدیوں کو قتل کر دیا لیکن مہاجرین اور انصار نے اپنے قیدیوں کو چھوڑ دیا (طبقات، جلد ۲ صفحہ ۱۰۷)۔

حالانکہ ان کا قتل کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہ تھا ۔ اس کے بعد رسول اللہ نے ان کا خون بہا ادا فرمایا * “ ۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت خالد نے بنو جذیمہ کو پرانے کینوں اور جاہلیت کے جھگڑوں کا انتقام لینے کی غرض سے قتل نہیں کیا تھا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو رسول اللہ حضرت خالد سے ضرور قصاص لیتے اور انہیں قرار واقعی سزا دیتے ۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ ان کے فعل سے اپنی بریت کے اظہار پر ہی اکتفا کی ۔ صرف یہی نہیں کہ آپ نے حضرت خالد سے قصاص نہیں لیا بلکہ انہیں بدستور امیر رہنے دیا اور جنگ حنین اور بعد کی جنگوں میں مقدمۃ الجیش کا سردار بھی مقرر فرمایا ۔ رسول اللہ کے حضرت علی کو خون بہا ادا کرنے کے لئے بھیجنے اور حضرت خالد سے باز پرس نہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت خالد کے فعل کو اتفاقی غلطی خیال کرتے تھے اور ایسا جرم نہیں سمجھتے تھے جو حضرت خالد نے جان بوجھ کر کیا ہو ۔

بعض لوگ جو خالد کو قصور وار سمجھتے ہیں وہ اپنے دعوے کی دلیل میں یہ امر پیش کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ نے حضرت علی کو بنو جذیمہ کی جانب روانہ فرمایا تو ان سے کہا کہ ” جاہلیت کی باتوں کو اپنے قدموں تلے مسل دینا † “ ۔

* الاستیعاب جلد اول صفحہ ۱۵۷ ۔

† سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۸۳ ۔ الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۲۳ ۔ یہ امر قابل غور ہے کہ ان دونوں مؤرخین نے اس قول کو صرف ایک راوی ابن اسحاق سے نقل کیا ہے ۔ اصول حدیث کی رو سے خبر واحد زیادہ اعتبار کے لائق نہیں ہوتی ۔

یہ روایت پیش کر کے وہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جاہلیت کے زمانے سے حضرت خالد اور بنو جذیمہ کے درمیان بعض جھگڑے چلے آتے تھے اور حضرت خالد نے انہی کا انتقام لیا تھا۔

اصول درایت کے لحاظ سے یہ روایت غلط ٹھہرتی ہے کیونکہ پیش آمدہ واقعات جن کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں اس کی تائید نہیں کرتے۔ مزید براں حضرت امام بخاری اور دیگر محدثین، جنہوں نے رسول اللہ کی احادیث جمع کرنے میں احتیاط اور صحت کا کوئی پہلو بھی نہیں چھوڑا، رسول اللہ کی جانب ایسا کوئی قول منسوب نہیں کرتے، نہ ہی قابل اعتماد مؤرخین نے اس قول کا ذکر کیا ہے۔ ان امور کی موجودگی میں اس قول کی صحت پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔

بنو جذیمہ کے قتل کا اصل سبب

مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں جو نتائج نکلتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو جذیمہ مسلمان تھے اور حضرت خالد انہیں قتل کرنے میں غلطی پر تھے۔ لیکن ان سے یہ غلطی پرانے کینوں اور جھگڑوں کا انتقام لینے کی غرض سے سرزد نہیں ہوئی تھی بلکہ کسی نہ کسی غلط فہمی کی وجہ سے ہوئی تھی۔

اب صرف چوتھے سوال کا جواب باقی رہ جاتا ہے کہ حضرت خالد کے پاس ان کے قتل کے لئے کونسی وجہ جواز تھی اور انہیں کیا غلط فہمی لاحق ہوئی؟

بعض مؤرخین نے جن میں ابن ہشام اور طبری شامل ہیں

ابن اسحاق نے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت خالد نے فرمایا کہ میں نے اپنی مرضی سے بنو جذیمہ سے جنگ نہیں کی سکہ عبداللہ بن حذافۃ السہمی کے زور دینے اور ان کے یہ کہنے پر کی کہ رسول اللہ صلعم نے تمہیں حکم دیا تھا کہ تم ان سے جنگ کرو کیوں کہ یہ ابھی تک اسلام نہیں لائے۔ لیکن یہ روایت بھی نا قابل اعتماد ہے کیوں کہ اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو حضرت خالد پر طعن و تشنیع کی کوئی وجہ نہ تھی بلکہ اس صورت میں سارا الزام عبداللہ بن حذافہ پر عائد ہوتا اور وہ رسول اللہ صلعم کی جانب غلط بات منسوب کرنے اور مسلمانوں کو قتل کرانے کی وجہ سے کسی صورت میں بھی رسول اللہ کی ناراضی سے نہ بچ سکتے۔ ہم حضرت ابن حذافہ یا کسی اور صحابی کے متعلق یہ گمان بھی نہیں کرسکتے کہ وہ رسول اللہ صلعم کی جانب غلط بات منسوب کرسکتے ہیں۔ پھر یہ بات بھی محل نظر ہے کہ مندرجہ بالا روایت کی رو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنو جذیمہ اس وقت تک کافر تھے اور اسلام سے برگشتہ۔ حالاں کہ ہم دلائل عقیلہ و نقلیہ کی رو سے ان کا مسلمان ہونا ثابت کرچکے ہیں۔

اس ضمن میں سب سے زیادہ صریح اور قابل اعتماد روایت وہ ہے جو حضرت امام بخاری نے حضرت ابن عمر کی زبان سے بیان کی ہے۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے خالد بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے بجائے اسلمنا (ہم اسلام لائے) کہنے کے صبانا، صبانا (ہم صابی ہوگئے، ہم صابی ہوگئے) کہنا شروع کردیا*۔ یہ سن کر خالد نے

---

* یہی روایت ابن ہشام نے بھی ابو عمرو المدنی سے نقل کی ہے (ابن ہشام جلد ۳ صفحہ ۲۸۴)۔

انہیں قتل کرنا اور گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ جو لوگ قید کئے گئے انہیں مسلمانوں میں بانٹ دیا گیا۔ اگلے روز خالد نے حکم دیا کہ ہر شخص اپنے اپنے قیدی کو قتل کر ڈالے۔ میں نے کہا "خدا کی قسم! میں تو اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا۔ اور نہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی اپنے قیدی کو قتل کرے گا" یہ جھگڑا بڑھا۔ جب ہم رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعات حضور سے عرض کئے تو آپ نے نے ہاتھ اٹھائے اور دو مرتبہ فرمایا "اے اللہ! میں خالد کے فعل سے بری الذمہ ہوں*"۔

شارحین حدیث نے اس واقعہ کی جو تشریح کی ہے اس سے حضرت خالد کے عذر کی وضاحت ہوجاتی ہے۔ علامہ بدر عینی† شرح بخاری فرماتے ہیں "صبأنا" صبأ سے ہے جس کے لفظی معنی ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہوجانے کے ہیں۔ قریش ہر اس شخص کو جو مسلمان ہو جاتا تھا، صابی کہا کرتے تھے۔ جب بنو جذیمہ نے صبأنا کہا تو حضرت ابن عمر نے سمجھ لیا کہ اس طرح وہ اپنے مسلمان ہو جانے کا اظہار کر رہے ہیں۔ لیکن حضرت خالد نے ان الفاظ کو کافی نہ جانا۔ وہ ان کے منہ سے اسلام کا لفظ صراحتاً سننا چاہتے تھے"۔

خطابی کہتے ہیں "اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت خالد کو اس بات پر غصہ آیا ہو کہ بنو جذیمہ نے اسلام کا لفظ چھوڑ کر صبأ کا لفظ اختیار کیا۔ ممکن ہے ان کو یہ خیال ہو کہ یہ لوگ یہ لفظ اسلام سے نفرت کی وجہ سے کہہ رہے ہیں اور

---

* عینی، شرح بخاری جلد ۱۷، صفحہ ۳۱۳۔

† فتح الباری (جلد ۸، صفحہ ۴۴) میں بھی یہی مرقوم ہے۔

در حقیقت اسلام قبول کرنے سے انکار کر رہے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے انہیں تلوار کے گھاٹ اتار دیا ۔ رسول اللہ ، حضرت خالد پر اس لئے ناراض ہوئے کہ انہوں نے جلدی کیوں کی اور معاملہ فہمی سے کام کیوں نہ لیا "۔

امام ابن تیمیہ اپنی کتاب منہاج السنۃ * میں حضرت خالد کے اس فعل کا وہی سبب بیان کرتے ہیں جو علامہ عینی اور ابن حجر وغیرہ نے بیان کیا ہے ۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں "بنو جذیمہ نے اسلمنا کا لفظ چھوڑ کر "صبأنا صبأنا" کہنا شروع کر دیا ۔ حضرت خالد نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ اسلام قبول کرنا نہیں چاہتے ۔ چنانچہ انہوں نے انہیں قتل کر دیا .... حضرت خالد نے جان بوجھ کر رسول اللہ صلعم کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کی ۔ وہ دل و جان سے آپ کے مطیع تھے ۔ لیکن چونکہ آپ کو تفقہ فی الدین میں کمال حاصل نہیں تھا اس لئے آپ کی نظروں سے رسول اللہ کا حکم مخفی رہا اور آپ اسے پورے طور پر سمجھ نہ سکے ۔ حضرت خالد نے رسول اللہ کے احکام کی مخالفت نہیں کی اور نہ ان لوگوں کو قتل کیا جو ان کے نزدیک مسلمان تھے ۔ آپ سے اتفاقیہ ایک غلطی سر زد ہو گئی ۔ اسی قسم کی غلطی اسامہ بن زید سے اس آدمی کے قتل کرنے میں ہو گئی تھی جس نے کلمہ لا الہ الا اللہ تک اپنی زبان سے ادا کر دیا تھا † "۔

علامہ عینی ، امام ابن تیمیہ اور دیگر مقتدر شارحین حدیث نے اس حادثے کے بارے میں جو رائے ظاہر کی ہے اور حضرت

---

* منہاج السنۃ جلد ۲ صفحہ ۲۲۹ ۔

† اس واقعہ کے تفصیلی ذکر کے لئے دیکھیں طبری جلد ۳ صفحہ ۹۹ ۔

خالد کے جس عذر پر روشنی ڈالی ہے اس سے واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت خالد نے جو کچھ کیا وہ اپنی غلط فہمی کی وجہ سے کیا اور بنو جذیمہ کو قتل کر کے اپنے کسی پرانے جھگڑے کا انتقام ہرگز نہیں لیا۔

خواہ حضرت خالد کو اس بات پر غصہ آیا ہو کہ بنو جذیمہ نے صبانا کہہ کر اسلام کے لفظ سے انحراف کیا یا ان کا غصہ اس خیال سے ہو کہ انہوں نے اسلام سے نفرت کی وجہ سے صبانا کہا ہے، دونوں حالتوں میں حضرت خالد کے لئے جائز عذر موجود ہے کیونکہ حضرت خالد جیسے شخص سے، جن کی تمام عمر فوجی آداب و قواعد کی بجا آوری میں گذر گئی تھی، نرم مزاجی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ ان کی رگ و پے میں سختی اور خشونت سرایت کرچکی تھی۔ ان کے خیال میں اسلام قبول کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ اعلان تھا اور وہ یہ کہ انسان اسلام کا اقرار کرتے ہوئے زبان سے صاف صاف اسلام کا لفظ ادا کرے۔ چونکہ بنو جذیمہ نے ایسا نہیں کیا اور انہوں نے حضرت خالد کے پہنچنے پر ہتھیار بھی اٹھائے تھے اس لئے آپ کے دل میں یہی خیال پیدا ہوا کہ انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اسی خیال کے ماتحت آپ نے ان کے قتل کا حکم دیا۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت خالد نے جان بوجھ کر رسول اللہ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ جو کچھ کیا وہ فہم و ادراک کی غلطی کی وجہ سے کیا۔ ہمارے اس دعوی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس واقعہ کے بعد بھی حضرت خالد رض کو رسول اللہ کا اعتماد حاصل رہا اور آپ برابر رسول اللہ کی خوشنودی سے بہرہ ور ہوتے رہے۔ اس واقعہ کے

بعد جب ہوازن کا معرکہ پیش آیا تو آپ اسلامی فوج کے مقدمۃ الجیش کے سالار مقرر ہوئے۔

غزوۂ ہوازن*

رسول اللہ صلعم مکہ سے ۶ - شوال ۸ھ کو ہفتہ کے روز قبیلہ ہوازن کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ دس ہزار کے اس لشکر کے علاوہ جو مدینہ سے آپ کے ہمراہ آیا تھا دو ہزار کے قریب اہل مکہ بھی تھے، جو غنیمت کے لالچ یا قومی عصبیت کی وجہ سے آپ کے ہمراہ نکل کھڑے ہوئے تھے۔ حضرت خالد بن ولید، بنو سلیم کے سو سواروں کے ہمراہ مقدمۃ الجیش پر متعین تھے† - (رسول اللہ نے مکہ سے نکلتے ہوئے بنو سلیم کو آگے روانہ کر دیا تھا اور ان کی کمان حضرت خالد کے سپرد کر دی تھی۔ آپ جعرانہ‡ تک مقدمۃ الجیش پر ہی متعین رہے) ۱۰- شوال کو منگل کے روز شام کے وقت رسول اللہ حنین کے مقام پر پہنچ گئے۔

فتح و کامرانی اور قوت و طاقت کے نشہ میں چور جب اسلامی

---

* ہوازن ایک بہت بڑا قبیلہ تھا جس کی کئی شاخیں تھیں۔ یہ قبیلہ، ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس عیلان بن الیاس بن مضر کی جانب منسوب تھا۔ (عینی، شرح بخاری جلد ۱۷ صفحہ ۲۹۶)۔

† السیرۃالحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۱۹۳ و ۱۹۵ -

‡ جعرانہ، طائف اور مکہ کے درمیان لیکن مکہ سے نسبتاً قریب ایک چشمہ ہے (معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۱۰۹)۔

لشکر وادیٔ حنین میں اترا* تو ھوازن نے تیروں اور تلواروں سے ان کا استقبال کیا اور اپنی کمین گاھوں سے مسلمانوں پر اس شدت سے حملہ کیا کہ ان کے اوسان بجا نہ رہے اور انہیں پیچھے ہٹتے ہی بن پڑی ۔ ان کی اس وقت کی حالت کا نقشہ قرآن مجید میں یوں کھینچا گیا ھے :

ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین (اے مسلمانو! یاد کرو حنین کے دن کو جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے لیکن کوئی چیز بھی تو تمہارے کام نہ آسکی ۔ زمین اپنی فراخی کے باوجود تم پر تنگ ھوگئی اور تم پیٹھ دکھا کر بھاگ نکلے) ۔

سب سے پہلے بنو سلیم کے گھوڑوں کے قدم اکھڑے† اور انہوں نے سرپٹ واپس بھاگنا شروع کیا ۔ اھل مکہ بھی انھی کے ساتھ پلٹے ۔ اس غیر متوقع صورت حال کے باعث دیگر مسلمانوں کے اونٹ بھی ان کے قابو میں نہ رہے اور ایسے بدکے کہ کسی کے روکے نہ رک سکے اور تھوڑی دیر میں میدان صاف ھوگیا ۔ رسول اللہ کے ساتھ چند مہاجرین و انصار اور آپ کے اھل بیت کے سوا اور کوئی نہ رھا ۔ لیکن یہ حالت زیادہ عرصے تک قائم نہ رھی ۔ اللہ نے رسول کریم صلعم اور مومنوں کو طمانیت و سکون بخشا (فانزل اللہ سکینتہ علی رسولہ و علی المومنین) مسلمان جلد ھی پلٹے اور اس زور شور سے حملہ کیا کہ ھوازن کو شکست فاش

* وادیٔ حنین، مکہ اور طائف کے درمیان واقع ھے ۔ اس کے اور مکہ کے درمیان تین رات کی مسافت ھے (عینی، شرح بخاری جلد ۱۷ صفحہ ۲۹۸) ۔

† طبقات ابن سعد، جلد ۲ صفحہ ۱۰۹ ۔

اٹھانی پڑی۔

اس واقعہ کے مختصر سے تذکرے کے بعد اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا حضرت خالد بھی پیٹھ پھیر کر بھاگنے والوں کے ساتھ تھے یا آپ ان چند لوگوں میں سے تھے جو رسول اللہ کے ساتھ بدستور میدان جنگ میں رہے؟ اگر آپ بھاگنے والوں میں تھے تو کیا جلد واپس لوٹ آئے تھے اور دشمنوں کو مغلوب کرنے میں حصہ لیا تھا یا اس وقت واپس لوٹے تھے جب ہوازن کے قیدی مسلمانوں کی تلواروں کے نیچے تھے؟

تاریخ کی کسی کتاب سے ہمیں یہ ثبوت نہیں ملتا کہ حضرت خالد بھی ان لوگوں میں سے تھے جو رسول اللہ کے ساتھ میدان جنگ میں موجود رہے۔ آپ کو بنو سلیم کے سواروں کا امیر مقرر کیا گیا تھا۔ سب سے پہلے بنو سلیم ہی نے منہ موڑا تھا اور انہی کے گھوڑے سرپٹ واپس بھاگے تھے۔ ایسے موقعوں پر پیچھے ہٹنے ہی بن پڑتی ہے۔ لیکن جواں مرد اور بہادر، وقتی ہزیمت سے حوصلہ نہیں ہار دیتے بلکہ جونہی انہیں موقعہ ملتا ہے وہ دوبارہ آگے بڑھتے ہیں اور ہمت سے کام لے کر اپنی شکست کو فتح میں بدل لیتے ہیں۔ حضرت خالد کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ وہ بھی ان جلیل القدر صحابہ میں شامل تھے کہ جب انہوں نے حضرت عباس کی آواز سنی* اور وہ باگیں نہ موڑ

---

* اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ نے دیکھا کہ لوگ کسی طرح بھی نہیں رکتے تو آپ نے حضرت عباس سے فرمایا کہ وہ لوگوں کو بلائیں۔ حضرت عباس نے، جو بہت بلند آواز تھے، پکارنا شروع کیا ''اے انصار! خدا کا رسول تمہیں

(باقی صفحہ ۱۲۱ پر)

سکے تو تلواروں سے انہوں نے اونٹوں کی گردنیں کاٹ ڈالیں اور لبیک یا رسول اللہ کہتے ہوئے پیدل ہی رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

حضرت خالد رسول اللہ کی خدمت میں نہ صرف جلد حاضر ہو گئے بلکہ بھاگنے کی تلافی بھی کی اور اس جواں مردی سے تلوار چلائی کہ دشمنوں کی صفوں کی صفیں کاٹ کر رکھ دیں۔ ان کی تلوار سے عورتیں بھی نہ بچیں، حالانکہ رسول اللہ نے عورتوں کے قتل سے منع فرمایا تھا۔ یہ دیکھ کر حضور نے انہیں کہلا بھیجا کہ وہ عورتوں اور بچوں کے قتل سے باز رہیں۔ اس جنگ میں انہیں کئی زخم بھی آئے۔ رسول اللہ کو حضرت خالد سے جو تعلق تھا وہ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور خود آپ کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور آپ کے ساتھیوں کو آپ کی تیمار داری کے لئے مختلف ہدایات دیں*۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۰)

بلاتا ہے۔ اے مہاجرین! خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے۔ جب مسلمانوں کے کانوں میں یہ آواز پڑی تو انہوں نے واپسی کے لئے اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کی باگیں اور نکیلیں کھینچیں لیکن چونکہ جانور گھبراہٹ میں بھاگے جا رہے تھے اس لئے وہ روکے نہ رکے۔ آخر صحابہ نے اپنی تلواروں سے گھوڑوں اور اونٹوں کی گردنیں کاٹ دیں اور پیدل رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے (الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۲۸)۔

* السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۱۶۱ ۔

غزوۂ طائف*

ہوازن کی شکست خوردہ فوج طائف جاکر پناہ گزین ہوئی اور جنگ کی تیاریاں کرنے لگی ۔ رسول اللہ نے وہاں پہنچ کر ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا ۔ حضرت خالد زخمی ہونے کے باوجود جنگ میں شامل تھے اور بدستور بنو سلیم کے انہی سو سواروں کے افسر تھے جو مکہ سے مقدمۃ الجیش کے طور پر لشکر کے ساتھ تھے ۔ اسلامی لشکر کی تعداد بارہ ہزار تھی ۔ اس نے طائف پہنچ کر قلعے کا محاصرہ کر لیا ۔ محاصرے کے دوران میں حضرت خالد کفار کو بار بار 'ھل من مبارز' کا نعرہ لگا کر مقابلے کا چیلنج دیتے تھے ، لیکن کوئی شخص بھی جواب نہ دیتا تھا ۔ بار بار کے چیلنج کے بعد قبیلہ ثقیف کے سردار عبدیالیل نے جواب دیا " ہم میں سے کوئی شخص تمہارے مقابلے کے لئے نہیں اترے گا ۔ ہم بدستور قلعے میں مقیم رہیں گے کیوں کہ ہمارے پاس اتنا سامان خورد و نوش موجود ہے جو ہمیں دو سال

---

* طائف ، مکہ سے چھتیس میل کے فاصلے پر واقع ہے ۔ یہ جگہ نہایت سر سبز و شاداب ہے ۔ انگوروں اور کھجوروں کے باغات یہاں بکثرت ہیں ۔ خوب صورت وادیوں ، جاری چشموں اور عمدہ آب و ہوا کے لئے یہ تمام عرب میں مشہور ہے ۔ مکہ کے سردار اور صاحب توفیق لوگ گرمیاں گزارنے کے لئے یہیں جایا کرتے تھے (یاقوت جلد اول صفحہ ۱۱) ۔ علامہ عینی اپنی شرح بخاری میں لکھتے ہیں "طائف ایک بڑا شہر ہے اور انگوروں اور کھجوروں کے باغات کے لئے مشہور ہے ۔ یہ مکہ کے مشرق میں دو یا تین منزلوں پر واقع ہے"۔

تک کے لئے کافی ہے*"۔

بعض لوگوں کے صلاح دینے پر کہ اب طائف والوں سے کوئی خطرہ نہیں ہے رسول اللہ نے محاصرہ اٹھا لیا اور جعرانہ تشریف لے آئے جہاں ہوازن کے قیدی اور ان کا مال غنیمت جمع تھا۔ غنیمت کی تقسیم کے دوران میں ایک منافق† نے کہہ دیا کہ "یہ تقسیم خدائی تقسیم نہیں ہے"۔ یہ فقرہ سن کر حضرت عمر نے رسول اللہ سے کہا "حضور! کیا ہم اسے قتل نہ کر دیں؟" حضرت خالد نے بھی آگے بڑھ کر عرض کیا کہ "حضور! اجازت دیں، میں اس کی گردن اڑا دوں"۔ رسول اللہ نے فرمایا "نہیں اسے کچھ نہ کہو۔ شاید یہ نماز پڑھتا ہو"۔

بظاہر ایک معمولی واقعہ پر اس منافق کی گردن مارنے کے لئے حضرت خالد کے اجازت طلب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل میں رسول اللہ کی کس قدر محبت اور کس درجہ احترام تھا۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہیں دین کا کس قدر پاس تھا اور وہ کوئی ایسی بات برداشت نہ کر سکتے تھے جس میں دین سے ذرا بھی انحراف پایا جاتا ہو۔ رسول اللہ کی توہین کرنے والے یا آپ کے عدل و انصاف میں شک کرنے والے کی سزا ان کے نزدیک کم سے کم یہ تھی کہ اس کی گردن اڑا

---

* السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۱۶۵۔

† بعض نے کہا ہے کہ اس منافق کا نام معتب تھا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ ذوالخویصرہ تمیمی تھا (السیرہ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۱)۔

دی جائے*۔

بنـــو مصطلق†

رسول اللہ نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو ۹ ھ کے اوائل میں بنو مصطلق کے پاس زکواۃ لینے کے لئے بھیجا جو دو سال قبل اسلام قبول کر چکے تھے۔ جب بنو مصطلق کو ولید کے آنے کی خبر ملی تو وہ استقبال کے لئے بستی سے باہر نکلے۔ ولید نے غلطی سے یہ جانا کہ وہ لڑنے کے لئے نکلے ہیں، کیونکہ جاھلیت کے زمانے میں ولید اور بنو مصطلق کے درمیان چشمک رہتی تھی۔ ولید، رسول اللہ کے پاس واپس پہنچے اور حضور کو بتایا کہ بنو مصطلق مرتد ہو گئے ہیں اور لڑنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔

یہ سن کر رسول اللہ نے حضرت خالد کو روانہ فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ جلد بازی سے کام نہ لیں بلکہ اچھی طرح معلوم کر لیں کہ آیا وہ نماز پڑھتے ہیں یا نہیں۔ اگر معلوم

* صحیح بخاری میں اسی سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ بھی درج ہے۔ وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضرت علی نے یمن سے کچھ مال رسول اللہ کی خدمت میں بھیجا جو حضور نے تقسیم فرما دیا۔ اس موقع پر بھی ایک شخص نے وہی اعتراض کیا جو اس موقع پر کیا گیا تھا۔ حضرت خالد یہ سنتے ہی کھڑے ہوگئے اور رسول اللہ سے اس کے قتل کی اجازت طلب کی (عینی، شرح بخاری جلد ۱۸ صفحہ ۷)۔

† بنو مصطلق، قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ تھے (السیرۃ الحلبیہ جلد ۲ صفحہ ۳۶۴)۔

ہو کہ وہ نماز پڑھتے ہیں تب ان سے تعرض کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اگر انہوں نے نماز چھوڑ دی ہو تب جو مناسب سمجھیں کریں۔ جب حضرت خالد اپنی جمعیت کے ساتھ بنو مصطلق کی بستی کے قریب پہنچے تو رات ہو چکی تھی۔ آپ نے ان کا حال معلوم کرنے کے لئے اپنے جاسوس روانہ کئے۔ انہوں نے واپس آ کر خبر دی کہ تمام قبیلہ اسلام پر قائم ہے، یہ لوگ اذانیں دیتے اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ صبح کے وقت حضرت خالد بستی میں پہنچے۔ لوگوں نے ان کی بڑی خاطر و مدارت کی اور تمام واقعہ جو ولید کے ساتھ پیش آیا تھا بتایا۔ حضرت خالد نے واپس آکر رسول اللہ کو تمام حالات سے اطلاع دی* جس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

یا ایھا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا أن تصیبوا قوما بجہالۃ فتصبحوا علیٰ ما فعلتم نادمین (اے وہ لوگو جو ایمان لے آئے ہو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح اس خبر کی تحقیق کر لیا کرو۔ کبھی ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو بے خبری میں نقصان پہنچا دو اور بعد میں اپنے کئے پر نادم ہو)۔

اس واقعہ کے بعد رسول اللہ فرمایا کرتے تھے کہ چھان بین کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلدی کرنا شیطان کی طرف سے ہے†۔

اس واقعہ سے متعلق بعض امور کی وضاحت کر دینی ضروری ہے:

* الاغانی جلد ۴ صفحہ ۱۴۱، مطبوعہ دارالکتب۔

† تفسیرالطبری جلد ۲۶ صفحہ ۷۹۔

(۱) مؤرخین اور مفسرین میں آیت ، یا ایھا لذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبا کی شان نزول کے بارے میں اختلاف ہے ۔ بعض کہتے ہیں کہ جب ولید بن عقبہ رسول اللہ کے پاس واپس آیا اور اس نے بتایا کہ بنو مصطلق مرتد ہو چکے ہیں اور لڑنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں تو رسول اللہ نے ان سے لڑنے کا ارادہ کیا اور مسلمانوں میں یہ بات پھیل گئی کہ عنقریب بنو مصطلق سے جنگ کرنے کے لئے ایک لشکر روانہ کیا جائے گا ۔ ابھی کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا گیا تھا کہ بنو مصطلق کا وفد رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بتایا کہ وہ بستی سے باہر ولید کا استقبال کرنے کے لئے نکلے تھے ، نہ کہ لڑنے کے ارادہ سے ۔ رسول اللہ نے ان کی بات پر یقین کر لیا اور یہ آیت نازل ہوئی * ۔

اس کے بر عکس بعض مؤرخین اور مفسرین کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے ولید کے واپس آنے کے بعد حضرت خالد کو بنو مصطلق سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا ۔

ہمارے نزدیک دوسرا واقعہ زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ :

(الف) مذکورہ آیت کریمہ، یا ایھا الذین آمنوا دوسرے واقعہ پر ہی منطبق ہوتی ہے جس میں حضرت خالد کو بھیجنے اور انہیں تحقیق و تفتیش سے کام لے کر پھر کوئی کار روائی کرنے کا ذکر ہے ۔ پہلے واقعہ کے متعلق جس میں رسول اللہ کا بنومصطلق سے جنگ کرنے کا ارادہ کرنے اور مسلمانوں میں اس غزوے کا چرچا ہونے ذکر ہے ، اس آیت میں کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا ۔ یہ امر یقینی ہے

* السیرۃ الحلبیہ جلد ۲ صفحہ ۳۷۱ ۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۸ صفحہ ۱۱ و ۱۲ مطبوعہ المنار ۔ تفسیر بغوی جلد ۸ صفحہ ۱۰ ۔

که یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ابن برہان الدین لکھتے ہیں ''ابن عبدالبر رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ اہل علم میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آیت کریمہ، ان جاءکم فاسق بنباء ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ نے اسے بنو مصطلق کے پاس زکوۃ لینے کے لئے بھیجا اور اس نے واپس آکر یہ اطلاع دی کہ وہ تو لڑائی کے لئے تیار بیٹھے ہیں *''۔

(ب) اکثر قابل اعتماد مؤرخین اور رواۃ ادب مثلاً مؤلف کتاب الاغانی† نے پہلے واقعہ کا ذکر تک بھی نہیں کیا بلکہ صرف دوسرے واقعہ کا ذکر کیا ہے جس میں حضرت خالد کو روانہ کرنے اور انہیں اچھی طرح تحقیق کر لینے کی ہدایت کا بیان ہے۔

(۳) حضرت خالد کو ان لوگوں کے پاس بھیجنا اور انہیں صبر و احتیاط سے کام لینے کی تلقین کرنا حکمت سے خالی نہیں تھا کیونکہ رسول اللہ ان لوگوں کی بغاوت کا حال سن کر ان کے پاس کسی ایسے شخص کو بھیجنا چاہتے تھے جو عقلمند، وسیع النظر اور معاملہ بین ہو، جو اس قوم کے حالات اچھی طرح معلوم کر سکے اور جو ان خصوصیات کے علاوہ ماہر سپہ سالار بھی ہو تا کہ وقت پڑنے پر وہ جنگ بھی کر سکے۔ رسول اللہ نے حضرت خالد کو صبر و احتیاط سے کام لینے اور تحقیق و تفتیش کرنے کا

* الاغانی جلد ۲ صفحہ ۱۴۱۔ السیرۃ الحلبیہ جلد ۲ صفحہ ۳۷۱۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۸ صفحہ ۱۱ - ۱۲ تفسیر بغوی جلد ۸ صفحہ ۱۰۔

† الاغانی جلد ۵ صفحہ ۱۴۱۔

جو حکم دیا تھا وہ اس بنا پر تھا کہ حضرت خالد کہیں جوش شجاعت میں تحمّل سے کام اپنا نہ بھول جائیں ۔ کیوں کہ ہوسکتا ہے رسول اللہ کو ڈر ہو کہ جس طرح حضرت خالد نے بنو جذیمہ کے معاملے میں جلد بازی سے کام لے کر انہیں قتل کرا دیا تھا کہیں بنو مصطلق کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک نہ کریں ۔

دومة الجنـــدل*

رسول اللہ نے رجب ۹ھ میں رومیوں کے خلاف لشکر کشی کی ۔ رومیوں کے علاقے میں پہنچ کر ابھی آپ تبوک کے مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے کہ آپ نے حضرت خالد کو چار سو بیس سواروں† کے ساتھ حاکم دومة الجندل ، أکیدر بن عبدالملک کی سر کوبی کے لئے بھیجا ۔ اکیدر عیسائی تھا اور قبیلہ کندہ سے تعلق رکھتا تھا ۔ رسول اللہ نے حضرت خالد کو روانہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ أکیدر تمہیں گائے کا شکار کرتا ہوا ملے گا ‡ ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ جب حضرت خالد قلعے کے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ وہ دکھائی دینے لگا تو یوں ہوا

* دومة الجندل دمشق اور مدینہ کے درمیان جبل طے کے قریب ایک قلعہ تھا اور دمشق سے سات منزلوں کے فاصلے پر تھا (معجم لبلدان جلد ۴ صفحہ ۱۰۷) ۔ طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ دومة الجندل ، مدینہ سے پندرہ راتوں کی مسافت پر واقع ہے (جلد ۲ صفحہ ۱۱۹) ۔

† طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۱۹ ۔ السیرہ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۲۸۶ ۔

‡ الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۴۶ ۔ السیرة الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۲۸۶ ۔

کہ اُکیدر کے قلعے کے دروازے پر ایک جنگلی گائے نے آ کر ٹکریں مارنی شروع کیں۔ اُکیدر کی بیوی نے اپنے خاوند سے کہا "کیا تم نے کبھی ایسا واقعہ دیکھا ہے کہ کسی جنگلی گائے نے ہمارے محل پر آ کر یوں ٹکریں ماری ہوں"۔ اُکیدر نے کہا "نہیں۔ لیکن میں اسے چھوڑنا کب ہوں"۔ چاندنی رات تھی۔ اُکیدر اپنے ایک بھائی، حسان اور چند اور لوگوں کے ہمراہ گائے کا شکار کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ یہ لوگ شکار کے شوق میں بے دھڑک جنگل میں چلے جا رہے تھے کہ سامنے سے حضرت خالد کا لشکر نمودار ہوا۔ لڑائی ہوئی۔ حسان مارا گیا۔ اکیدر قید ہوا اور اس کے ساتھی بھاگ گئے۔ حضرت خالد نے اُکیدر کی اس وعدے پر جان بخشی کی کہ وہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی اطاعت قبول کرے گا اور جزیہ کے طور پر دو ہزار اونٹ، آٹھ سو گھوڑے، چار سو زرہیں اور چار سو نیزے دے گا۔ اُکیدر نے یہ شرائط قبول کر لیں۔ حضرت خالد نے مال غنیمت کی تقسیم کی اور اُکیدر، اس کے بھائی مصاد (جو قلعہ میں موجود تھا) اور مذکورہ بالا چیزوں کو لے کر تبوک روانہ ہوئے جہاں رسول اللہ ابھی تک قیام پذیر تھے۔ تبوک پہنچ کر حضرت خالد نے اُکیدر کو حضور کی خدمت میں پیش کیا۔ اُکیدر نے آپ کی اطاعت قبول کی اور ہدیہ پیش کیا۔ رسول اللہ نے اُکیدر سے جزیہ قبول کر کے اس سے صلح کر لی اور اس کی اور اس کے بھائی کی جان بخشی کر دی۔ ساتھ ہی آپ نے اسے ایک تحریر بھی اپنی مہر لگا کر دی جس میں سے امان دی گئی تھی اور صلح کی شرائط لکھی گئی تھیں*۔

* طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۱۹، ۱۲۱۔ السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۲۸۶ و ۲۸۷۔

نجران

رسول اللہ نے حضرت خالد بن ولید کو ربیع الاول اور بعض روایتوں کے مطابق جمادی الثانی ۱۰ھ* میں چار سو مسلمانوں کے ساتھ بنو الحارث بن کعب کے پاس نجران بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ ان لوگوں سے جنگ کرنے سے پہلے انہیں تین بار دعوت اسلام دینا۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ان میں رہ کر انہیں کتاب اللہ، سنت نبوی اور احکام اسلام کی تعلیم دینا، ورنہ ان سے جنگ کرنا۔ چنانچہ حضرت خالد وہاں گئے اور دعوت اسلام دینے کے لئے اپنے لوگوں کو تمام قبیلے میں پھیلا دیا۔ وہ جابجا کہتے پھرتے تھے "اے لوگو! اسلام لے آؤ، تم محفوظ رہو گے"۔ چنانچہ تمام قبیلہ اسلام لے آیا۔ حضرت خالد رسول اللہ کی ہدایت کے مطابق انہیں دین کی تعلیم دینے کے لئے وہیں ٹھیر گئے† اور رسول اللہ کو ایک خط کے ذریعے قبیلے کے قبول اسلام کی اطلاع دے دی۔ رسول اللہ نے حضرت خالد کو لکھا کہ وہ بنو الحارث کا ایک وفد اپنے ہمراہ لے کر مدینہ آئیں‡۔ چنانچہ حضرت خالد ایک وفد اپنے ہمراہ لے کر مدینہ پہنچ گئے اور آپ نے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ رسول اللہ نے وفد

* ابن اثیر نے ربیع الاول لکھا ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

† سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۳۴۷۔ الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۶۔

‡ دونوں خطوط کی اصل عبارت بڑی بڑی کتب تواریخ میں موجود ہے دیکھیں، سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۳۴۷۔ الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۶۔

سے دریافت فرمایا ''جاہلیت میں جو شخص تم سے لڑتا تھا وہ کبھی بھی فتح یاب نہ ہوتا تھا ۔ فتح یاب تم ہی ہوتے تھے۔ اس کی کیا وجہ ہے ؟'' وفد نے جواب دیا ''حضور ہم اکٹھے ہو کر لڑتے تھے ۔ ہم میں کبھی تفرقہ پیدا نہ ہوتا تھا ۔ دوسری بات ہم میں یہ تھی کہ ہم کبھی ظلم کی ابتداء نہیں کرتے تھے*''۔

طبری کی ایک روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ نے حضرت خالد کو اسلام کی تبلیغ کے لئے یمن بھیجا ۔ وہ وہاں چھ ماہ تک رہے لیکن کسی شخص نے بھی ان کی باتوں پر کان نہ دھرا ۔ اس کے بعد رسول اللہ نے حضرت علی کو وہاں روانہ فرمایا ۔ ان کے پہنچنے کی دیر تھی کہ لوگوں نے جوق در جوق اسلام لانا شروع کردیا اور چند ہی دنوں میں یمن کے کثر لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے† ۔

اس روایت کے متعلق چند امور قابل غور ہیں ۔

(۱) طبری نے اس واقعہ کا ذکر ۱۰ھ کے واقعات میں کیا ہے ۔ اور ساتھ ہی یہ لکھا ہے کہ جب حضرت خالد کی تبلیغ کا اہل یمن پر کوئی اثر نہ ہوا تو چھ ماہ بعد رمضان ۱۰ھ میں حضرت علی کو بھیجا گیا ۔ اس طرح حضرت خالد کی یمن کو روانگی ربیع الاول یا ربیع الثانی میں ماننی پڑے گی ۔ لیکن ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ انہی ایام میں حضرت خالد کو بنو حارث کے پاس نجران بھیجا گیا تھا اور ان کی اس مہم کا ذکر تمام مؤرخین متفقہ طور پر کرتے ہیں ۔ اگر یہ فرض کرلیا

* سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۳۰۷ ۔ الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۹ ۔

† الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۹ ۔

جائے کہ طبری نے دراصل نجران کی مہم کا ذکر کیا ہے، تب بھی اس روایت کی کمزوری ظاہر ہے کیوں کہ یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ اہل نجران حضرت خالد کے ہاتھ پر اسلام لے آئے تھے اور ان کا ایک وفد آپ کے ساتھ رسول اللہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا تھا۔ اور اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت خالد کو نجران کے علاوہ یمن بھی بھیجا گیا تھا تب بھی اس روایت کی کمزوری میں کوئی شبہ نہیں کیوں کہ عقل یہ بات قبول کرنے سے قطعاً قاصر ہے کہ ایک شخص کو ایک ہی وقت میں دو جگہ بھیجا جائے، ایک جگہ کے لوگ اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیں اور ان کا ایک وفد اسی کے ساتھ مدینہ آئے اور اسی وقت میں وہ شخص دوسری جگہ بھی موجود ہو اور چھ ماہ تک کوئی شخص اس کی باتوں پر کان نہ دھرے۔

(۲) تاریخ کی کسی کتاب میں ہمیں ایسی کوئی روایت نہیں ملتی جس سے اس روایت کا صحیح ہونا ثابت ہو۔ اس کے برعکس بعض روایتیں ایسی موجود ہیں جن سے بصراحت اس روایت کا بطلان ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ابن ہشام لکھتے ہیں:

"رسول اللہ نے حضرت علی کو یمن روانہ فرمایا۔ حضور نے خالد بن ولید کو بھی لشکر دے کر روانہ کیا اور فرمایا: اگر تمہاری علی سے ملاقات ہو جائے تو علی تمہارے امیر ہوں گے*"۔ مؤلف "السیرۃ الحلبیہ" بھی اس روایت کو اپنی کتاب میں درج کرتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ

* سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۳۶۵ ۔ طبری میں بھی یہ روایت موجود ہے، جلد ۳ صفحہ ۱۶۷۔

رسول اللہ نے دونوں کو ایک ساتھ یا تھوڑے دنوں کے وقفے سے روانہ فرمایا تھا۔ یہ کبھی مذکور نہیں کہ حضرت خالد چھ ماہ تک یمن میں مقیم رہے لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی اور آخر ان کی جگہ حضرت علی کو بھیجا گیا جنہیں خاطر خواہ کامیابی نصیب ہوئی۔

غرضکہ طبری کی روایت عقل اور تاریخ دونوں لحاظ سے قابل قبول نہیں۔

رسول اللہ کے زمانے میں حضرت خالد نے جو کار ہائے نمایاں سر انجام دئے ان سے معلوم ہوچکا ہوگا کہ رسول اللہ کو آپ پر کس درجہ اعتماد تھا۔ رسول اللہ نے نہ صرف حضرت خالد کو ان کے آبائی اعزاز پر قائم رکھا بلکہ بعض مواقع پر مقدمۃ الجیش کا سالار بھی مقرر فرمایا۔ خدمت کے کسی موقع پر بھی رسول اللہ نے حضرت خالد کو فراموش نہ کیا۔ چنانچہ حضرت خالد خود فرماتے ہیں "جب سے میں نے اسلام قبول کیا، رسول اللہ نے کبھی مجھے اپنے صحابہ سے الگ نہ رکھا۔ دوسرے صحابہ کو خدمت کے جو مواقع دئے گئے، مجھے بھی دئے گئے"۔ رسول اللہ کی زندگی میں حضرت خالد برابر جہاد فی سبیل اللہ اور تبلیغ اسلام کے عظیم الشان فرائض کی بجا آوری میں مصروف رہے اور کسی موقع پر بھی بزدلی اور کمزوری سے کام نہ لیا۔ رسول اللہ کے ہر سفر اور ہر غزوہ میں آپ ان کے ساتھ رہے اور آپ کی خوشنودی کے طالب رہے۔

لیکن ان کی بے نظیر خدمات کا سلسلہ رسول اللہ کی وفات پر منقطع نہیں ہوگیا بلکہ بعد میں بھی برابر جاری رہا۔ دین خد

کی نصرت و حمایت اور علاء کلمۃ الحق کی خاطر آپ نے جو شاندار کارنامے سر انجام دئے وہ تاریخ کا ایک دائمی ورق بن چکے ہیں اور انہیں کسی صورت بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

تیسرا حصہ

خالدؓ عہد صدیقؓ میں

تمہید

قبل اس کے کہ ان جنگوں کا ذکر کیا جائے جو مرتدین کے خلاف حضرت خالد نے لڑیں، اس حالت کا اجمالی تذکرہ کر دینا مناسب ہے جو رسول اللہ کی وفات کے وقت عربوں کی تھی۔

جزیرہ عرب کے اکثر باشندے خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ وہ کسی قانون اور نظام کے تحت رہنے کے عادی نہ تھے۔ تہذیب و تمدن، شہریت اور معاشرتی زندگی کے مبادیات تک سے وہ ناواقف تھے۔ گو انہیں اسلام کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا تھا لیکن وہ طبعی طور پر اپنے قدیمی طرز زندگی اور رسوم و رواج پر ہی عمل پیرا رہنا چاہتے تھے۔ اسلام نے ان پر بعض پابندیاں لگا دی تھیں جو انہیں بہت شاق گزرتی تھیں۔ جو قوانین اسلام نے پیش کئے تھے وہ ان میں سے اکثر لوگوں کی طبائع کے مطابق نہیں تھے۔ مثلاً بطور خود قصاص یا انتقام لینے کی ممانعت۔ اس کے علاوہ ان کی تربیت کی کمی کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ان میں سے اکثر کو رسول اللہ

کی صحبت نصیب نہیں ہوئی تھی اور اگر ہوئی بھی تھی تو بہت تھوڑی مدت کے لئے۔ چنانچہ ان کے دلوں میں پاکیزگی اور طبائع میں تبدیلی پیدا نہ ہوسکی۔ اسلام کو پوری طرح نہ سمجھنے اور اس پر غور و فکر نہ کرنے کی وجہ سے مشرکانہ عقاید سے انہیں کلی طور پر نجات حاصل نہ ہوسکی۔ ان کے دل اسلام کی محبت سے خالی تھے۔ وہ بہ امر مجبوری، اپنے سرداروں کے زور دینے پر اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ دین سے بے خبری کے باعث انہوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ زکواۃ ایک طرح کا تاوان ہے جو ان پر عاید کیا گیا ہے۔ انہیں یہ پتہ نہ تھا کہ زکواۃ تاوان نہیں بلکہ صدقہ ہے جو امیروں سے لے کر انہی کے حاجت مند بھائیوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے تاکہ دونوں طبقوں کے درمیان تعاون کی راہ ہموار ہوسکے اور معاشرے میں توازن برقرار رہے۔

جب انہوں نے رسول اللہ کی وفات کی خبر سنی تو انہوں نے اس وقت کو اسلام سے چھٹکارا پانے اور ان ''تکالیف'' سے نجات حاصل کرنے کے لئے، جو انہیں اسلام قبول کرنے کی وجہ سے پیش آرہی تھیں اپنے لئے نہایت موزوں خیال کیا۔ چنانچہ ان میں سے بعض نے زکواۃ دینے سے انکار کر دیا اور بعض نے سرے سے اسلام کو چھوڑ کر اس امید میں جھوٹی نبوت کے دعوے داروں کی پیروی اختیار کر لی کہ اس طرح وہ بھی قریش کے مقابلے میں اپنے نبی کو پیش کر سکیں گے۔ وہ خلافت کو بغاوت کی کھلی کھلی دھمکیاں دینے لگے اور خلیفہ کے احکام کو ماننے سے قطعی انکار کر دیا۔ اس طرح جزیرہ عرب میں سخت اضطراب پیدا ہو گیا۔ نفاق کا ستارہ اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ یہود و نصاریٰ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ نبی کریم صلعم کی وفات، قلت تعداد اور کثرت

ابتداء کے باعث مسلمانوں کی حالت حضرت عبداللہ بن مسعود کے الفاظ میں بکریوں کے اس ریوڑ کی سی تھی جو بے حد و کنار صحرا میں سرما کی سرد رات کو بغیر چرواہے کے رہ جائے ۔ اس وقت ارتداد والحاد کی کثرت ، دین خدا اور صراط مستقیم سے کھلے بندوں انحراف اور شدید ہیجان و اضطراب کی وجہ سے جزیرہ عرب ایک آتش فشاں پہاڑ کی صورت اختیار کر گیا تھا ۔ اس فتنے سے سوائے مکہ ، مدینہ اور طائف کے باشندوں اور چند بدوی قبائل کے ، عرب کا اور کوئی قبیلہ محفوظ نہ تھا ۔ سارے کے سارے قبائل اس طوفان میں بہہ گئے تھے ۔

اس نازک صورت حال پر قابو پانے کے لئے ، جو رسول اللہ کی وفات کے بعد پیدا ہو گئی تھی ، ایک صاحب عزیمت ، نڈر اور کامل الایمان شخص کی ضرورت تھی ، جسے خدا تعالیٰ کی مدد پر پورا پورا بھروسہ ہو اور جو اپنے بے نظیر عزم و ہمت اور لازوال تدبر و فراست کی بدولت مرتدین کا قلع قمع کر سکے ۔

یہ سب صفات حضرت ابوبکر صدیق میں پائی جاتی تھیں ۔ رسول اللہ کی وفات پر ، جب صحابہ مارے غم کے دیوانے ہو چکے تھے اور حضرت عمر جیسے شخص تلوار کھینچے یہ کہہ رہے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ رسول اللہ فوت ہو گئے ہیں میں اس تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا" ، یہ حضرت صدیق ہی کی شخصیت تھی جس نے مسلمانوں کو سنبھالا دیا ۔ اور جب کہ سارا عرب ارتداد کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جل رہا تھا آپ نے مرتدین کے مقابلے میں جو مدبرانہ کارروائی کی اور جس بے نظیر لیاقت کے ساتھ ملک کو اس تباہ کن فتنے سے نجات دلائی

* الطبری جلد ۴ صفحہ ۱۹۷ — ۱۹۹ ۔

اس نے روز روشن کی طرح ثابت کر دیا کہ اس وقت صرف آپ ھی کی ذات والا صفات خلافت کے بار گراں کو اٹھانے اور اسے سنبھالنے کے قابل تھی ۔ نہ تو رسول اللہ کی وفات کا المناک حادثہ اور نہ ھی قبائل عرب کی روز افزوں بغاوت کی پریشان کن خبریں حضرت صدیق کے مضبوط عزم و ارادے اور ایمان کو متزلزل کر سکیں ۔ فتنوں اور تشویش ناک واقعات کے دوران میں آپ نے اسامہ کے لشکر کو، جسے رسول اللہ نے اپنے مرض الموت میں شام کی جانب رومیوں کے مقابلے کے لئے بھیجا تھا اور جو حضور کی بیماری کی وجہ سے ابھی مدینہ ھی میں رکا ھوا تھا ، روانہ ھونے کا حکم دیا ۔ اس موقع پر بعض بڑے بڑے صحابہ نے درخواست کی کہ موجود لوقت خطرناک حالات کی موجودگی میں اس لشکر کو فی الحال روک لیا جائے اور اگر لشکر رک نہیں سکتا تو اسامہ کی جگہ کسی بڑے آدمی کو سپہ سالار مقرر کر دیا جائے ۔ لیکن حضرت صدیق نے اس قسم کی ھر درخواست کو ٹھکرا دیا اور تمام خطرات کو نظر انداز کرتے ھوئے لشکر کو اسامہ کی قیادت میں شام کی جانب بھجوا دیا ۔

اس لشکر کی روانگی مسلمانوں کے لئے بے حد مفید ثابت ھوئی ۔ باغیوں اور مرتدین نے یہ خیال کیا کہ اس نازک صورت حال کی موجودگی کے باوجود لشکر اسلام کو شام کی طرف روانہ کرنے کے یہ معنے ھیں کہ مدینہ میں مسلمانوں کے پاس زبردست عسکری قوت موجود ھے ، ورنہ کبھی بھی ان کا لشکر مدینہ سے باھر نہ نکل سکتا ۔ اس خیال کا اثر یہ ھوا کہ باغیوں اور مرتدین کے حوصلے پست ھو گئے اور وہ یہ سوچنے لگے کہ آیا اس موقع پر مدینہ پر حملہ کرنا اپنی شکست مول لینا تو نہ ھو گا ۔

آخر غرض عبس اور ذبیان کے قبائل نے مدینہ پر حملہ کر دیا تھا، لیکن حضرت صدیق نے قلت تعداد کے باوجود شہر کے دفاع کا انتظام اتنا مستحکم کر رکھا تھا کہ حملہ آور اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے اور انہیں بری طرح شکست کھا کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ اسی دوران میں اسامہ کا لشکر بھی فتح یاب ہو کر شام سے واپس مدینہ پہنچ گیا۔ حضرت صدیق نے اسے کچھ آرام کرنے کا موقع دیا۔ اس کے بعد آپ نے متعدد علم تیار کئے اور باغیوں اور مرتدین کو مطیع کرنے اور انہیں راہ راست پر لانے کے لئے چاروں طرف لشکروں کی روانگی شروع کر دی۔

لشکروں کی روانگی سے پہلے آپ نے باغیوں اور مرتدین کے نام ایک فرمان لکھا* اور اس کی متعدد نقلیں کرا کے قاصدوں کے ذریعے ہر مرتد قبیلے کی طرف بھیجیں اور قاصدوں کو ہدایت کر دی کہ قبیلے میں جا کر لوگوں کے مجمع میں یہ فرمان سب کو سنا دیا جائے، تاکہ ان پر اتمام حجت ہو جائے اور قبل اس کے کہ لشکر اسلام پہنچ کر انہیں تباہ و برباد کر دے انہیں اپنی اصلاح کرنے اور راہ راست پر آنے کا موقع مل جائے۔

گیارہ علم تیار کئے گئے تھے اور ہر علم ایک ایک سردار کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ ہر ایک سردار کے ساتھ فوج کا ایک دستہ تھا۔ ان سرداروں کو روانگی کے وقت الگ الگ ایک فرمان ایک ہی مضمون کا لکھ کر دیا۔ اور تمام سردار ذو القصہ[1] سے اپنی اپنی

* اس فرمان کا مضمون مبسوط کتب تاریخ میں موجود ہے۔ دیکھئے طبری جلد سوم صفحہ ۲۲۹ و ۲۲۷ -

[1] یہ مقام نجد کی جانب مدینہ سے ایک منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔ طبری جلد سوم صفحہ ۲۲۳ و ۲۲۱ -

فوج کو لے کر اپنی منزل مقصود کو روانہ ہو گئے۔

ذیل میں ہر سردار اور اس کی منزل مقصود کی تفصیل درج کی جاتی ہے:

(۱) خالد بن ولید: آپ کو حکم دیا گیا کہ سب سے پہلے بزاخہ جا کر طلیحہ بن خویلد اسدی سے جنگ کریں اور جب وہاں سے فارغ ہو جائیں تو بطاح جا کر مالک بن نویرہ کی سرکوبی کریں۔

(۲) عکرمہ بن ابو جہل: انہیں مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا گیا۔

(۳) شرجیل بن حسنہ: انہیں عکرمہ کے پیچھے ان کی مدد کے لئے روانہ کیا گیا اور حکم دیا گیا کہ جب مسیلمہ کذاب سے فراغت حاصل ہو جائے تو وہ حضرموت جا کر بنو کندہ پر حملہ کریں۔

(۴) مہاجر بن ابی امیہ: انہیں اسود عنسی کی سرکوبی کے لئے صنعاء روانہ کیا۔

(۵) حذیفہ بن محصن: انہیں عمان جا کر دبا کو مغلوب کرنے کا حکم دیا گیا۔

(۶) عرفجہ بن ہرثمہ: انہیں اہل مہرہ کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا۔ حذیفہ اور عرفجہ کو یہ حکم بھی دیا گیا کہ دونوں ساتھ ساتھ رہیں، جب عمان میں رہیں تو حذیفہ امیر ہوں گے اور عرفجہ ان کے ماتحت اور جب مہرہ میں ہوں تو عرفجہ امیر ہوں گے اور حذیفہ ماتحت۔

(۷) سوید بن مقرن: انہیں یمن جا کر اہل تہامہ سے جنگ

کرنے کا حکم دیا گیا۔

(۸) علاء بن حضرمی : انہیں بحرین بھیجا گیا۔

(۹) طریفہ بن حاجز : انہیں بنو سلیم اور ان کے شریک حال ہوازن سے جنگ کرنے لئے روانہ کیا گیا۔

(۱۰) عمرو بن العاص : انہیں قضاعہ کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا۔

(۱۱) خالد بن سعید : انہیں ملک شام کی سرحد پر قبائل کو مطیع کرنے کے لئے بھیجا گیا۔

سرداروں کی اس فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت صدیق نے ان میں سے کسی کو بھی ایک سے زیادہ قبائل کی سرکوبی کا کام سپرد نہیں کیا۔ اس کے برعکس بعض قبائل کی طرف دو دو سردار بھیجے گئے۔ صرف حضرت خالد ایسے شخص ہیں جنہیں دو قبائل کی سرکوبی کا حکم دیا گیا۔ انہیں پہلے بزاخہ جا کر طلیحہ بن خویلد سے لڑنے کا اور وہاں سے فراغت پانے کے بعد بطاح جا کر مالک بن نویرہ کی سرکوبی کرنے کا حکم دیا گیا۔ اسی پر بس نہیں بلکہ جب آپ دونوں قبائل کی سرکوبی سے فارغ ہوچکے تو آپ کو مسیلمہ کذاب کے مقابلے کے لئے بھی روانہ کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدیق کو حضرت خالد پر کتنا بھروسہ اور کتنا اعتماد تھا۔ مرتدین کے مقابلے میں خالد نے جو کامیابیاں حاصل کیں، ان سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ آپ واقعی ''سیف اللہ'' کے خطاب کے مستحق تھے۔

ہم اس جگہ دوسرے سرداران عسا کر کے کارنامے بیان نہیں کر سکتے۔ ہمیں اس وقت صرف حضرت خالد کے کارناموں کے

متعلق کچھ کہنا ہے ۔ سب سے پہلے ہم طلیحہ کے متعلق حقائق کا حال بیان کرتے ہیں :-

طلیحہ

اس کا نام طلیحہ بن خویلد اسدی تھا ۔ وہ بنو اسد بن خزیمہ میں سے تھا ۔ حجۃ الوداع کے بعد رسول اللہ کے مرض کی خبر سن کر اس نے آپ کی زندگی ہی میں نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا ۔ ایسا کرنے سے اس کی غرض یہ تھی کہ اسے بھی وہ شان حاصل ہو سکے جو رسول اللہ کو حاصل تھی ۔

رسول اللہ نے حضرت ضرار بن ازور کو طلیحہ کی سرکوبی کے لئے بنو اسد کی جانب روانہ فرمایا ۔ انہوں نے جا کر اس فتنے کا مقابلہ کیا اور اسے بہت حد تک دبا دیا ۔ اسی دوران میں انہوں نے موقع پا کر طلیحہ پر تلوار کا وار کیا لیکن وہ نشانے پر نہ لگا اور طلیحہ بچ گیا اور لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ طلیحہ کے جسم پر ہتھیار اثر نہیں کرتے ۔ اس خبر سے طلیحہ کا زور پھر بڑھنا شروع ہو گیا ۔ اسی دوران میں رسول اللہ کی وفات کی خبر پہنچ گئی اور حضرت ضرار مہم کو ناتمام چھوڑ کر مدینہ واپس آ گئے ۔ ان کے واپس آنے کے بعد طلیحہ کا زور بہت بڑھ گیا ۔ اس نے دعویٰ کیا کہ جبریل اس کے پاس وحی لے کر آتے ہیں ۔ اس نے اپنے پیروؤں کو حکم دیا کہ وہ کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کریں اور سجدہ نہ کیا کریں ۔ عربی عصبیت نے اس کے اس کاروبار کو زبردست ترقی دی اور اسد ، غطفان ، طئی ، عبس ، ذبیان کے قبائل اس کے ساتھ ہو گئے ۔ ان قبائل میں سے بعض آپس میں حلیف تھے اور بعض کی

ایک دوسرے سے رشتہ داریاں تھیں*۔ اسی لئے انہوں نے متفق ہو کر طلیحہ کی فرمانبرداری اختیار کر لی۔

حضرت صدیق نے حضرت خالد کو حکم دیا تھا کہ وہ سب سے پہلے اکناف† جا کر قبیلہ طے کی سرکوبی کریں۔ اس کے بعد بزاخہ‡ جائیں اور وہاں سے بطاح۔ وہ ایک جگہ سے فارغ ہو کر دوسری جگہ کا قصد کرنے سے پہلے انہیں تمام واقعات سے مطلع کر دیں۔

حضرت خالد کی روانگی سے پہلے حضرت صدیق نے قبیلہ طے کے ایک معزز شخص عدی بن حاتم کو، جو بدستور اسلام پر قائم تھے، ان کے قبیلے میں بھیج دیا تھا اور فرمایا تھا کہ "اپنے قبیلے میں جا کر انہیں اسلام کی تلقین کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ خالد انہیں نیست و نابود کر دیں◊"۔ چنانچہ وہ تیزی سے قبیلہ طے کی جانب روانہ ہوئے۔ سب سے پہلے وہ اپنے قبیلہ غوث کے پاس پہنچے جو طے کی ایک شاخ تھا اور لوگوں کو پیش آمدہ خطرات

* بنو اسد، غطفان اور طے کے درمیان جاہلیت کے زمانہ سے ہی دوستی تھی۔ الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۳۰۔

† اکناف قبیلہ طے کے دو پہاڑوں سلمی اور اجا کو کہتے ہیں۔ معجم البلدان جلد ۱ صفحہ ۳۱۸۔

‡ بزاخہ بنو اسد کا ایک چشمہ تھا۔ یاقوت جلد ۲ صفحہ ۱۶۱۔ الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۲۸۔

◊ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت صدیق کو حضرت خالد کی سختی کا علم تھا اور آپ نے عدی کو اسی لئے ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ وہ انہیں خالد کی سختی سے محفوظ رکھیں۔

سے خبردار کرنا شروع کیا ۔ ان لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور انہوں نے عدی سے کہا کہ خالد کے یہاں پہنچنے پر تین دن کے لئے انہیں روک رکھیں، تا کہ ہم اپنے قبیلے کے ان لوگوں کو جو بزاخہ میں طلیحہ کے لشکر میں شامل ہیں، اس کے لشکر سے علیحدہ کرلیں ۔ کیوں کہ اگر ایسا نہ ہوا اور ہم نے پہلے ہی سے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا تو طلیحہ ہمارے آدمیوں کو یا مروا ڈالے گا یا قید کرلے گا* ۔ چنانچہ عدی نے ایسا ہی کیا ۔ جب حضرت خالد مقام سنخ† پر پہنچے تو عدی ان کے پاس گئے اور ان سے درخواست کی کہ ''آپ تین دن تک انتظار کریں ۔ اس عرصے میں آپ کے پاس پانچ سو ہتھیار بند آدمی جمع ہو جائیں گے، جن کے ساتھ آپ دشمن پر بھر پور حملہ کرسکیں گے ۔ تین دن کا یہ انتظار اس سے بہتر ہے کہ آپ انہیں اپنے ہاتھ سے آگ میں ڈال دیں اور پھر ان کا تماشا دیکھیں‡'' حضرت خالد نے ان کی درخواست قبول کر لی ۔ اس عرصے میں قبیلہ غوث کے جو آدمی طلیحہ کے لشکر میں تھے وہ واپس آ گئے اور اسلام قبول کر کے حضرت خالد کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ اس طرح آپ کی جمعیت میں معتدبہ اضافہ ہو گیا ۔ اب حضرت خالد نے قبیلہ طے کی دوسری شاخ 'جدیلہ' کی طرف جانے کا قصد کیا جو ''انسر'' مقام پر آباد تھی ۔ عدی نے آپ سے کہا ''قبیلہ طے ایک پرندے کی مانند ہے اور جدیلہ، طے کا ایک پر ہے۔ آپ مجھے چند روز کی مہلت دیں تا کہ میں جدیلہ کو

* الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۲۸ ۔

† طے کے پہاڑوں کے نزدیک نجد کا ایک قصبہ ۔ معجم البلدان جلد ۵ صفحہ ۱۴۹ ۔

‡ الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۲۸ ۔

جا کر سمجھاؤں۔ شاید ایسا ہو کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے عوث کو ہدایت دے دی، وہ جدیلہ کو بھی دے دے" حضرت خالد نے یہ درخواست بھی خوشی سے منظور کرلی۔ عدی، جدیلہ کے پاس آئے اور اپنی کوششوں سے اس قبیلے کے لوگوں کو بھی دوبارہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ کر لیا۔ اس طرح حضرت خالد کی فوج میں ایک ہزار نفوس کا مزید اضافہ ہو گیا۔

قبیلہ طے کے اسلام لانے کے بعد حضرت خالد اپنی فوج کو لے کر بزاخہ کی جانب روانہ ہوئے۔ قریب پہنچ کر آپ نے عکاشہ بن محصن اور ثابت بن اقرم انصاری کو دریافت حال کے لئے لشکر کے آگے آگے روانہ کیا۔ انہوں نے موقع پا کر طلیحہ کے بھائی حبال کو قتل کر دیا۔ جب طلیحہ کو اپنے بھائی کے قتل کا حال معلوم ہوا تو وہ اپنے ایک بھائی سلمہ کو ساتھ لے کر نکلا اور عکاشہ اور ثابت، دونوں کو شہید کر دیا۔ جب حضرت خالد اپنے لشکر کے ساتھ اس مقام پر پہنچے جہاں ان دونوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں تو مسلمانوں نے بے خیالی میں گھوڑوں کے سموں سے ثابت بن اقرم کی لاش کو روند ڈالا۔ لیکن بعض لوگوں کی نگاہ عکاشہ بن محصن کی لاش پر پڑ گئی۔ انہوں نے اپنے گھوڑوں کو روکا اور اتر کر غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو ان کے اپنے آدمیوں کی لاشیں تھیں۔ انہیں سخت رنج ہوا اور انہوں نے کہا "افسوس! مسلمانوں کے دو سرداروں کی لاشیں اس طرح خاک و خون میں لتھڑی ہوئی، بے گور و کفن میدان میں پڑی ہیں"۔ حضرت خالد نے اس وقت یہی مصلحت سمجھی کہ وہ آگے بڑھنے کے بجائے قبیلہ طے کی طرف واپس ہو جائیں* اور وہاں قیام

* الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۲۸ ۔

کر کے فوج کو اور زیادہ منظم کریں ، تا کہ شکست کا امکانی خطرہ باقی نہ رہے ۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے بنی طے سے مزید مدد مانگی ۔ انہوں نے کہا ”بنی قیس کے مقابلے میں تو ہم آپ کو کافی امداد دے سکتے ہیں لیکن بنی اسد سے لڑنے سے آپ ہمیں معذور جانیں کیوں کہ وہ ہمارے حلیف ہیں“۔ یہ سن کر حضرت خالد نے کہا ”تم جس قبیلے سے چاہو لڑو اور جس سے چاہو نہ لڑو ، یہ تمہارا اختیار ہے لیکن ہمارا ساتھ دو ۔ ہم تمہیں کسی قبیلے سے لڑنے پر مجبور نہیں کریں گے“۔

عدی بن حاتم نے کہا ” خدا کی قسم ! حلیف ہونے کے باوجود ، مجھے کوئی چیز بنو اسد سے لڑنے سے باز نہ رکھ سکے گی ۔ جب انہوں نے دشمنان اسلام کا ساتھ دیا تو وہ ہمارے حلیف نہیں نہ رہے“۔

حضرت خالد نے فرمایا ”تم اپنے قبیلے کے لوگوں کی رائے کی مخالفت نہ کرو بلکہ وہی کرو جس میں تمہارے قبیلے والوں کی خوشی ہو اور اسی قبیلے سے لڑائی کرو جس سے تمہارے قبیلے والے لڑنا چاہیں“۔

حضرت خالد کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کی نفسیات سے کس درجہ واقف تھے ۔ آپ کو معلوم تھا کہ اگر کسی قبیلے کو کسی قوم کے خلاف زبردستی لڑنے پر مجبور کیا جائے تو وہ خوشی اور اطمینان قلب کے ساتھ جنگ نہ کر سکے گی اور اس کا نتیجہ شکست ہی کی صورت میں ظاہر ہوگا ۔

بنو طے میں اپنے لشکر کو خوب منظم کر کے حضرت خالد ، طلیحہ سے جنگ کرنے کے لئے بزاخہ روانہ ہوئے ۔ طلیحہ کے لشکر میں عیینہ بن حصن فزاری بھی اپنے قبیلہ بنو فزارہ کے

سات سو آدمیوں کے ساتھ شریک تھا۔ فریقین کے درمیان گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی۔ طلیحہ ایک صوف چادر اوڑھے، لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے وحی کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ جب مرتدین کے لشکر میں ضعف کے آثار نمودار ہوئے تو عیینہ، طلیحہ کے پاس آیا اور اس سے پوچھا ''آپ کے پاس جبریل کوئی وحی لائے؟'' طلیحہ نے کہا ''ابھی نہیں''۔ عیینہ یہ سن کر واپس چلا گیا اور لڑنا شروع کر دیا۔ جب لڑائی نے مزید شدت اختیار کی اور مسلمانوں کا دباؤ مرتدین پر برابر بڑھتا چلا گیا تو عیینہ دوبارہ طلیحہ کے پاس آیا اور پوچھا ''اب بھی جبریل کوئی خبر لائے یا نہیں؟'' طلیحہ نے وہی جواب دیا ''ابھی تک نہیں''۔ عیینہ پھر واپس جا کر لڑنے لگا۔ لیکن مسلمانوں کا زور اب اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ مرتدین کو اپنی شکست یقینی نظر آنے لگی۔ عیینہ تیسری بار دوڑا دوڑا طلیحہ کے پاس آیا اور پوچھا ''اب بھی کوئی وحی نازل ہوئی یا نہیں''۔ طلیحہ نے کہا ''ہاں، نازل ہوئی ہے''۔ عیینہ نے پوچھا ''کیا؟''۔ طلیحہ نے جواب دیا ''یہ وحی نازل ہوئی ہے: ان لک رحا کرحاہ وحدیثا لا تنساہ'' (تیرے پاس بھی ویسی ہی چکی ہے جیسی کہ مسلمانوں کے پاس ہے اور تیرا ذکر بھی ایسا ہے جسے تو کبھی نہ بھولے گا*)۔ عیینہ کو یہ سن کر بڑا طیش آیا اور اس نے طلیحہ سے کہا ''وقد علم اللہ انہ سیکون حدیث لا تنساہ (بے شک خدا کو معلوم ہے کہ عنقریب ایسے واقعات پیش آنے والے ہیں جنہیں تو کبھی فراموش نہیں کر سکے گا)۔ یہ کہہ

* عرب چکی کو جنگ سے تعبیر کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تمہیں بھی ویسی ہی جنگ در پیش ہے جیسی تمہارے دشمنوں کو اور اس جنگ کے واقعات تمہیں کبھی نہیں بھولیں گے۔ (مترجم)۔

کر وہ میدان جنگ میں آیا اور چلا کر کہا ''اے بنی فزار! خدا کی قسم طلیحہ نبی نہیں بلکہ کذاب ہے۔ لڑائی بند کر دو اور بھاگ چلو''۔ چنانچہ تمام بنو فزارہ یہ آواز سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ باقی لشکر طلیحہ کے گرد جمع ہو گیا اور پوچھا ''اب ہم کیا کریں؟'' طلیحہ نے اپنے اور اپنی بیوی نوار کے لئے بھاگنے کا انتظام پہلے ہی سے کیا ہوا تھا۔ جب اس نے یہ صورت حال دیکھی تو وہ اپنی بیوی کو اپنے گھوڑے پر ہمراہ سوار کر کے یہ کہتا ہوا فرار ہو گیا کہ جو شخص میری طرح اپنے اہل و عیال کو لے کر فرار ہو سکے، وہ ہو جائے۔ طلیحہ وہاں سے بھاگ کر شام پہنچا اور وہاں جمعیت اکٹھی کرنے لگا لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر وہ مسلمان* ہو گیا، حضرت عمر کے عہد میں ایران سے جنگوں کے دوران میں وہ بڑی بہادری سے لڑا اور میدان جنگ میں مسلمانوں کی طرف سے لڑتا لڑتا مارا گیا۔ عیینہ کا تعاقب کیا گیا اور اسے اس کے تیس ساتھیوں سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ بزاخہ میں حضرت خالد کو بنو اسد کا کوئی سراغ نہ مل سکا کیوں کہ انہوں نے اپنے کنبوں اور خاندانوں کو پہلے ہی سے محفوظ مقامات پر بھیج دیا تھا۔

بنو عامر بن صعصعہ بھی طلیحہ کے طرف داروں میں تھے اور بزاخہ سے کچھ ہی فاصلے پر آباد تھے۔ لیکن وہ طلیحہ کی طرف سے لڑنے کے لئے میدان جنگ میں نہ آئے بلکہ اپنی جگہ پر ہی اس انتظار میں رہے کہ کس فریق کو غلبہ نصیب ہوتا ہے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ طلیحہ کو شکست فاش نصیب ہوئی

---

* الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۲۹ - ۲۳۲ -

تو انہوں نے باہم طے کیا کہ ابھی وقت ہے کہ ہم توبہ کرکے دوبارہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت خالد کے ہاتھ پر بیعت کرکے اسلام قبول کر لیا۔ بیعت کے الفاظ یہ تھے ”ہم اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں گے۔ نماز برابر پڑھیں گے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں گے۔ انہی الفاظ کے ساتھ ہم اپنے بیٹوں اور اپنی عورتوں کی طرف سے بھی بیعت کرتے ہیں“۔

بنو اسد، بنو غطفان اور ان کے حامی قبائل کی جان بخشی حضرت خالد نے اس شرط پر کی کہ وہ ان لوگوں کو حوالے کر دیں جنہوں نے ارتداد کے دنوں میں ان مسلمانوں کو، جو ان کے چنگل میں پھنس گئے تھے، قتل کیا اور جلایا تھا۔ چنانچہ وہ لوگ آپ کے سامنے حاضر کئے گئے۔ آپ نے قرہ بن ہبیرہ کے سوا باقی تمام لوگوں کو، جن کے ہاتھوں سے یہ شدید مظالم وقوع پذیر ہوئے تھے، قتل کر دیا اور ان کی لاشوں کو آگ میں جلا دیا۔ یہ کام کرنے کے بعد عیینہ بن حصن اور قرہ بن ہبیرہ کو بیڑیوں میں جکڑ کر حضرت صدیق کی خدمت میں روانہ کر دیا اور ساتھ ہی ایک خط بھی بھیجا جس کا مضمون یہ تھا:

”بنی عامر ارتداد کے بعد اسلام لے آئے، لیکن میں نے ان کی جان بخشی اس وقت تک نہیں کی جب تک انہوں نے ان لوگوں کو میرے حوالے نہیں کر دیا جنہوں نے غریب و بے کس مسلمانوں پر سخت ظلم ڈھائے تھے۔ میں نے ایسے تمام لوگوں کو قتل کر دیا ہے۔ اس خط کے ہمراہ میں قرہ بن ہبیرہ اور اس کے ساتھیوں کو روانہ کر رہا ہوں“۔

جب عیینہ بن حصن اور قرہ بن ہبیرہ، حضرت صدیق کی خدمت میں پیش کئے گئے تو آپ نے ان کی جان بخشی کر دی اور انہیں معاف فرما دیا۔ اس کے بعد حضرت خالد کو یہ خط لکھا:-

"خدا تعالیٰ اپنے انعامات سے تمہیں بہرہ ور کرتا رہے۔ میری تمہیں یہ نصیحت ہے کہ تم اپنے معاملات میں ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور ہمیشہ تقویٰ کی راہ پر چلو کیوں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے اور اس کے بندوں پر احسان کرتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ کے راستے میں خوب بڑھ چڑھ کر کام کرتے رہو اور کبھی سستی نہ برتو۔ ہر اس شخص کو، جس نے مسلمانوں کو قتل کیا ہو، قابو پانے کے بعد قتل کر دو۔ دوسرے لوگوں کے متعلق بھی، جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے دشمنی اور سرکشی اختیار کر کے اس کے احکام کی خلاف ورزی کی، اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ ان کا قتل کر دینا مناسب ہے تو تمہیں ایسا کرنے کا اختیار ہے*"۔

حضرت خالد نے چشمۂ بزاخہ پر ایک ماہ قیام فرمایا۔ یہ عرصہ آپ نے اس علاقے میں امن و امان قائم کرنے اور زکوٰۃ اکٹھی کرنے میں گزارا۔ اسی دوران میں آپ کو خبر ملی کہ طلیحہ کے ہزیمت خوردہ لشکر کے کچھ لوگ قبیلہ بنو فزارہ میں جا کر ام زمل سلمیٰ بنت مالک بن حذیفہ کے پاس جمع ہوئے ہیں۔ اور ام زمل اپنے گرد زبردست جمعیت اکٹھی کر کے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ یہ خبر سن کر

* الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۳۳۔

حضرت خالد بنو فزارہ کی جانب روانہ ہوئے۔ دونوں فوجیں میدان جنگ میں نکلیں اور مقابلہ شروع ہوا۔ ام زمل ایک اونٹ پر سوار تھی اور اپنے ساتھیوں کو لڑنے کے لئے جوش دلا رہی تھی۔ ام زمل نے اس بہادری سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا کہ اس کا نام ضرب المثل بن چکا ہے۔ مسلمانوں نے سوچا کہ جب تک اس اونٹ کو نہ گرایا جائے گا جنگ کا زور کم نہ ہوگا، چنانچہ چند جانباز مسلمان ہمت کر کے اس اونٹ تک پہنچ گئے اور اس کی کونچیں کاٹ کر اسے زمین پر گرا دیا۔ ام زمل کو بھی قتل کر دیا گیا۔ اس کے اونٹ کے ارد گرد کے سو دوسرے اونٹوں کو بھی اسی طرح مار گرایا گیا۔

حضرت خالد کو جو کامیابی نصیب ہوئی اس کے اہم اسباب مندرجہ ذیل تھے:-

(۱) حضرت خالد اور ان کا لشکر ایک خاص مقصد کی خاطر لڑتا تھا۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی تائید پر پورا بھروسہ تھا اور ان کی زبانیں ہر وقت اس آیت کا ورد کرتی رہتی تھیں: ان تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم (اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو مضبوط کر دے گا)۔ ان کو اس کا کامل یقین تھا کہ جو شخص لڑائی میں مر جائے گا اسے شہادت کا رتبہ ملے گا اور جو شخص دشمنوں سے محفوظ رہے گا اسے بھی خدا تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگی۔ انہیں موت کی کوئی پروا نہیں تھی اور وہ نہایت دلجمعی اور بے خوفی سے دشمن کا مقابلہ کرتے تھے۔ اس کے مقابلے میں ان کا دشمن محض قومی عصبیت کی خاطر لڑتا تھا۔ دشمن کے خلاف بھی اسے صرف عصبیت کی خاطر مدد ملتی تھی۔ ان میں سے ہر شخص کو موت کا خوف

رھتا تھا اور اسی خوف کی وجہ سے وہ اطمینان سے جنگ نہ کر سکتا تھا ۔ ظاھر ہے کہ اس صورت میں کامیابی اور کامرانی کے حق دار مسلمان ھی تھے ، ان کے دشمن اور مخالف نہیں ۔

(۲) دوسرا سبب مسلمانوں کی کامیابی کا عکاشہ اور ثابت کی شہادت ہے ، جنہیں حضرت خالد نے دریافت حال کے لئے اپنے لشکر سے آگے آگے روانہ کیا تھا ۔ جب مسلمانوں نے ان دونوں سرداروں کی لاشیں دیکھیں تو ان کے دلوں میں انتقام کے لئے زبردست جوش پیدا ھوا اور وہ بڑی بے جگری سے دشمنوں سے لڑے ۔

(۳) قبیلہ طے کے لوگوں کا حضرت خالد کے ساتھ مل جانا بھی مسلمانوں کے لئے بڑی تقویت کا باعث ھوا ۔ اس طرح نہ صرف مسلمانوں کی جمعیت میں اضافہ ھوا بلکہ مرتدین کی جمعیت میں معتدبہ کمی ھو گئی کیوں کہ ان کی فوج کا ایک بڑا حصہ ان سے کٹ کر مسلمانوں سے جا ملا ۔

(۴) عیینہ بن حصن کا عین اس وقت جب کہ لڑائی پورے زور شور سے جاری تھی ، اپنے قبیلہ بنو فزارہ کو ساتھ لے کر میدان جنگ سے بھاگ جانا بھی مسلمانوں کی فتح کا باعث بنا ۔ اس کے بھاگ جانے سے باقی لشکر میں بھی بددلی پھیل گئی اور اسی بددلی کے باعث جلد ھی اسے شکست اٹھانی پڑی ۔

(۵) خود طلیحہ اسدی ، جو لشکر کی روح رواں تھا ، اپنی فتح سے نا امید ھوگیا اور جس لشکر کا سردار ھی میدان جنگ سے بھاگنے کی نیت رکھتا ھو اس کی شکست میں کسے شبہ ھوسکتا ہے ۔

مالک بن نویرہ

رسول اللہ کی زندگی میں بنو تمیم کے ایک وفد نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ نے قبیلے کی مختلف شاخوں کے لئے مختلف امیر مقرر فرمائے۔ ان امرا میں زبرقان بن بدر، صفوان بن صفوان، قیس بن عاصم اور مالک بن نویرہ شامل تھے۔ جب ان لوگوں نے رسول اللہ کی وفات کی خبر سنی تو ان میں بعض بدستور اسلام پر قائم رہے اور حضرت ابوبکر صدیق کی خدمت میں زکواۃ بھیجتے رہے۔ بعض نے تردد کیا لیکن آخر کار دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ بعض نے زکواۃ روک دی اور حملے کے لئے تیار ہو گئے۔ مؤخر الذکر لوگوں میں مالک بن نویرہ* بھی شامل تھا۔

جب حضرت خالد، طلیحہ کی سرکوبی سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے بطاح† پہنچ کر مالک بن نویرہ سے مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مالک بھی حضرت خالد کے ارادہ سے باخبر تھا۔ اسی لئے اس نے پہلے ہی سے اپنی قوم کو منتشر ہونے کا حکم دے دیا۔

جب حضرت خالد بطاح پہنچے تو قبیلے کا کوئی فرد وہاں

* اس کا شجرہ نسب یہ ہے۔ مالک بن نویرہ بن جمرہ بن شداد بن عبید بن ثعلبہ بن یربوع (طبقات الشعراء از ابن سلام الجمحی صفحہ ۴۸۔ خزانۃ الادب از بغدادی جلد ۲ صفحہ ۱۹۔ اصابہ جلد ۶ صفحہ ۳۶)۔

† بطاح، بنو تمیم کی شاخ بنو ثعلبہ بن یربوع کا مسکن تھا۔ مالک بن نویرہ بھی اسی شاخ سے تعلق رکھتا تھا (معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۲۱۳)۔

موجود نہ تھا۔ آپ نے نواحی علاقوں میں فوجیں دستے بھیجے اور انہیں حکم دیا کہ وہ جس شخص سے بھی ملیں اسے دوبارہ اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔ اگر وہ دعوت قبول کر لے تو ٹھیک، ورنہ اسے قتل کر دیں۔ یہ حکم آپ نے حضرت صدیق کی ہدایت کے مطابق دیا تھا جو یہ تھا "جب تم کسی بستی کے قریب پہنچو تو اذان دو۔ اگر بستی والے بھی جواب میں اذان دینے لگیں تو ان سے کوئی تعرض نہ کرو۔ لیکن اگر وہ اذان نہ دیں تو انہیں قتل کر دو اور ان کا مال و اسباب چھین لو۔ جو قبیلہ اسلام لے آئے اس سے زکواۃ طلب کرو۔ اگر دے دے تو ٹھیک، ورنہ اسے بھی قتل کر ڈالو*"۔

ان دستوں میں سے، جو حضرت خالد نے روانہ کئے تھے، ایک دستے کو مالک بن نویرہ اپنے چند ہم قبیلہ (بنو ثعلبہ بن یربوع) سمیت مل گیا۔ چنانچہ وہ اسے اس کے ہمراہیوں کے ساتھ حضرت خالد کے پاس لے آئے۔ مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرنے والوں میں اختلاف ہوا۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ گرفتاری سے قبل ان لوگوں نے اذان نہیں دی تھی اور بعض لوگوں کا، جن میں پیش پیش رسول اللہ کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابوقتادہ تھے، یہ دعویٰ تھا کہ انہوں نے ان لوگوں کی بستی سے اذان کی آواز سنی تھی۔ جب دونوں گروہوں کے درمیان تصفیہ نہ ہوا تو حضرت خالد نے مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کو قید کرنے کا حکم دیا۔ رات بڑی سرد تھی۔ بعض روایات کے بموجب حضرت خالد نے ایک شخص کے ذریعے لشکر میں یہ منادی کرا دی:

* الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۴۲۔

دفئوا اسراکم (اپنے قیدیوں کو گرمی پہنچاؤ) ۔ کنانہ کی زبان میں "دافئاہ" کا لفظ قتل کرنے کے معنوں میں مستعمل ہوتا تھا۔ انہوں نے اس غلط فہمی میں ان قیدیوں کو جن میں مالک بن نویرہ بھی شامل تھا، قتل کر دیا۔ جب حضرت خالد نے شور و غوغا سنا تو وہ اپنے خیمے سے باہر آئے، لیکن اس وقت تک تمام قیدیوں کا کام تمام ہو چکا تھا۔ آپ نے فرمایا "جب خدا تعالیٰ کسی کام کا ارادہ کرلیتا ہے تو وہ ہو کر ہی رہتا ہے"۔ جس شخص نے مالک بن نویرہ کو قتل کیا وہ ضرار بن ازور تھے۔

حضرت ابوقتادہ نے یہ سب باتیں دیکھ کر غصے میں لشکر سے نکل کر سیدھے حضرت صدیق کی خدمت میں مدینہ پہنچے اور مالک اور اس کے ساتھیوں کے قتل کا سارا واقعہ ان کے گوش گذار کر دیا۔ حضرت صدیق لشکر چھوڑ آنے کی وجہ سے ان پر بہت ناراض ہوئے اور حکم دیا کہ وہ فی الفور واپس جا کر اپنے مقرر کردہ امیر کے ماتحت کام کریں اور ان کے احکام کی پوری اطاعت کریں۔ چنانچہ حضرت ابوقتادہ واپس گئے اور حضرت خالد کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے۔ جب حضرت خالد مدینہ منورہ لوٹے تو وہ بھی ان کے همراه آئے۔

ادھر حضرت عمر نے حضرت ابوبکر صدیق سے کہا کہ خالد نے مالک بن نویرہ کو قتل کر کے بہت برا کام کیا ہے، آپ ان سے مالک کا قصاص لیجئے اور انہیں معزول کر دیجئے۔ پہلے تو حضرت صدیق خاموش رہے لیکن جب حضرت عمر نے اپنی بات پر اصرار کیا تو آپ نے فرمایا "عمر! خالد سے محض ایک اجتہادی غلطی سرزد ہوئی ہے اس سے

اب تم ان کے متعلق زبان سے کچھ نہ نکالو۔ اللہ کی تلوار کو، جسے اس نے کافروں پر مسلط کیا ہوا ہے، میں میان میں ڈالنے والا کون ہوتا ہوں؟"۔ آپ نے حضرت خالد بن ولید کو بھی ایک خط لکھ کر مدینہ طلب فرمایا۔ چنانچہ حضرت خالد تشریف لائے۔ جب آپ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت عمر نے انہیں کافی سخت سست کہا۔ حضرت خالد اس اندیشے کے تحت کچھ نہ بولے کہ شاید حضرت صدیق کی رائے بھی ان کے متعلق وہی ہو جو حضرت عمر کی ہے۔ جب وہ حضرت صدیق کے پاس پہنچے تو انہوں نے تمام واقعہ عرض کیا اور مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کے قتل کے متعلق اپنا عذر پیش کیا، جسے حضرت صدیق نے قبول فرما لیا اور بیت المال سے مالک کا خون بہا ادا کر دیا۔ تاہم حضرت صدیق نے حضرت خالد کے مالک کی بیوہ سے شادی کرانے پر ناراضی کا اظہار فرمایا اور انہیں اسے طلاق دے دینے کا حکم دیا۔

مالک بن نویرہ کے قتل کی اصل حقیقت

مالک بن نویرہ کے واقعۂ قتل کے بیان کے بعد اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آیا مالک حضرت خالد کی آمد کے وقت مسلمان ہوچکا تھا یا بدستور ارتداد پر قائم تھا۔ اور اگر وہ اسلام قبول کرچکا تھا تو کیا حضرت خالد نے اسے جان بوجھ کر

* الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۴۲۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۴۲۔

حضرت صدیق کی سیاست یہ تھی کہ اس زمانے میں جبکہ دشمنوں کے ساتھ جنگیں جاری تھیں، عمال اور امراء کو چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر سرزنش کرنی مناسب نہیں ہے۔

میں کیا گیا یا اس کا قتل حضرت خالد کی ایک اجتہادی غلطی تھی؟

حقیقت یہ ہے کہ مالک کے قتل کے مقدمے کا صحیح فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے۔ کیوں کہ اس معاملہ میں اس قدر التباسات، شبہات اور اختلاف آراء ہیں کہ صحیح فیصلہ کرنا بہت دشوار ہے۔ علامہ ابن سلام بھی ہماری طرح یہی رائے رکھتے ہیں*۔ تاہم اس مسئلے میں کچھ نہ کچھ لکھنا ضروری ہے۔

جیسا کہ ہم نے لکھا ہے، مالک کے مسلمان ہونے کے معاملے میں بہت اشتباہ پایا جاتا ہے۔ بعض واقعات کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسے اسلام سے سخت دشمنی تھی اور وہ حضرت خالد کے پہنچنے تک ارتداد پر قائم تھا۔ لیکن ان واقعات سے ہٹ کر بعض دیگر واقعات پر غور کیا جائے تو انسان اس شک میں پڑ جاتا ہے کہ شاید اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

مالک کی اسلام دشمنی والے واقعات کا ذکر ہے ان میں سے ایک مشہور واقعہ یہ ہے کہ مالک نے رحرحان† کے چشمے کے قریب زکوٰۃ کے اونٹوں پر اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ حملہ کیا اور انہیں لوٹ لیا۔ حملے کے وقت وہ پکار پکار کر اپنے ہمراہیوں سے کہہ رہا تھا کہ یہ اونٹ تمہارا مال ہیں، انہیں لوٹ لو۔ اور یہ پروا نہ کرو کہ کل کیا وقوع میں آئے گا"۔

* طبقات الشعراء، ابن سلام الجمحی، صفحہ ۳۸۔

† رحرحان، بنو عبس کے ملک کا چشمہ تھا جو لوگوں کی ایک وادی میں واقع تھا۔ الخزانۃ الادب جلد ۲ صفحہ ۲۰۔

اقرع بن حابس اور قعقاع بن معبد دارمی نے مالک کو اس حرکت سے منع کیا اور کہا کہ تمہیں بالآخر اس حرکت کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اس لئے تم اس سے باز رہو۔ لیکن مالک نے اپنے قول کے مطابق پروا نہ کی کہ کل کیا پیش آئے گا۔ اس موقع پر اس نے یہ اشعار کہے:

أرانی الله بالنعم المندی
ببرقة رحرحان وقدأرانی
أان قرت عیون فاستفیئت
غنائم قدیجود بهابنانی
حویت جمیعها بالسیف صلتا
ولم ترعدیدای ولا جنانی
تمشی یاابن عوذة فی تمیم
وصاحبک الاقیرع تلحیانی

(اللہ نے مجھے رحرحان کی زمین پر اپنی خاص نعمت سے نوازا، اس نعمت کو میں نے ننگی تلوار سے اکٹھا کیا اور ایسا کرنے میں نہ میرے ہاتھ کانپے اور نہ میرا دل دھڑکا۔ اے ابن عوذہ! تو بنو تمیم میں دیکھ لے، تمام قبیلے میں میرے اس کارنامے کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے لیکن تو اور تیرا ساتھی اقرع مجھے اس پر لعنت ملامت کرتا ہے)۔

ان واقعات کی روشنی میں بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مالک قطعاً اسلام نہیں لایا تھا۔ اس ضمن میں یہ سوال بھی قابل غور ہے کہ اگر وہ واقعی اسلام لے آیا تھا تو جب اس نے حضرت خالد کے آنے کی خبر سنی تو آخر اس نے اپنی قوم کو منتشر ہونے کا کیوں حکم دیا اور کیوں حضرت خالد کے

سے بغیر لڑائی پیش نہ کی ، جبکہ اللہ تعالیٰ کے دوسرے ... [illegible]
ن ... وغیرہ پیدا کر چکے تھے ۔ اگر وہ ایسا کرتے
یقیناً اپنی جان کو اور اپنی قوم کو قتل ہونے سے بچا لیتے ۔

جس واقعے سے مالک کے اسلام لانے پر استدلال کیا جاتا ہے وہ رسول اللہ کے صحابی حضرت ابو قتادہ اور چند اور مسلمانوں کی یہ شہادت ہے کہ انہوں نے گرفتاری سے قبل مالک بن نویرہ کے ساتھیوں کی جانب سے اذان کی آواز سنی تھی ۔ حضرت ابو قتادہ جیسے جلیل القدر صحابی کی شہادت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ۔ خصوصاً اس حالت میں جبکہ انہیں اپنی شہادت کے صحیح ہونے کا اس درجہ یقین تھا کہ انہوں نے اس وجہ سے اپنے امیر کی مخالفت بھی گوارا کرلی اور عین دوران جہاد میں لشکر کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر کے پاس شکایت کرنے کے لئے مدینہ روانہ ہو گئے ۔ لیکن ان امور کے بعد ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدیق نے محض ابو قتادہ اور دیگر بعض افراد کی شہادت کے ... پر ... حضرت خالد سے طلب فرمایا ۔ حضرت عمرؓ کا اصرار تھا ، ... [illegible] ... کو قید کردینا جائز نہ تھا ۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت صدیق نے خالد کو اس حرکت کے بعد سرزنش فرمائی ہو ... [illegible] ... حضرت ابو قتادہ کے ساتھ ... خالد کے خلاف ہو کر

مرتدین سے لڑنا چھوڑ دیں ۔ خصوصاً اس صورت میں جبکہ فوج میں یہ خبر مشہور ہو چکی تھی کہ حضرت ابو قتادہ ، خالد کی شکایت لے کر مدینہ گئے ہیں اور ان کی شکایت پر حضرت عمر نے خالد کو معزول کر دینے پر اصرار کیا ہے ، حضرت صدیق نے یہی مناسب سمجھا کہ خالد کو طلب فرما کر اس واقعے کی تحقیقات کی جائے ۔ تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت صدیق نے خالد کے عذرات سننے کے بعد ان سے باز پرس نہیں کی ۔ گر خالد غلطی پر ہوتے تو حضرت صدیق انہیں قرار واقعی سزا ضرور دیتے ۔ حضرت صدیق کی وفات کے بعد جب خلافت حضرت عمر کے ہاتھ میں آئی تو حضرت عمر نے خالد کو مالک کے قصاص کے سلسلے میں کوئی سزا نہ دی ، حالانکہ حضرت عمر جیسے شخص کو ، جسے حق کے معاملے میں کسی شخص کی بھی پروا نہ تھی، کوئی طاقت خالد کو سزا دینے سے باز نہ رکھ سکتی تھی ۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حضرت صدیق نے صرف مالک بن نویرہ کا خون بہا ادا فرمایا اور دیگر مقتولین* کا ، جو بلا شبہ حضرت خالد کے حکم کے موجب قتل کئے گئے تھے ، خون بہا نہیں دیا ۔ اگر حضرت صدیق یہ سمجھتے کہ یہ لوگ حالت اسلام میں قتل کئے گئے ہیں تو خواہ آپ ان کے قاتلین سے قصاص نہ بھی لیتے تو کم از کم ان سب کا خون بہا ضرور ادا فرماتے ۔ اس واقعے سے یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ حضرت صدیق کا مالک کا خون بہا ادا کرنا اور دیگر قیدیوں کو رہا کر دینا اس غرض سے تھا کہ مالک کے بھائی متمم بن نویرہ اور اس کی قوم کو ڈھارس دی جائے اور اپنے سردار کے قتل کی

* مالک کے ساتھ بنو یربوع قبیلہ کے پینتالیس آدمی قتل کئے گئے تھے (خزانۃ الادب جلد ۲ صفحہ ۲۱) ۔

وجہ سے وہ جس مصیبت میں گرفتار ہو گئے تھے اس کا مداوا کیا جائے۔

ان واقعات اور حالات کی موجودگی میں ہمارے لئے یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ آیا مالک کا قتل حالت اسلام میں ہوا یا حالت ارتداد میں۔ ہم اس سلسلے میں صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ مالک کا اسلام لانا ثابت نہیں ہوتا لیکن اگر حضرت خالد سے قتل نہ کرتے تو یہ امر یقینی ہے کہ وہ بالآخر اسلام لے آتا۔

اس معاملے کے ایک اور پہلو پر بھی کچھ روشنی ڈالنا ضروری ہے۔ مالک بن نویرہ کے بارے میں مختلف روایات بیان ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت جو اوپر بھی بیان ہو چکی ہے، یہ ہے کہ خالد نے قیدیوں کے بارے میں حکم دیا کہ انہیں سردی سے بچایا جائے۔ آپ نے اس موقعے پر جو الفاظ استعمال کئے وہ یہ تھے "دافئوا أسراکم" لیکن ان الفاظ سے مسلمانوں میں غلط فہمی پیدا ہو گئی اور انہوں نے سمجھا کہ خالد قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم دے رہے ہیں چنانچہ انہوں نے اپنے قیدیوں کو قتل کر دیا۔

اسی ضمن میں منجملہ اور روایات کے ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عمرو بن عاص نے خالد کو یہ نصیحت کی تھی کہ اگر وہ مالک بن نویرہ کو دیکھیں تو اس وقت تک اس کا پیچھا نہ چھوڑیں جب تک اسے قتل نہ کر دیں*۔

جہاں تک پہلی روایت کا تعلق ہے اگر اسے صحیح مان لیا جائے تو حضرت خالد پر مالک اور اس کے ساتھیوں کے قتل کے

* طبقات شعراء لابن سلام، صفحہ ۱۷۰، مطبوعہ لندن۔

بارے میں کسی قسم کا الزام عائد نہیں ہو سکتا ۔ کیوں کہ حضرت خالد کا حکم قیدیوں کے متعلق یہ تھا کہ انہیں سردی سے بچایا جائے ۔ اگر لوگوں کو ان کا حکم سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی تو اس میں حضرت خالد کا کیا قصور ؟ ۔ لیکن بظاہر یہ روایت قابل اعتماد نہیں ہے کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو خالد بڑی آسانی سے یہ بات اپنی صفائی میں پیش کر سکتے تھے ۔ اس صورت میں دربار خلافت میں حضرت ابو قتادہ کے حاضر ہونے اور اس واقعے کے متعلق مسلمانوں میں ہیجان برپا ہونے کے بھی کوئی معنی نہیں تھے ۔

رہا دوسری روایت کا سوال ، تو اگر اسے صحیح سمجھ جائے تو اس بنا پر خالد کا مالک بن نویرہ کو قتل کرنا جائز نہ تھا کیوں کہ خالد ، حضرت عمرو بن العاص سے احکام حاصل نہیں کرتے تھے ۔ اس روایت میں یہ اشارہ بھی نہیں پایا جاتا کہ حضرت عمرو بن العاص نے خالد کو جو نصیحت کی وہ حضرت صدیق کے ارشاد یا ان کی رائے کے مطابق کی ۔

ہمارے خیال میں مالک بن نویرہ کے قتل کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں ۔

(۱) اس کے وہ اشعار ، جن میں اس نے کھلے بندوں اسلام سے انحراف کا اظہار کیا ہے اور اپنے لٹیرے ساتھیوں کو مسلمانوں کی پروا نہ کرنے کی تلقین کی ہے* ۔

(۲) حضرت صدیق کی وہ ہدایت ، جس میں صاف طور پر ان لوگوں سے لڑنے کا حکم ہے جو زکوٰۃ دینے پر آمادہ نہ ہوں ۔ مالک نے زکوٰۃ دینے سے پس و پیش کیا تھا اس لئے اس کا

* طبقات الشعراء لابن سلام صفحہ ۵۰ ۔

قتل در حقیقت خلیفہ کے [illegible] میں [illegible]۔

(۲) [illegible] سے فارغ ہونے کے بعد حضرت خالد کے نام حضرت صدیق کا خط، جس میں آپ نے لکھا تھا [illegible] پوری ذمہ داری کے [illegible] اور اس [illegible] سستی نہ کرنا۔ اگر کسی ایسے شخص پر [illegible] جس نے مسلمانوں کو قتل [illegible] تو [illegible] قتل کر دو [illegible] دوسرے [illegible] اُن کے [illegible] میں سے [illegible] اور تمہاری [illegible] مسلمانوں کی [illegible] بھی قتل کر دو۔

(۳) [illegible] کی گرفتاری کے بعد جب حضرت خالد [illegible] زکوٰۃ دینے [illegible] حضرت خالد نے اس [illegible] زکوٰۃ [illegible] تمہارے [illegible] حضرت [illegible] حضرت خالد [illegible]

* الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۴۲۔

تمہارے صاحب نے تمہیں یہی حکم دیا ہے؟" گفتگو کے اس انداز سے حضرت خالد نے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ بدستور اسلام اور رسول اللہ کی رسالت سے انکاری ہے۔ مستند کتب تاریخ میں مالک بن نویرہ کے قتل کی یہی آخری وجہ بیان ہوئی ہے اور تمام مؤرخین اس گفتگو پر، جو اوپر ذکر ہوئی ہے، متفق ہیں*۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ وجوہات شک و شبہ سے خالی نہیں اور شبہے کی بنا پر شریعت اسلامی نے کسی شخص کا قتل روا نہیں رکھا۔ یہ وجوہات اگرچہ شک و شبہ سے خالی تو نہیں لیکن یہ شبہات معمولی نہیں، بلکہ بڑے قوی ہیں کہ حضرت خالد کے لئے مالک کے قتل کا پورا جواز پیش کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ایک ضروری بات یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اگر ان سب وجوہات کو علیحدہ علیحدہ دیکھا جائے تو ان میں سے کوئی ایک وجہ قتل کا جواز نہیں ٹھیرتی۔ لیکن جب ان تمام کو بیک وقت ملحوظ خاطر رکھا جائے تو حضرت خالد کا فعل بالکل حق بجانب ٹھیرتا ہے۔

حضرت صدیق نے خالد کے بارے میں جو فیصلہ دیا وہ بالکل درست تھا۔ جب حضرت عمر نے خالد سے باز پرس کرنے پر اصرار کرنا شروع کیا تو حضرت صدیق نے فرمایا "عمر! خالد سے اجتہادی غلطی سرزد ہوئی ہے، اس لئے تم ان کے متعلق کچھ نہ کہو" حضرت صدیق سے یہ بات بالکل بعید تھی کہ آپ کسی کی رعایت کرتے ہوئے کوئی غلط فیصلہ صادر فرما دیتے۔

* الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۴۱۔ طبقات الشعراء لابن سلام صفحہ ۴۹۔ الاصابہ جلد ۶ صفحہ ۳۶۔ المختصر لابی الفداء جلد اول صفحہ ۱۵۸۔

جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت صدیق، خالد سے نہ صرف خوش رہے بلکہ مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کی اہم مہم بھی انہی کے سپرد کردی، تو ہمارے لئے یہ باور کرنے میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا کہ خالد کے عذرات کو بارگاہ خلافت میں شرف قبولیت حاصل ہو گیا تھا۔ اور یہ کہ انہوں نے مالک کو صرف اس لئے قتل کیا کہ ان کے خیال میں وہ بدستور ارتداد پر قائم تھا۔ یہ اور بات ہے کہ ان کا خیال در حقیقت صحیح تھا یا غلط۔ اگر حضرت صدیق کے نزدیک خالد کا عذر قابل قبول نہ ہوتا تو آپ خواہ ان سے قصاص نہ بھی لیتے تو کم از کم انہیں امارت سے ضرور معزول کر دیتے۔

ابھی ایک اور مسئلہ باقی رہتا ہے جس کا تعلق ابھی مالک کے قتل سے ہے اور وہ ہے مالک کے قتل کے بعد حضرت خالد کا اس کی بیوی سے شادی کر لینے کا واقعہ۔ حضرت خالد کے خلاف شور و شغب کی ایک بڑی وجہ یہ شادی بھی تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگوں کی نظروں میں اس واقعے کی اہمیت اس وجہ سے تھی کہ یہ فعل حضرت خالد جیسے جلیل القدر انسان سے سرزد ہوا۔ اگر یہی فعل کسی چھوٹے اور غیر معروف انسان سے سرزد ہوتا تو اس کی پروا بھی نہ کی جاتی اور کسی کو اس واقعہ کا علم بھی نہ ہوتا، لیکن چونکہ اس کا ارتکاب ایک بڑے انسان سے ہوا اس لئے اسے اس طرح ظاہر کیا گیا کہ گویا کسی اجلے اور سفید کپڑے پر ایک بدنما سیاہ داغ پڑ گیا ہے۔

یہ واقعہ بھی شکوک و شبہات اور التباس سے خالی نہیں۔ تاریخ کوئی تشفی فیصلہ نہیں کرتی۔ بعض مؤرخین لکھتے ہیں

کہ خالد نے مالک کی بیوی کو خرید لیا اور فوراً ہی اس سے شادی کرلی - لیکن بعض کا کہنا ہے کہ شادی عدت کی میعاد گزرنے کے بعد ہوئی* - اگر ہم یہ مان لیں کہ مالک حالت کفر میں قتل کیا گیا اور اس کے قتل کے بعد خالد نے اس کی بیوی کو، جسے لونڈی بنا لیا گیا تھا، خرید کر اس سے شادی کرلی، تو اس میں بظاہر کوئی قابل اعتراض بات معلوم نہیں ہوتی - لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مالک حالت اسلام میں قتل کیا گیا تھا، تب بلاشبہ خالد کا یہ فعل قابل اعتراض ہے - تاہم لڑائی کے زمانے میں خالد کا اس سے شادی کرنا بہر حال نا مناسب تھا، کیوں کہ عرب اس چیز کو برا سمجھتے تھے - اسی لئے حضرت صدیق نے بھی خالد کو اس معاملے میں سرزنش کی اور انہیں اسے طلاق دینے کا حکم دیا - ہمیں قطعی طور پر یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ خالد نے اسے طلاق کب دی - بہرحال یہ امر یقینی ہے کہ آپ نے یہ طلاق جنگ یمامہ کے بعد دی کیوں کہ اس جنگ میں مسیلمہ کے لشکر کے بعض لوگ خالد کے خیمے میں گھسنے میں کامیاب ہوگئے تھے اور اس وقت آپ کے خیمے میں ام تمیم (مالک کی بیوی) موجود تھی - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے اس حملے کے بعد طلاق دی گئی -

بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ مالک کی بیوی ہی مالک کے قتل کا سبب بنی کیوں کہ وہ بے حد خوبصورت تھی اور اس کی خوبصورتی نے خالد کے دل کو موہ لیا تھا - یہ مؤرخین اپنے دعوے کا ثبوت یہ پیش کرتے ہیں کہ قتل کے

* المختصر لابی الفداء جلد اول صفحہ ۱۵۷ - طبقات الشعراء لابن سلام صفحہ ۵۰ - الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۴۳ -

وقت مالک نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ "مجھے اور میں نے نہیں بلکہ تو نے قتل کیا ہے"۔ کوئی مسلمان بھی، جس کے دل میں اپنے اسلاف کی کچھ بھی قدر و منزلت ہو، خالد جیسے جلیل القدر صحابی۔ کسی اور صحابی کے متعلق یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ انہوں نے شہوات نفسانیہ کی خاطر کسی شخص کو قتل کیا۔ حضرت خالد نے بھی جب مالک کی یہ بات سنی تو آپ نے فرمایا "مجھے تیری بیوی نے نہیں، بلکہ تیرے ارتداد کے سبب اللہ تعالیٰ نے قتل کیا ہے"۔

شاید حضرت خالد نے مالک کی بیوی سے شادی کرلی۔ سبب یہ ہو کہ خالد اس مصیبت اور تکلیف کا مداوا کرنا چاہتے ہوں جو مالک کی بیوی کو اپنے خاوند کے قتل سے پہنچی تھی اور اس کی ترکیب آپ کی سمجھ میں یہی آئی کہ آپ خود اس سے شادی کرلیں تاکہ اس کی خاطرخواہ دلدہی ہوسکے اور اسے بہادر اور شاعر مزاج خاوند کے بدلے ایک ایسا شوہر مل سکے جو بہادری اور شجاعت میں اپنی مثال آپ ہو اور سیادت میں اس کا کوئی ثانی نہ ہو۔

مسیلمہ کذاب

دیگر قبائل کی طرح بنو حنیفہ کا بھی ایک وفد رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اس وفد میں مسیلمہ کذاب بھی تھا۔ مدینہ پہنچ کر باقی لوگ تو رسول اللہ کی خدمت میں چلے

* مختصر الدول ابو الفداء جلد اول صفحہ ۱۵۷۔ الاصابہ جلد ۲ صفحہ ۳۷۔

گئے، لیکن مسیلمہ ان کے سامان کی رکھوالی کے لئے ڈیرے پر ھی ٹھیرا رھا ۔ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر وفد نے اسلام قبول کیا ۔ آپ نے انہیں کچھ مال مرحمت فرمایا ۔ انہوں نے مسیلمہ کا بھی ذکر کیا ۔ اس پر حضور نے اس کا حصہ بھی اس کے ساتھیوں کو دیا اور فرمایا "وہ ایسا شخص نہیں ھے جو ساتھیوں کے سامان کی رکھوالی کرنے کے لئے پیچھے چھوڑ دیا جائے"۔ جب بنو حنیفہ اپنے قبیلے میں واپس پہنچے تو مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کردیا اور وفد سے کہا "کیا تم سے رسول اللہ نے نہیں کہا تھا کہ وہ ایسا شخص نہیں ھے جو ساتھیوں کے سامان کی رکھوالی کرنے کے لئے پیچھے چھوڑ دیا جائے۔ وہ میرا مرتبہ پہچانتے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ میں ان کے ساتھ نبوت میں شریک کیا گیا ھوں"۔ اس نے بعض مسجع مقفع عبارتیں بنا کر اپنے قبیلے کے سامنے بطور وحی پیش کیں اور شراب اور زنا وغیرہ مفاسد کو ان کے لئے حلال قرار دیا ۔ بنو حنیفہ نے اس کی اطاعت قبول کرلی اور اسے ہر قسم کی مدد دینے کے لئے تیار ھو گئے۔ اس کے بعد اس نے رسول اللہ کو ایک خط بھیجا جس کا مضمون یہ تھا :

"من مسیلمۃ رسول اللہ الی محمد رسول اللہ ۔ سلام علیک فانی قد اشرکت فی الامر معک وان لنا نصف الارض ولقریش نصف الارض ولکن قریشا قوم یعتدون"۔

(یہ خط مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کے نام ھے ۔ آپ پر سلامتی ھو آپ کو یہ معلوم ھونا چاھئے کہ مجھے نبوت میں آپ کا شریک کیا گیا ھے ۔ نصف زمین میری ھے اور نصف زمین قریش کی ۔ لیکن قریش بہت زیادتی کرنے والی قوم ھے) نبی کریم صلعم نے اس کا یہ جواب دیا :

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من محمد رسول اللہ الی مسیلمة الکذاب۔ سلام علی من اتبع الھدی۔ اما بعد، فان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبة للمتقین*"۔

(بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ خط محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام ہے۔ سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اس کے بعد واضح ہو کہ زمین خدا تعالیٰ کی ملکیت ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے۔ انجام انہی کا بہتر ہوتا ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں۔

رسول اللہ کی وفات کے بعد مسیلمہ کا فتنہ اور زور پکڑ گیا۔ اس فتنے کو بھڑکانے میں زیادہ حصہ الرجال بن عنفوہ کا تھا†۔ یہ شخص ہجرت کر کے مدینہ میں مقیم ہو گیا تھا۔ اس نے رسول اللہ کی صحبت میں رہ کر قرآن کریم اور دین کا علم حاصل کیا تھا۔ جب اہل یمامہ مدینہ آئے تو رسول اللہ نے اسے یمامہ والوں کی تعلیم و تربیت اور دین سکھانے کے لئے ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔ وہاں پہنچ کر بجائے اس کے کہ وہ اپنا مفوضہ کام سر انجام دیتا، اس نے مسیلمہ کی مدد کرنی شروع کی اور قبیلے کے سامنے اس بات کی شہادت دی کہ محمد صلعم نے یہ فرمایا تھا کہ مسیلمہ کو آپ کے ساتھ نبوت میں شریک کیا گیا ہے۔ اہل یمامہ کے لئے مسیلمہ کے حق میں اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا تھا۔ وہ جوق در جوق مسیلمہ کی اطاعت قبول کرنے لگے اور اس طرح ایک زبردست فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔

جب حضرت صدیق نے مختلف امراء کو مرتدین سے لڑنے کے لئے

* الطبری جلد ۳ صفحہ ١٦٧۔

† الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۸۲۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۲۲۔

جانے مرحمت فرمائے تھے تو عکرمہ بن ابو جہل نے مسیلمہ سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔ عکرمہ کی مدد کے لئے آپ نے شرحبیل بن حسنہ کو بھی فوج دے کر ان کے پیچھے پیچھے روانہ فرمایا۔ عکرمہ نے اس خیال سے کہ مسیلمہ کی سرکوبی کا فخر انہی کے حصہ میں آئے، شرحبیل کی آمد کا انتظار نہ کیا اور بنو حنیفہ پر دھاوا بول دیا۔ بنو حنیفہ بھی کچھ کم تیار نہ تھے۔ انہوں نے زبردست حملہ کر کے عکرمہ کی فوج کو پیچھے ہٹا دیا۔ جب حضرت صدیق اکبر کو عکرمہ کی ہزیمت کی خبر پہنچی تو آپ نے شرحبیل بن حسنہ کو لکھا کہ وہ اپنی پیش قدمی کو موقوف کر کے اس لشکر کا انتظار کریں جو خالد کی سرکردگی میں بھیجا جا رہا ہے۔ شرحبیل کو چاہئے تھا کہ وہ عکرمہ کی شکست سے سبق حاصل کرتے، لیکن ان سے بھی وہی غلطی سرزد ہوئی جو عکرمہ سے ہوئی تھی۔ انہوں نے بھی حضرت خالد کی آمد کا انتظار کئے بغیر مسیلمہ کی فوج پر حملہ کر دیا۔ مسیلمہ کی ٹڈی دل فوج کے مقابلے میں شرحبیل کی فوج بھی نہ ٹھہر سکی اور اسے بھی شکست کھا کر پیچھے ہٹنا پڑا۔

خالد کو حضرت صدیق نے مالک بن نویرہ کے قتل کی جواب دہی کے لئے مدینہ طلب فرمایا تھا۔ حضرت خالد کی معذرت کو قبول کرنے کے بعد آپ نے انہیں مسیلمہ سے لڑنے کے لئے یمامہ جانے کا حکم دیا اور مہاجرین و انصار کی ایک جمعیت آپ کے ساتھ کر دی۔ انصار پر ثابت بن قیس بن شماس امیر تھے اور مہاجرین پر ابو حذیفہ اور زید بن خطاب۔ مہاجرین اور انصار کے علاوہ جو دوسرے قبائل اس فوج میں شامل تھے ان میں سے ہر ایک پر ایک ایک امیر مقرر تھا۔ حضرت خالد

بلد بطاح فتح کر کے یمامہ پہنچے تو وہاں بہت بڑی لڑائی ہوئی۔ اس کے بعد وہ آگے بڑھے اور مسیلمہ کے علاقے میں پہنچ گئے۔ حضرت صدیق نے خالد کے روانہ ہونے کے بعد سلیط کو مسلمانوں کی ایک جمعیت کے ساتھ روانہ کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ عقب میں رہ کر اس کی حفاظت کریں تاکہ دشمن مسلمانوں کی فوج پر بے خبری میں پیچھے سے حملہ نہ کر سکے۔

جب خالد مرتدین کے پاس پہنچے اور انہیں ان کی علامت کا حال معلوم ہوا تو وہ مرتدین پر جب لڑنے کو نکلے تو انہوں نے خلیفہ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے شرحبیل نے مسیلمہ کی فوج پر تنہا حملہ نہیں کر دیا اور ان کے آنے کا انتظار نہیں کیا۔

جب مسیلمہ کو حضرت خالد کی آمد کا علم ہوا تو وہ چالیس ہزار کی عظیم الشان جمعیت لے کر نکلا اور "عقربا"[۱] میں پڑاؤ ڈال دیا۔ خالد بھی اپنی فوج کے ہمراہ وہاں پہنچ گئے۔ دونوں فوجیں میدان میں ڈٹ گئیں۔ حضرت خالد نے میمنہ اور میسرہ پر زید بن خطاب اور ابو حذیفہ کو مقرر کیا۔ خود مقدمہ پر رہے۔ مرتدین بھی مقابلہ میں آئے۔ ادھر مسیلمہ کے میمنہ

* الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۳۳ -

۱ عقربا، یمامہ کی ایک بستی جو "حجر" سے راستے میں پڑتی تھی۔ "المعرض" کے قریب ہی "عرضی" سے قریب واقع تھی۔ یہ جگہ یمامہ کی سرحد پر تھی اور یمامہ کا زرخیز علاقہ اس کے قریب تھا۔ مسیلمہ نے یہاں اس لئے پڑاؤ ڈالا تھا کہ مسلمان یمامہ کی سرزمین کو روندنے نہ پائیں اور وہ شکست و فتح ہونے تک ساتھ رہے (معجم البلدان جلد ۶ صفحہ ۱۹۰)۔

اور میسرہ پر محکم الیمامہ* اور الرجال بن عنفوہ مقرر تھے۔ الرجال بن عنفوہ ہی سب سے پہلے میدان جنگ میں مسلمانوں کے مقابلے کے لئے نکلا۔ اسے عبدالرحمان بن ابوبکر نے تیر مار کر ہلاک کر دیا۔

جنگ شروع ہوئی، رفتہ رفتہ لڑائی میں شدت پیدا ہوتی گئی۔ دونوں فریقوں میں سے کوئی فریق بھی پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہ تھا۔ دونوں طرف سے سر دھڑ کی بازی لگی ہوئی تھی۔

حضرت خالد تمام صورت حال پر کڑی نظر رکھ رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ اگر لڑائی اسی شدت سے جاری رہی اور بنوحنیفہ اسی طرح بے جگری سے مقابلہ کرتے رہے تو مہاجرین اور انصار کو چھوڑ کر دیگر قبائل عرب جو فوج میں شامل ہیں ہمت ہار بیٹھیں گے جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ مہاجرین اور انصار کی طاقت کو بھی کم کر دیں گے اور اس طرح لشکر کے نظم و ضبط میں سخت خلل واقع ہو جائے گا اور شکست یقینی ہو جائے گی۔ اس موقع پر انہوں نے اپنی جنگی تدابیر سے کام لیا اور لشکر کو یہ حکم دیا کہ ہر قبیلہ علیحدہ علیحدہ ہو جائے اور علیحدہ علیحدہ ہو کر ہی دشمن کا مقابلہ کرے تا کہ ہم دیکھ سکیں کہ کس نے کیا کارہائے نمایاں سرانجام دئیے۔ اس تدبیر کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ ہر قبیلے نے یہ محسوس کیا کہ اگر اس نے اس موقع پر بزدلی دکھائی اور فرار اختیار کیا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے

* الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۴۸۔ اسے زید بن خطاب نے قتل کیا تھا۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۴۰۔ فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۹۴۔

ان کی عزت جاتی رہے گی۔ چنانچہ مسلمانوں نے دگنی بہادری سے لڑنا شروع کر دیا۔

مسلمان بڑی بہادری سے جنگ کر رہے تھے مگر بنو حنیفہ کی جانب سے پیچھے ہٹنے کے آثار بالکل دکھائی نہ دیتے تھے اور وہ بدستور میدان جنگ میں ڈٹے ہوئے مسلمانوں پر زور دار حملے کر رہے تھے۔ حضرت خالد نے سمجھ لیا کہ جب تک مسیلمہ قتل نہ ہوگا بنو حنیفہ کا زور کم نہیں ہوگا۔ چنانچہ آپ نے اسے دعوت مبارزت دی جو اس نے قبول کر لی۔ آپ آگے بڑھے اور اس کے سامنے بعض ایسی شرائط صلح پیش کرنی شروع کیں جو سراسر اس کے حق میں جاتی تھیں۔ ہر شرط پر مسیلمہ اپنا منہ اس طرح پھیر لیتا تھا گویا وہ خدا سے مشورہ کر رہا ہے۔ ایک دفعہ جیسے ہی مسیلمہ نے منہ موڑا حضرت خالد اس پر جھپٹ پڑے۔ مسیلمہ کوئی چارہ کار نہ دیکھ کر بھاگا اور قریب ہی ایک باغ میں گھس گیا۔ اپنے سردار کو بھاگتے دیکھ کر بنو حنیفہ کے پاؤں اکھڑ گئے اور انہوں نے سمجھا کہ شکست ہو گئی۔ یہ حالت دیکھ کر محکم بن طفیل نے پکارنا شروع کیا "اے لوگو! باغ میں داخل ہو جاؤ، اے لوگو! باغ میں داخل ہو جاؤ"۔ چنانچہ بنو حنیفہ بھی باغ میں داخل ہونے لگے اور جب سب داخل ہو گئے تو باغ کا دروازہ بند کر لیا گیا۔

لڑائی کا یہ مرحلہ مسلمانوں کے لئے سخت مشکل ہوا۔ ابھی بنو حنیفہ میں لڑنے کی طاقت باقی تھی اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ ان کا مدعی نبوت مسیلمہ ابھی زندہ موجود تھا۔ حضرت براء بن مالک نے مسلمانوں سے کہا کہ تم مجھے اٹھا کر باغ کی دیوار کے اندر پھینک دو۔ میں جا کر دروازہ کھول دوں گا۔ مسلمانوں نے

اس طرح گوارہ کر سکتے نہیں کہ وہ اپنے ایک بزرگ صحابی کو خود اپنے ہاتھوں موت کے منہ میں ڈال دیں۔ سب نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اگر تم مجھے نہیں پھینکتے تو میں خود جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر ایک جست لگائی اور دیوار پر پہنچ گئے۔ وہاں سے وہ باغ کے اندر کودے اور لڑتے بھڑتے دروازے تک پہنچ گئے اور اسے کھول دیا۔ مسلمانوں کی فوج جو منتظر کھڑی تھی، فوراً باغ میں داخل ہوگئی۔ باغ کے اندر شدید جنگ ہوئی جس میں مسیلمہ مارا گیا*۔ اس کے مارے جانے سے بنو حنیفہ کی ہمت ٹوٹ گئی اور وہ پسپا ہونے لگے۔ مسلمانوں نے انہیں ہر طرف سے گھیر کر قتل کرنا شروع کیا اور ان کی لاشوں سے سارا باغ پٹ گیا۔ اس دن لڑائی میں بنو حنیفہ کے اکیس ہزار آدمی مارے گئے۔ سات ہزار عقرباء کے میدان جنگ میں قتل ہوئے، سات ہزار باغ میں مارے گئے اور سات ہزار بھاگنے کی کوشش میں کھیت رہے۔ مسلمان شہداء کی تعداد ایک ہزار تھی جن میں کلام اللہ کے حافظ کثرت سے تھے۔ شہداء میں تین سو ساٹھ مہاجرین اور انصار بھی تھے†۔

لڑائی شروع ہونے سے پہلے مسیلمہ نے قبیلے کے ایک سردار مجاعہ بن مرارہ کو ساٹھ آدمیوں کی ایک جماعت کے ساتھ بنو عامر

* مسیلمہ کو وحشی (جبیر بن مطعم کا غلام اور حضرت حمزہ کا قاتل) اور ایک انصاری نے مل کر قتل کیا تھا (الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۸۸ - ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۷۷ - فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۹۵ و ۹۶)۔

† الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۵۲۔

مسلمانوں سے مقابلے کے لئے بھیجا تھا*۔ مجاعہ کا دستہ اسلامی لشکر کے مقدمۃ الجیش سے مل گیا جس میں اس کے تمام ساتھی قتل ہو گئے۔ مجاعہ گرفتار کر لیا گیا تھا اور اس خیال سے اسے امان دے دی گئی تھی کہ ممکن ہے آگے چل کر اس کے ذریعے کوئی کام نکل سکے۔ اسے لشکر کے ساتھ قیدی کے طور پر شامل رکھا گیا تھا۔ جب بنو حنیفہ کا استیصال ہو گیا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی تو مجاعہ نے موقع پا کر حضرت خالد سے کہا کہ آپ یہ نہ سمجھیں کہ آپ نے بنو حنیفہ پر فتح حاصل کر لی ہے۔ یمامہ کے شہر میں جنگجوؤں کی ایک بھاری تعداد [illegible] ابھی تک موجود ہے۔ وہ ہر قیمت پر آپ کا مقابلہ کریں گے۔ اگر آپ لڑائی سے بچنا چاہتے ہیں تو مجھے کچھ دیر کے لئے شہر میں جانے کی اجازت دے دیجئے تا کہ میں انہیں صلح کے لئے ہموار کر سکوں۔ حضرت خالد نے مجاعہ کو اجازت مرحمت فرما دی [illegible] صلح [illegible] کی [illegible] ہو گی۔ ان کے متعلق [illegible] سمجھیں گے [illegible] ہے۔ جب مجاعہ شہر میں گیا تو اس نے وہاں [illegible] زرہ [illegible] پہنا کر [illegible] وہ قلعے کی فصیل پر [illegible] تا کہ مسلمان انہیں دیکھ کر دھوکا کھا جائیں اور [illegible] طرف سے [illegible] صلح پر [illegible] مجاعہ نے [illegible] کر [illegible] گئے۔ اس کے بعد حضرت خالد کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: "میری قوم آپ کی شرائط پر صلح کرنے پر راضی نہیں ہے۔ میں نے

* الطبری جلد ۳ صفحہ ۲۳۶۔

آپ سے جو کچھ عہد و پیمان کیا تھا وہ اسے قبول کرنے کے لئے قطعاً تیار نہیں"۔

حضرت خالد نے جب فصیل کی طرف نظر دوڑائی تو انہوں نے دیکھا کہ جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے فصیل پر سپاہی ہی سپاہی نظر آتے ہیں جو سرتاپا لوہے میں غرق ہیں اور ان کے ہاتھوں میں تلواریں اور نیزے چمک رہے ہیں۔ مسلمان جنگ سے اکتا چکے تھے اور ان کی عین خواہش تھی کہ جو فتح انہوں نے بنو حنیفہ پر حاصل کی ہے اسی پر اکتفا کریں اور مزید جنگ و جدل سے پرہیز کریں۔ حضرت خالد نے سوچا کہ اگر دوبارہ جنگ چھڑ گئی تو نہ معلوم کیا انجام ہو اس لئے آپ نے اس بات پر رضامندی ظاہر کر دی کہ نصف مال و اسباب، نصف مزروعہ باغات اور نصف قیدیوں کو بنو حنیفہ کے لئے چھوڑ دیں گے۔ مجاعہ پھر شہر میں گیا اور واپس آ کر حضرت خالد سے کہا کہ وہ لوگ ان شرائط پر مبنی صلح کرنے پر رضامند نہیں ہیں، آپ چوتھائی مال و اسباب لینے پر راضی ہو جائیں۔ حضرت خالد نے یہی منظور کر لیا اور صلح نامہ لکھا گیا۔ صلح کے بعد جب آپ شہر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہاں عورتیں، بچے اور بوڑھے تو ہیں لیکن کسی جوان مرد کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ آپ نے مجاعہ سے اس فریب دہی کا سبب پوچھا تو اس نے کہا "میری قوم تباہ ہو جاتی، میرا فرض تھا کہ ان کی جان بچاؤں"۔ حضرت خالد نے یہ عذر قبول کر لیا اور صلح نامے کو برقرار رکھا۔

کچھ عرصے کے بعد حضرت صدیق کا خط خالد کے پاس پہنچا جس میں آپ کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ بنی حنیفہ کے ہر بالغ شخص کو قتل کر دیں۔ لیکن خالد صلح کر چکے تھے اور

صلح نامے پر ان کے دستخط ثبت ہو چکے ہیں، اب آپ اسے کس طرح توڑ سکتے تھے؟ چنانچہ آپ نے حضرت صدیق کو اپنی معذوری سے مطلع کر دیا جسے انہوں نے قبول کر لیا۔

صلح کے بعد بنو حنیفہ نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت خالد نے ان کا ایک وفد حضرت صدیق کی خدمت میں روانہ کیا۔ جب یہ وفد آپ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے ان لوگوں سے پوچھا "آخر کس بات پر تم مسیلمہ کذاب کے فریب میں آ گئے"۔ انہوں نے عرض کیا "اے خلیفۂ رسول اللہ! آپ کو ہمارا سب حال معلوم ہے۔ مسیلمہ بے حد منحوس تھا اس سے نہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچا اور نہ اس کے خاندان اور قبیلے کو"۔ حضرت صدیق نے بعض آیات جو مسیلمہ کے بیان کے مطابق اس پر نازل ہوئی تھیں، سننے کی خواہش کی۔ چنانچہ وفد نے چند "آیات" سنائیں۔ انہیں سن کر حضرت صدیق نے حد تعجب کا اظہار کیا اور فرمایا "ایسی باتیں تو ایک احمق و فاجر شخص ہی کی زبان سے نکل سکتی ہیں۔ آخر تمہاری عقلوں پر کیا پتھر پڑ گئے تھے کہ تم ایسے شخص پر ایمان لے آئے"۔

بنو حنیفہ کے ساتھ جنگ و صلح کے بیان کے بعد اب ہم ان اسباب پر غور کرتے ہیں جن کی بنا پر مسیلمہ کو وہ قوت و طاقت نصیب ہوئی جو دوسرے مدعیانِ نبوت کے حصے میں نہ آئی۔ ہمارے خیال میں مسیلمہ کی قوت و طاقت کے اسباب مندرجہ ذیل تھے:-

(۱) لوگوں کی یہ شہادت کہ انہوں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ مسیلمہ کو آپ کے ساتھ نبوت میں شریک کیا گیا ہے۔ جب بنو حنیفہ نے دیکھا کہ رسول اللہ نے نہار کو معلم دین

مسیلمہ کی تصدیق کر رہے تھے تو ان کے پاس شک کرنے کی کوئی گنجائش نہ رہی اور وہ کثرت سے مسیلمہ کی پیروی اختیار کرنے لگے۔ بنو حنیفہ کے کئی لوگوں نے صدق دل سے مسیلمہ کی نصرت پر ایمان لاتے ہوئے مسلمانوں سے جنگ کی تھی۔

(۲) بنو حنیفہ اپنے شہروں اور عزت و ناموس کی حفاظت کی خاطر جنگ کر رہے تھے۔ چنانچہ جب فریقین میں جنگ چھڑنے کا وقت آیا تو مسیلمہ کذاب کے بیٹے شرجیل نے بنو حنیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "آج تمہاری غیرت کے امتحان کا دن ہے۔ اگر تم نے شکست کھائی تو تمہاری بیویاں اور بیٹیاں لونڈیاں بنیں گی۔ اپنے حسب و نسب ننگ و ناموس اور بیویوں، بیٹیوں کی حفاظت کی خاطر دشمنوں سے جنگ کرو۔"

(۳) بنو حنیفہ اپنے علاقے اور اس کے راستوں، پہاڑوں اور گھاٹیوں سے خوب واقف تھے۔ لیکن مسلمان اس علاقے سے بالکل ناواقف تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ فریق جو کسی علاقے کے چپے چپے سے واقف ہو، ناواقف فریق کے مقابلے میں دل جمعی کے ساتھ لڑ سکے گا۔

(۴) عکرمہ کو شکست دینے کے بعد بنو حنیفہ کی ہمتیں بڑھ گئی تھیں۔ اس کے بعد جب انہوں نے شرجیل کے لشکر کو بھی شکست دے دی تو ان کی قوت، جرأت اور ہمت میں بے حد اضافہ ہو گیا اور ان میں وہ روح سرایت کر گئی جس کا دوسرے مدعیان نبوت کے پیروکاروں میں نام و نشان تک نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت خالد نے ان پر حملہ کیا تو انہوں نے ان کا اس دلیری اور ہمت کے ساتھ مقابلہ کیا کہ اگر خدا تعالیٰ کا خاص فضل شامل حال نہ ہوتا تو مسلمانوں کی شکست میں کوئی

کسر نہ رہ گئی تھی۔

ان امور کی موجودگی میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مسیلمہ کی فوج اور حکمرانی کے اس قدر اسباب مہیا ہو گئے تھے، مزید برآں اس کا لشکر بھی مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ تھا تو اس کی شکست کی وجوہات کیا تھیں اور وہ کیا عوامل تھے جنہوں نے مسلمانوں کو دشمن پر کامران ہونے میں مدد دی؟ جہاں تک ہم نے غور کیا ہے وہ عوامل مندرجہ ذیل تھے:—

(۱) حضرت خالد کا یہ حکم کہ ہر قبیلہ علیحدہ علیحدہ ہو کر جنگ کرے تاکہ معلوم ہو سکے کہ کس قبیلے نے زیادہ جوانمردی اور شجاعت سے دشمنوں کا مقابلہ کیا اور کس نے بزدلی دکھائی۔ اس کارروائی کا فوج کے دل پر بڑا اچھا اثر ہوا اور اہل عرب جنہیں اپنی بزرگی اور شرافت، بہادری اور شجاعت پر ناز تھا میدان جنگ سے پیچھے ہٹنے کی جرأت نہ کر سکے۔

(۲) لشکروں کے درمیان کھڑے ہو کر حضرت خالد کا دعوت مبارزت دینا۔ آپ ایک شیر کی مانند میدان جنگ میں گرجتے تھے، جو شخص بھی آپ کے مقابلے میں نکلتا تھا زندہ واپس نہ جا سکتا تھا۔ جب مسلمانوں نے یہ دیکھا تو ان کی ہمتیں بلند ہو گئیں اور ان میں ایک نیا ولولہ اور جوش پیدا ہو گیا۔

(۳) جب مسیلمہ حضرت خالد کے سامنے آیا اور حضرت خالد نے بعض شرائط اس کے سامنے پیش کیں تو مسیلمہ نے منہ پھیر لیا جیسے وہ شیطان سے مشورہ کر رہا ہے۔ حضرت خالد نے یہ موقع غنیمت جانا۔ آپ کو پتا تھا کہ مسیلمہ [illegible]

ہو جائے گی۔ اس لئے آپ نے فوراً ہی اس پر حملہ کر دیا۔ مسیلمہ بدحواس ہو کر بھاگا۔ اسے بھاگتے دیکھ کر اس کے سپاہیوں کے بھی پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھی بھاگنے لگے۔ مسیلمہ کو بے خبری میں حملہ کرنے سے حضرت خالد پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کیونکہ ان دونوں میں اس وقت تک ایک بھی شرط طے نہیں ہوئی تھی اور کسی نے بھی دوسرے کو امان اور جان بخشی کا یقین نہیں دلایا تھا۔

(۴) حضرت خالد کے ساتھ مخلصین کی ایک بھاری تعداد تھی جنہوں نے اپنے آپ کو ہمہ تن خدا کی اطاعت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ ان کی نظروں میں موت ایک نہایت حقیر شے تھی۔ وہ نہ صرف خود خدا کی راہ میں جانیں دینے کے لئے بے تاب تھے بلکہ دوسروں کو بھی اس چیز کی دعوت دیتے تھے۔ چنانچہ حذیفہ پکار پکار کر کہہ رہے تھے۔ یا اہل القرآن زینوا القرآن بالفعال (اے قرآن پر ایمان لانے والو! قرآن کو اپنے کارناموں کے ذریعے زینت دو)۔ زید بن خطاب کہہ رہے تھے "عضوا أبصارکم وعضوا علی أضراسکم ایہا الناس، واضربوا فی عدوکم وامضوا قدما) (اے لوگو اپنی نظریں نیچی رکھو اور پیش قدمی کرتے ہوئے دشمنوں کا کام تمام کر دو)۔ ان لوگوں کی بدولت ہی جو اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھے ہوئے تھے، مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

(۵) حضرت صدیق نے خالد کو بچھ فوج کے ساتھ مسلمانوں کے عقب کی حفاظت پر مامور فرمایا تھا۔ مسیلمہ کے لشکر سے جنگ کرنے کے دوران میں مسلمانوں کو یہ اطمینان تھا کہ ان کی پشت بالکل محفوظ ہے اور پیچھے سے دشمن ان پر حملہ نہیں کر سکتا۔ اس طرح ان کی تمام تر توجہ سامنے کی طرف مبذول رہی۔

(۶) بعض لوگوں نے مسیلمہ کی مدد صرف قومی عصبیت کی وجہ سے کی تھی حالانکہ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ مسیلمہ اپنے دعویٰ نبوت میں سراسر جھوٹا ہے۔ کم از کم انہیں اس بارے میں شک ضرور تھا۔ ان کو متزلزل کرنے، ان کے دلوں میں ہیجان برپا کرنے اور ان کے عزائم میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے یہ شک کافی تھا۔

ان اسباب کے باعث حضرت خالد کے لئے کامیابی اور کامرانی کی راہ صاف ہو گئی اور مسلمانوں نے قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود مسیلمہ کے عظیم الشان لشکر پر فتح حاصل کر لی اور مسیلمہ کے فتنے کو نابود کر دیا۔

بنو حنیفہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت خالد بن ولید، یمامہ کی ایک وادی میں، جسے الوبر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے مقیم ہو گئے۔ یہیں آپ کو حضرت صدیق کی طرف سے عراق جانے اور بلاد فارس کو فتح کرنے کا حکم ملا۔

عراق میں حضرت خالدؓ کی فتوحات

جنگ ابلہ

۱۱ھ میں جب جزیرہ عرب میں حالات سکون پر آگئے اور مرتدین کا فتنہ فرو ہو گیا تو مسلمانوں نے اپنی توجہ عراق کی جانب مبذول کی ۔ رومی اور ایرانی سلطنتیں رسول اللہ کے وقت سے ہی اسلامی حکومت کو مٹا دینے کی فکر میں تھیں کیونکہ دنیا میں پہلی مرتبہ جزیرہ عرب میں ایک طاقتور اور متحدہ طاقت نشو و نما پا رہی تھی اور یہ امر ان دونوں ہمسایہ سلطنتوں کے لئے سخت تشویش کا باعث تھا ۔ اب تک ایرانی اور رومی سلطنتوں کا عرب پر بے حد اثر اور نفوذ تھا اور عرب کی سرحدوں پر جو ایران اور روم سے ملتی تھیں ، ان سلطنتوں کی باجگزار اور مطیع ریاستیں قائم تھیں ۔ عربوں میں اسلام کے ظہور کے بعد جو تبدیلی رونما ہو چکی تھی اور جس جوش اور ولولے سے وہ نئے نئے عزائم لے کر اٹھے تھے ، یہ دونوں سلطنتیں اسے اپنے لئے موت کے پیغام سے کم نہ سمجھتی تھیں ۔ رسول اللہ کی وفات کے بعد جب ملک عرب میں ارتداد کا فتنہ پھیلا تو ان سلطنتوں نے اس موقع کو اپنے لئے بے حد غنیمت جانا ۔ چنانچہ ایک طرف ہرقل کی فوجیں شام میں اور دوسری طرف ایران کی فوجیں عراق میں جمع ہونے لگیں ۔

حضرت صدیقؓ بھی ایرانیوں اور رومیوں کے عزائم سے پوری

فوج بھیجتے تھے ۔ اب ان کو وہ لشکروں کی روانگی سے پہلے،
جن کا ذکر ابتداء میں آچکا ہے، ایک بہادر، تجربہ کار اور ماہر
شخص مثنیٰ بن حارثہ نے عراق کی جانب توجہ فرمائی تھی اور
انہیں حکم دیا تھا کہ وہ عراق میں جنگ لیکن شامی فوجوں سے
لڑائی مول نہ لیں، بلکہ حملے کرتے رہیں عراق و شام کی سرحد پر ڈرائے
رکھیں تاکہ ان کی فوجوں کو عرب پر حملہ کرنے کی جرات
نہ ہوسکے ۔

جب ارتداد کا فتنہ ختم ہو گیا تو مثنیٰ بن حارثہ نے حضرت
صدیق کو لکھا کہ ان کی مدد کے لئے کچھ فوج روانہ کی جائے ۔
سواد عراق کو فتح کرنے اور ساسانی سرداری کی سطوت
ختم کرنے کے عظیم الشان کام کے لئے حضرت صدیق کی نظر
انتخاب حضرت خالد بن ولید پر پڑی ۔ اس زمانے میں حضرت خالد
بنو حنیفہ سے فارغ ہو کر وادی قریٰ میں مقیم تھے اور دربار خلافت
سے مزید احکام کے منتظر تھے* ۔ ۱۲ محرم ۱۲ھ کو دربار خلافت
سے انہیں حکم پہنچا کہ وہ اپنے لشکر کو لے کر زبیر بن عوف
پہنچیں اور عراق کی سرحد سے جنگ شروع کریں ۔ دوسری طرف
عیاض بن غنم کو جو نجد و حجاز کے درمیان مرتدین کی سرکوبی کے
بعد نجد میں ہی مقیم تھے، حکم ملا کہ وہ اپنے لشکر کے ہمراہ
شمال کی جانب سے عراق پر حملہ آور ہوں اور اپنی لڑائی
مصیخ† سے شروع کریں ۔ خالد اور عیاض، دونوں کو یہ حکم بھی
تھا کہ وہ صرف ان مسلمانوں کو ساتھ لیں جنہوں نے ارتداد
میں حصہ نہیں لیا، کسی مرتد کو فوج میں شامل نہ کیا جائے ۔

* سیوطی حصہ ۲ صفحہ ۲ ۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۶۱ ۔
† مصیخ کا شہر حوران اور قلت کے درمیان واقع ہے
معجم البلدان جلد ۸ صفحہ ۱۰۹ ۔

نیز کسی شخص پر جہاد کے سلسلے میں جبر نہ کیا جائے، جو لوگ خوشی سے ان کے ہمراہ عراق جانے پر آمادہ ہوں صرف انہی کو فوج میں شامل کیا جائے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی لوگوں نے جو خالد اور عیاض کی فوجوں میں شامل تھے پیچھے رہنے کو ترجیح دی ۔ اس پر مجبوراً ان دونوں کو حضرت صدیق سے مدد کی درخواست کرنی پڑی ۔ چنانچہ آپ نے عبدغوث حمیری کو عیاض بن غنم کی امداد کے لئے اور قعقاع بن عمرو کو خالد کی اعانت کے لئے روانہ فرمایا ۔ اس پر لوگوں کو بڑا تعجب ہوا اور انہوں نے حضرت صدیق سے عرض کیا کہ کیا آپ ایسے سرداروں کی امداد کے لئے جن کے لشکروں کے اکثر آدمیوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا ہے محض ایک ایک آدمی روانہ کر رہے ہیں ؟ حضرت صدیق نے فرمایا ”جس لشکر میں ان جیسے اشخاص شامل ہوں وہ کبھی شکست نہیں کھا سکتا*“۔

حضرت خالد نے عراق روانہ ہونے سے پہلے ، اتمام حجت کے لئے أبلہ کی سرحد کے حاکم ہرمز کو ایک تہدیدی خط روانہ کیا جس کا مضمون یہ تھا : امابعد فاسلم تسلم أو اعتقد لنفسک وقومک الذمة واقرر بالجزیة وألا فلا تلومن الا نفسک : فقد جئتک بقوم یحبون الموت کما تحبون الحیاة† (ہرمز کو واضح ہو کہ اگر آپ لوگ سلامتی چاہتے ہیں تو اسلام لے آئیں ۔ اگر اسلام نہیں لا سکتے تو اسلامی حکومت کے ماتحت ہو کر رہنے اور جزیہ دینے کا اقرار کریں ۔ اگر ایسا نہ کریں گے تو اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا کیونکہ آپ کے مقابلے کے لئے ایک ایسی قوم آرہی ہے جو موت کو اتنا ہی پسند کرتی ہے جتنا آپ زندگی

* الطبری جلد ۴ صفحہ ۴ - ابن الأثیر جلد ۲ صفحہ ۲۶۲ -

† الطبری جلد ۴ صفحہ ۵ -

کو پسند کرتے ہیں) ۔

حضرت خالد کے ہمراہ دس ہزار فوج تھی ۔ عراق پہنچ کر مثنیٰ بن حارثہ بھی آٹھ ہزار فوج کے ہمراہ آپ سے مل گئے ۔*

دشمن کے قریب پہنچ کر حضرت خالد نے اپنی لشکر تین حصوں میں تقسیم کیا† اور ہر حصے کو علیحدہ راستے سے کوچ کرنے کا حکم دیا ۔ ایک حصے کا سالار مثنیٰ بن حارثہ کو بنایا ، دوسرے حصے کی سرداری عدی بن حاتم کو دی اور تیسرے حصے کو اپنے ماتحت رکھا ۔ تینوں حصوں کا مقام اجتماع "حفیر" مقرر ہوا چنانچہ ان تینوں حصوں نے دو دن بلکہ ایک دن کی مسافت کا فاصلہ دے کر "حفیر" کی طرف بڑھے

---

* طبری لکھتے ہیں "جب حضرت خالد کو عراق پہنچنے کا حکم ملا تو آپ نے چار سرداروں کو خط لکھے : حرملہ ، سلمیٰ ، مثنیٰ بن حارثہ اور مذعور کو لکھا کہ میں اپنے لشکر سمیت ابلہ پہنچ رہا ہوں ۔ آپ بھی اپنے لشکروں کے ہمراہ وہیں پہنچ جائیں ۔ حضرت صدیق نے خالد کو جو حکم بھیجا تھا اس میں یہ ہدایت تھی کہ وہ جب عراق میں داخل ہوں تو اپنی کارروائی کا آغاز سندھ اور ہندوستان کی سرحد سے کریں اور ان دنوں ابلہ تھی ۔ خالد اپنے ہمراہ دو ہزار فوج لے کر چلے تھے ۔ راستے میں انہوں نے ربیعہ اور مضر کے قبائل میں سے آٹھ ہزار فوج اور اکٹھی کی ۔ مثنیٰ ، مذعور ، سلمیٰ اور حرملہ کے ہمراہ آٹھ ہزار فوج تھی ۔ اس طرح اسلامی لشکر کی تعداد اٹھارہ ہزار ہو گئی ۔ اسی اٹھارہ ہزار فوج کے ساتھ حضرت خالد نے ہرمز کا مقابلہ کیا" ۔ الطبری جلد ۴ صفحہ ۲۰۱ ۔

† ابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۲۶۳ ۔

شروع کیا۔

جب ہرمز نے حضرت خالد کی آمد کی خبر سنی تو اس نے فوراً شہنشاہ ایران ''اردشیر'' کو مدد بھیجنے کے لئے لکھا اور خود اپنے لشکر کو ہمراہ لے کر کاظمہ* روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر اسے پتہ چلا کہ اسلامی لشکر کا رخ ''حفیر'' کی جانب ہے۔ وہ بلا توقف حفیر† روانہ ہوا اور اسلامی فوج سے پہلے وہاں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے اپنے لشکر کی تنظیم کی۔ مقدمہ پر دو بھائیوں قباذ اور انوشجان کو مقرر کیا جو اردشیر اکبر کی اولاد میں سے تھے۔ لشکر کے ایک حصے نے اپنے آپ کو زنجیروں سے جکڑ لیا، تاکہ اگر شکست بھی ہو تو میدان جنگ میں ہی جمے رہیں اور بھاگ نہ سکیں۔ جب حضرت خالد کو معلوم ہوا کہ ہرمز نے حفیر کا رخ کیا ہے تو انہوں نے فوج کو کاظمہ کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا۔ لیکن ہرمز وہاں بھی ان سے پہلے پہنچ گیا اور پانی کے چشمے پر قبضہ کر کے نرم زمین پر ڈیرے ڈال دئے۔ جب حضرت خالد وہاں پہنچے تو انہیں ایسی زمین پر ڈیرے ڈالنے پڑے جہاں پانی نہ تھا۔ جب لوگوں نے اس کی شکایت کی تو آپ نے کہا ''گھبراؤ مت۔ فریقین میں

---

* یہ مقام خلیج فارس کے کنارے بحرین سے بصرہ جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے اور بصرہ سے دو منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں بے شمار کنوئیں ہیں جن کا پانی بے حد میٹھا ہوتا ہے۔ کئی شاعروں نے اس جگہ کی تعریف کی ہے، (معجم البلدان جلد ۷ صفحہ ۲۰۸)۔

† حفیر، باہلہ گاؤں کا چشمہ ہے۔ بصرہ سے چار میل کے فاصلے پر واقع ہے (معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۲۰۴)۔

ہے جو بہادر ہوں گے وہی [illegible] رہیں گے۔"

لڑائی شروع ہوئی اور دونوں طرف کے [illegible] بہادری کے جوہر دکھانے لگے۔ [illegible] ہرمز نے اپنے لشکر سے باہر نکل کر [illegible] مبارزت دی۔ حضرت خالد [illegible] کی طرف بڑھے۔ دونوں میں [illegible] لڑائی شروع ہو گئی۔

ہرمز کا مقصد حضرت خالد [illegible] تھا کہ آپ کو نرغے میں لے کر شہید کر ڈالے۔ [illegible]

* بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت [illegible] بھیجے باقاعدہ [illegible] اور انہی کا قصد [illegible] بعض کا خیال ہے [illegible] سب سے پہلے آپ [illegible] بوجوہ مؤخرالذکر روایت کو ترجیح دی ہے۔ پہلی وجہ [illegible] کہ اکثر مؤرخین آپ کی فوج کشی کی ابتداء [illegible] قرار دیتے ہیں۔ دوسرے حضرت [illegible] کی [illegible] سے [illegible] ہندوستان کی سرحد سے [illegible] کا آغاز [illegible] معلوم ہوتا ہے [illegible] اسلامی اور ایرانی فوجوں کے درمیان [illegible] پیش ہوا۔ حضرت [illegible] کو حکم [illegible] عراق کی طرف [illegible] یہاں تک کہ اس کی سرزمین میں داخل ہو جاؤ۔ [illegible] ہندوستان کی سرحد سے شروع [illegible] کے قریب تھے۔" (طبری جلد ۳ صفحہ ۲۰۷)۔ جنگی نقطۂ نگاہ سے بھی [illegible] کا آغاز [illegible] ممکن تھا کیونکہ [illegible] اور [illegible] شخص سے [illegible] بالکل بعید [illegible] جہاں ان کے [illegible] کی حفاظت [illegible]

(باقی صفحہ ۱۸۸ پر)

نے اپنی فوج کے چیدہ چیدہ بہادروں کو ہدایت کر دی تھی کہ جب خالد اس کے مقابلے پر نکل آئیں تو وہ آگے بڑھ کر آپ پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیں۔ چنانچہ جب حضرت خالد اس کے مقابلے کے لئے نکلے تو یہ ایرانی بہادر بھی آپ پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ لیکن اسی اثناء میں آپ نے اپنی تلوار سے ہرمز کا کام تمام کر دیا اور اس کے ساتھیوں کو اس بات کا موقع دئے بغیر کہ وہ آپ پر حملہ کرسکیں، اپنے لشکر میں آ گئے۔

قعقاع بن عمرو التمیمی نے جب ایرانی سواروں کو بڑھتے دیکھا تو انہوں نے پہلے تو ایک دستہ فوج کے ساتھ ان پر حملہ کیا اور انہیں پیچھے ہٹا دیا۔ اس کے بعد وہ پورے زور شور سے ایرانی لشکر پر ٹوٹ پڑے اور تھوڑی دیر کے مقابلے کے بعد انہیں شکست فاش دے دی۔ چنانچہ رات تک تمام میدان بالکل صاف ہو گیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۷)

ہو اور جہاں وہ بڑی آسانی سے دشمنوں کے نرغے میں آ سکتے ہوں۔ اگر آپ بانقیا سے جنگی کارروائی کا آغاز کرتے تو ہرمز جیسا پھرتیلا اور چست و چالاک شخص ضرور مسلمانوں کی پشت کی طرف سے حملہ کر کے انہیں سخت نقصان پہنچا تا۔ اول الذکر مؤرخین کو اس روایت سے دھوکا لگا ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ ابلہ حضرت عمر فاروق کے عہد میں عتبہ بن غزوان کے ہاتھوں فتح ہوا۔ اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے تب بھی ہمارے موقف پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ اس صورت میں یہ ممکن ہے کہ ابلہ پورے طور پر اسلامی فوجوں کے قبضے میں حضرت عمر کے عہد میں ہی آیا ہو۔ ہماری رائے کی تائید بلاذری بھی کرتے ہیں (فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۳۴۰)۔

[illegible]ں کے بعد حضرت خالد نے [illegible] کا علاقہ [illegible] اور تمام فوج اور اسباب لے کر اس جگہ پر آئے جہاں اب بصرہ آباد ہے۔ یہاں آپ نے پڑاؤ کیا۔ مثنیٰ بن حارثہ کو مفرور ایرانیوں کے تعاقب میں روانہ کیا اور معقل بن مقرن المزنی کو [illegible] بھیجا جنہوں نے مال غنیمت اور قیدی اکٹھے کئے۔ آپ نے مال غنیمت کا پانچواں حصہ مژدۂ فتح کے ساتھ حضرت صدیقؓ کی خدمت میں روانہ کیا اور باقی حصہ فوج میں تقسیم کر دیا۔ حضرت صدیقؓ نے ہرمز کی ٹوپی حضرت خالد کو مرحمت فرمائی۔ یہ ٹوپی جواہرات سے مزین تھی اور اس کی قیمت ایک لاکھ درہم تھی۔

جنگ مذار (الثنی)

جب جنگ کے ہونے سے پہلے ہرمز نے مدد کے لئے ایران میں شہنشاہ اردشیر کے پاس پیغام بھیجا تو [illegible] قارن بن قریانس کو ایک زبردست لشکر دے کر ہرمز کی امداد کے لئے بھیجا۔ قارن ابھی راستے ہی میں تھا جب کہ مذار* پہنچا تو وہاں اسے ہرمز کی ہزیمت ہونے کی اطلاع ملی۔ [illegible] مشورے کے بعد [illegible] اس وقت [illegible] [illegible] کی [illegible] بھی مخلوق نہیں ہو سکے گی۔ اس لئے یہاں مسلمانوں کا مقابلہ [illegible] چاہئے۔ چنانچہ [illegible] مذار کے [illegible] کے [illegible] ڈال دیا۔ قارن نے [illegible] [illegible] اور [illegible] کے لئے

* مذار [illegible] بہت [illegible] مشہور ہوا جو علاقہ میسان کا صدر مقام تھا۔ یہ شہر واسط اور بصرہ کے درمیان واقع تھا۔ یہاں حضرت علی کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کا مزار بھی تھا۔ (معجم البلدان جلد ۷ صفحہ ۳۳۴)۔

قباذ اور انوشجان جو جنگ ابلہ میں شریک تھے، بچ کر نکل آئے تھے۔ قارن نے انہیں میسرہ اور میمنہ کی کمان سونپ دی۔

جب حضرت خالد نے قارن کے آنے اور مذار میں جنگی تیاریاں کرنے کی خبر سنی تو آپ بھی فوج لے کر مذار روانہ ہوئے اور نہر کے دوسرے کنارے پر رک کر اپنی فوج کی تنظیم و ترتیب اور صف بندی میں مشغول ہو گئے۔

جب ہر طرح تیاری مکمل ہو چکی تو جنگ شروع ہوئی۔ ایرانی فوج کا سردار قارن میدان میں نکلا اور دعوت مبارزت دی۔ ادھر سے حضرت خالد اور معقل بن اعشی اس کے مقابلے کے لئے نکلے۔ معقل بن اعشی اس کے پاس حضرت خالد سے پہلے پہنچ گئے اور تلوار کے ایک دو واروں ہی میں اس کا کام تمام کر دیا۔ اپنے سردار کا یہ انجام دیکھ کر قباذ اور انوشجان میدان میں نکلے۔ لیکن ان دونوں کا بھی وہی انجام ہوا جو ان کے سردار قارن کا ہو چکا تھا۔ قباذ کو عدی بن حاتم نے اور انوشجان کو عاصم بن عمرو نے جہنم واصل کیا۔

اتنے بڑے بڑے بہادروں اور سالاران فوج کو اس بری طرح قتل ہوتے دیکھ کر ایرانی فوج کے چھکے چھوٹ گئے اور ان میں شکست کے آثار پیدا ہونے لگے۔ مسلمانوں نے اس صورت حال سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور ایرانی فوج کا گویا قتل عام شروع کر دیا۔ تیس ہزار ایرانی اس دن میدان جنگ میں کھیت رہے۔ اگر ایرانی فوج کا بیشتر حصہ کشتیوں میں سوار

* قارن، دربار ایران کا بہت بڑا اور انتہائی معزز سردار تھا۔ اس کے بعد عجمیوں کا کوئی اور اتنا عظیم المرتبت سردار مسلمانوں کے مقابلے میں نہ آسکا۔ طبری جلد ۴ صفحہ ۱۷۔

[illegible]
اس دن ایک ایرانی کا بھی مسلمانوں کے ہاتھوں بچ نکلنا محال تھا۔

اس جنگ میں مسلمانوں کو کثیر مال غنیمت ہاتھ آیا۔ مال غنیمت کی کثرت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ ایک ایک سوار کے حصے میں دس دس ہزار درہم آئے۔ فتح کے بعد حضرت خالد نے مذار ہی میں قیام کیا اور غنیمت تقسیم کی۔ غنیمت کا پانچواں حصہ فتح کی خوش خبری کے ساتھ سعید بن نعمان کے ہاتھ حضرت صدیق کی خدمت میں روانہ کیا۔ ان ابتدائی امور سے فراغت حاصل کر کے آپ نے مفتوحہ علاقے کے بندوبست کی طرف توجہ فرمائی۔ علاقے کے تمام لوگ ذمی قرار پائے اور ان پر جزیہ لگایا گیا۔

جنگ ولجہ*

جب اردشیر کو مذار میں ایرانی فوج کی دوسری شکست کی خبر موصول ہوئی تو اس کی بے چینی کی انتہا نہ رہی۔ اس نے دربار ایران کے ایک اور بڑے سردار اندرزغر کو ایک بھاری لشکر دے کر مسلمانوں کی پیش قدمی روکنے کے لیے روانہ کیا۔ اس نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اندرزغر کے روانہ ہونے کے بعد بہمن جاذویہ کی سرکردگی میں ایک اور لشکر بھی

* ولجہ کا مقام ، کسکر کے اس علاقے میں واقع ہے جو صحرا سے ملحق ہے۔ معجم البلدان جلد ۸ صفحہ ۳۳۳ ۔ جنگ ولجہ ماہ صفر میں ہوئی۔

بھیجا۔ اندرزغر مدائن* سے چل کر کسکر† پہنچا اور وہاں سے ولجہ روانہ ہو گیا۔ بہمن جاذویہ اپنی فوج کو لے کر وسط سواد سے گزرا اور حیرہ اور کسکر کے درمیان جتنے عربی النسل عیسائی باشندے اور کاشت کار (دھقین) ملے سب کو اپنے ساتھ لے کر ولجہ پہنچ گیا۔ اس طرح اندرزغر کے پاس ایک عظیم الشان لشکر جمع ہو گیا۔ وہ اپنے لشکر کی کثرت پر پھولا نہ سماتا تھا۔

جب خالد کو، جو ابھی تک مذار ہی میں قیام پذیر تھے، اندرزغر کے ایرانی لشکر کی آمد اور ولجہ میں اس کے پڑاؤ ڈالنے کی خبر ملی تو انہوں نے سوید بن مقرن کو لشکر کے عقب کی حفاظت اور مفتوحہ علاقے کی نگرانی کے لئے مذار میں چھوڑا اور خود اپنے لشکر کو لے کر ولجہ کی جانب روانہ ہوئے۔ قریب پہنچ کر آپنے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصے کو تو انہوں نے دشمن کے مقابلے کے لئے رکھا اور دو حصوں کو قریب کی نشیبی زمین میں چھپا دیا تاکہ بوقت ضرورت ان سے کمک لیا جا سکے۔ ان دو حصوں کی کمان آپ نے بسر بن ابی رھم اور سعید بن مرہ کے سپرد کی۔

صف بندی کے بعد دونوں لشکروں میں جنگ چھڑ گئی۔ دیر تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ جب حضرت خالد نے دیکھا کہ ایرانی فوج میں تھکاوٹ کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں تو آپ

* مدائن، شاہان کسریٰ کا صدر مقام تھا۔

† کسکر، ایک وسیع علاقے کا نام ہے جس کا صدر مقام واسط ہے۔ واسط کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ کوفہ اور بصرہ سے بالکل مساوی فاصلے (تقریباً پچاس فرسخ) پر واقع ہے (معجم البلدان جلد ۷ صفحہ ۳۰۱)۔

نے اپنی اس فوج کو، جو کمین گاہوں میں چھپی ہوئی تھی، میدان جنگ میں پہنچ جانے کا حکم دیا۔ حکم کی دیر تھی کہ فوج میدان جنگ میں پہنچ گئی اور ایرانیوں پر زور شور سے حملہ کر دیا۔ ایرانی اس نئی مصیبت کو دیکھ کر بدحواس ہو گئے اور حوصلہ ہار بیٹھے۔ حضرت خالد کے دستے نے سامنے سے اور کمین گاہوں میں چھپے ہوئے دستوں نے پیچھے سے ایرانیوں کو گھیرے میں لے کر قتل کرنا شروع کیا۔ اندرزغر شکست کھا کر بری طرح بھاگا اور پیاس کے مارے، صحراء میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔ فتح کے بعد حضرت خالد نے علاقے کے کاشتکاروں سے کوئی تعرض نہ کیا، ان سے صرف جزیے کا مطالبہ کیا جسے انہوں نے قبول کر لیا اور واپس اپنے اپنے علاقوں کو چلے گئے۔

اس جنگ میں قبیلہ بکر بن وائل کے کئی عرب عیسائی بھی مارے گئے تھے جن میں ان کے دو نامور سردار عدی بن بجیر اور عبد الاسود عجلی کے بیٹے بھی تھے۔ اس واقعے نے عربی نسل عیسائیوں کو آتش زیر پا کر دیا۔ انہوں نے جوش میں آ کر مسلمانوں سے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں اور دربار ایران سے مدد کے لئے درخواست کی۔

جنگ أُلّیس*

جب عیسائیوں نے اپنا سردار بنو عجلان کے ایک شخص عبد الاسود عجلی کو بنا لیا تھا۔ دوسری طرف سے بہمن جادویہ کو حکم ملا کہ وہ ایرانیوں کی بھاری جمعیت کے ساتھ

* أُلّیس، حیرہ کے قریب عراقی سرحد پر ایک گاؤں تھا۔ معجم البلدان حصہ اول صفحہ ۲۰۸۔

عیسائیوں کی مدد کو بڑھے ۔ [illegible] وہ فوج لے کر الیس کی جانب بڑھا اور اپنی فوج وہاں کے [illegible] جابان کے سپرد کر کے اسے ہدایت کی کہ جہاں تک ممکن ہو سکے [illegible] کی واپسی تک جنگ کا آغاز نہ کیا جائے اور خود شہنشاہ سے مشورہ کرنے کے لئے مدائن روانہ ہوگیا۔

جب حضرت خالد کو یہ خبر ملی کہ بنو عجل، بنو تیم، بنو ضبیعہ اور دیگر عربی النسل عیسائی ان کے مقابلے کے لئے الیس میں جمع ہو رہے ہیں تو وہ بھی اپنی فوج لے کر ان کے مقابلے کے لئے روانہ ہو گئے۔ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ عیسائیوں کی مدد کے لئے جابان کی سرکردگی میں ایرانیوں کا لشکر بھی ان کے مقابلے کے لئے موجود ہے۔ آپ نے آتے ہی عیسائیوں سے لڑائی چھیڑ دی۔ چونکہ عیسائیوں کو یہ یقین تھا کہ جابان کی فوج ان کی مدد کے لئے تیار ہے اور بہمن جادویہ بھی ایک بڑی جمعیت لے کر ان کی مدد کو پہنچنے والا ہے اس لئے وہ نہایت دلجمعی سے مسلمانوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ [illegible] تو وہ نہایت پامردی سے مقابلے میں جمے رہے لیکن جب مسلمانوں کا دباؤ بے حد بڑھ گیا تو انہوں نے اپنی مدد کے لئے جابان کی فوج کی طرف نظر کی۔ لیکن جابان کی فوج اپنے سردار کی اس ہدایت کے بموجب کہ جب تک بہمن واپس نہ پہنچ جائے وہ لڑائی میں شرکت نہ کریں، نہایت اطمینان سے دسترخوان بچھائے کھانا کھانے میں مشغول تھی اور لڑائی کی طرف اس کی مطلق توجہ نہ تھی۔ یہ منظر دیکھ کر عیسائی فوج گھبرا گئی۔ حضرت خالد کی دوربین نظر نے صورت حال کو بھانپ لیا اور موقع غنیمت جان کر نہایت جوش و خروش سے زور دار حملہ کر دیا۔ عیسائی اس حملے کی تاب نہ لا سکے اور [illegible] فوج

[illegible]

جنگ میں انجام دئے تھے۔

[illegible]

فتح أصفہان

[illegible]

اور خالد کے عظیم الشان کارناموں کی خبر حضرت ابوبکر صدیق کو پہنچی تو آپ کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور آپ نے فرمایا "اے معشر قریش! تمہارے شیر نے ایک شیر پر حملہ کر دیا اور اس کے پیٹ میں گھس کر اس کو مغلوب کر لیا۔ اب عورتیں خالد جیسا بہادر پیدا کرنے سے عاجز ہیں*"۔

حضرت ابوبکر صدیق کے اس قول سے اس قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے جو آپ کے دل میں حضرت خالد کی تھی۔ اس قول سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ خالد کو اپنے فن میں یگانۂ روزگار سمجھتے تھے۔ امغیشیا کی فتح کو دراصل حیرہ کی تسخیر کی ابتدا سمجھنا چاہئے۔

جنگ حیرہ†

امغیشیا کے بالکل قریب حیرہ کا شہر تھا۔ وہاں کے حاکم (مرزبان) ازادبہ کو جب حضرت خالد کی عظیم الشان فتوحات کا حال معلوم ہوا جو انہیں الیس اور امغیشیا میں حاصل ہوئی تھیں، تو اس نے سوچا کہ اب اس کی باری ہے۔ خالد اسے کسی طرح نہیں چھوڑیں گے۔ اس متوقع خطرے کے پیش نظر اس نے جنگ کی تیاریاں کرنی شروع کیں۔ سب سے پہلے اس نے اپنے لڑکے کو اسلامی فوجوں کا راستہ روکنے کے لئے روانہ کیا اور خود بھی شہر سے نکل کر باہر ڈیرے ڈال دئے۔ اس نے

* الطبری جلد ۳، صفحہ ۱۱۔

† کوفہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک شہر۔ حیرہ کے قریب بجانب مشرق ایک میل کے فاصلے پر شاہ نعمان کا مشہور و معروف محل خورنق بنا ہوا تھا (معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۳۷۶)۔

لئے اس کے حکم سے مخفی طور سے فرات پر بند باندھ کر اس کا پانی روک لیا اور سارا پانی دوسری طرف بہنے والی نہروں میں چھوڑ دیا۔

حضرت خالد ازاذبہ کی فوج کشی کی خبر سن کر امغیشیا سے چلے۔ دریائے فرات پر پہنچ کر تمام اسلامی فوج کشتیوں میں سوار ہوئی اور تمام سامان حرب اور غنیمتیں، جو انہیں پچھلی جنگوں میں حاصل ہوئی تھیں، کشتیوں میں بھر لیں۔ اسی دوران میں ایرانیوں نے دریائے فرات کا رخ تبدیل کر دیا اور مسلمانوں کی کشتیاں کیچڑ میں پھنس کر رہ گئیں۔ حضرت خالد نے یہ دیکھ کر کشتیوں کو ساز و سامان سمیت وہیں چھوڑا اور خود فوج کو لے کر نہایت تیزی سے ازاذبہ کے بیٹے کی طرف بڑھے جو دریائے فرات کے دہانے پر کھڑا پانی کا رخ تبدیل کرنے کے کام کی نگرانی کر رہا تھا۔ مسلمانوں نے پہنچتے ہی اس پر اور اس کی فوج پر حملہ کر دیا۔ ابن ازاذبہ اس ناگہانی حملے کے لئے قطعاً تیار نہ تھا۔ اسے وہم بھی نہ تھا کہ مسلمان یوں یکدم اس تک پہنچ جائیں گے۔ حملہ اس قدر شدید ہوا تھا کہ ابن ازاذبہ اور اس کی فوج کا کوئی شخص زندہ بچ کر نہ جا سکا۔ سب وہیں ڈھیر کر دئے گئے۔ اب مسلمانوں نے دریائے فرات کا بند توڑ کر پانی کو دوبارہ جاری کر دیا۔

اسی دوران میں شہنشاہ اردشیر کا انتقال ہو گیا۔ ازاذبہ حاکم حیرہ کو اپنے بیٹے کے قتل اور اردشیر کی موت کی خبر ایک ساتھ ملی۔ اس نے اپنی خیریت اسی میں سمجھی کہ وہ حضرت خالد کے آنے سے پیشتر بھاگ جائے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ ادھر حضرت خالد اپنی فوج کو لے کر حیرہ کی جانب بڑھے اور خورنق سے آگے گزر کر غریین اور [illegible]

جہاں ازاذبہ نے پڑاؤ ڈالا تھا) کے درمیان ڈیرے ڈال دئے۔ اہالیان حیرہ اپنے قلعوں اور محلات میں بند ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت خالد نے ان قلعوں کا سختی سے محاصرہ کر لیا*۔ جب یہ لوگ کسی طرح صلح کرنے پر آمادہ نہ ہوئے، تو حضرت خالد نے انہیں کہلا بھیجا کہ اگر ایک دن کے اندر اندر انہوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے نہ کیا تو ان کے خلاف فوجی کارروائی کی جائے گی۔ لیکن ان لوگوں نے بجائے صلح کی بات چیت کرنے کے اسلامی فوجوں پر سنگ باری شروع کر دی۔ مسلمانوں نے بھی جواب میں ایرانیوں پر تیروں کی بوچھاڑ کرنی شروع کی۔ سب سے پہلے ضرار بن الازور نے لڑائی شروع کی۔ ان کے بعد باقی سرداروں نے بھی ان کی پیروی اختیار کی۔ تیروں کی بوچھاڑ سے ایرانیوں کے بے شمار آدمی ہلاک ہو گئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر اہل حیرہ بہت گھبرائے۔ شہر کے پادریوں اور راہبوں نے ایرانیوں کے سرداروں سے فریاد کی کہ اس خون ریزی کی ساری ذمہ داری تم پر ہے، خدا کے لئے سنگ باری بند کردو اور لوگوں کو اس مصیبت سے نجات دلاؤ۔ ناچار قلعوں اور محلات کے سرداروں نے صلح پر

* قصر ابیض کے محاصرے کا انتظام ضرار بن الازور کے سپرد تھا۔ اس قلعے میں ایاس بن قبیصۃ الطائی اپنی فوج کو لئے ہوئے موجود تھا۔ قصر العدسیین کا محاصرہ ضرار بن خطاب نے کر رکھا تھا۔ اس میں عدی بن عدی موجود تھا۔ قصر بنی مازن کا محاصرہ ضرار بن مقرن المزنی کے سپرد تھا۔ اس میں ابن اکال اپنی جمعیت کے ساتھ موجود تھا۔ قصر ابن بقیلہ کا محاصرہ مثنیٰ بن حارثہ نے کیا ہوا تھا۔ اس میں عمرو بن عبدالمسیح محصور تھا۔ (الطبری جلد ۴ صفحہ ۱۲)۔

آمادگی ظاہر کی۔ انہوں نے اسلامی فوج کے سرداروں کو کہلا بھیجا کہ ہم آپ کی پیش کردہ ان باتوں میں سے ایک بات قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اس لئے براہ کرم لڑائی بند کردیں اور اپنے سپہ سالار کو اس کی اطلاع دے دیں۔ چنانچہ لڑائی بند کردی گئی۔

اپنے وعدے کے مطابق سرداران حیرہ، ایاس بن قبیصہ طائی، عدی بن عدی، ابن اکال اور عمرو بن عبد المسیح اپنے اپنے قلعوں سے نکل کر معززین شہر کے ہمراہ اسلامی فوج کے سرداروں کے پاس پہنچے، جنہوں نے انہیں حضرت خالد کے پاس روانہ کر دیا۔ حضرت خالد سب سے پہلے ہر قلعے کے لوگوں سے ملے اور انہیں ملامت کرتے ہوئے فرمایا: "تم پر افسوس! تم نے اپنے آپ کو کیا سمجھ کر ہم سے مقابلہ کیا؟ اگر تم عرب ہو تو کس چیز نے تمہیں اپنی ہی قوم کے لوگوں کا مقابلہ کرنے پر ابھارا؟ اور اگر عجمی ہو تو کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم ایک ایسی قوم کے مقابلے میں جیت جاؤ گے جو عدل و انصاف کرنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتی"؟ اس کے بعد آپ نے انہیں فرمایا: ہم تمہارے سامنے تین باتیں پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے تمہیں ایک نہ ایک بات قبول کرنی ہوگی۔ پہلی بات یہ ہے کہ تم دین اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ اگر یہ بات قبول نہیں کرسکتے تو جزیہ ادا کرنے کا اقرار کرو۔ اگر یہ دونوں باتیں ناقابل قبول ہیں تو پھر دو بدو لڑائی کے لئے تیار ہو

* حضرت خالد کے یہ الفاظ ان کی بے نظیر سیاست پر دلالت کرتے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خالد نہ محض سپہ سالار ہی نہ تھے بلکہ ماہر سیاست دان بھی تھے۔

جاؤ ۔ کیوں کہ ہم تمہارے مقابلے کے لئے ایک ایسی فوج کو اپنے ہمراہ لائے ہیں جو موت کی اتنی ہی عاشق ہے جتنے تم زندگی کے ۔ مذکورہ سرداروں نے جزیہ دینا قبول کیا ۔ ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ جزیہ پر اہل حیرہ سے صلح ہوگئی ۔ حضرت خالد نے صلح نامہ لکھ کر ان کے حوالے کر دیا ۔ صلح نامہ کی عبارت مندرجہ ذیل ہے :

”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ یہ وہ عہد نامہ ہے جو خالد بن ولید نے سرداران حیرہ ، عدی بن عدی ، عمرو بن عبد المسیح ، ایاس بن قبیصۃ اور حیری بن أکال سے کیا ہے ۔ اہل حیرہ نے اس عہد نامے کو قبول کر لیا ہے اور اپنے سرداروں کو اس کی تکمیل کے لئے مجاز گردانا ہے ۔ عہد نامے کے مطابق اہل حیرہ کو ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ جزیہ ادا کرنا ہوگا ۔ یہ جزیہ ان کے قسیسین (پادریوں) اور راہبوں سے بھی لیا جائے گا ۔ البتہ محتاجوں ، اپاہجوں اور تارک الدنیا راہبوں کو معاف ہوگا ۔ اگر یہ جزیہ باقاعدہ ادا کیا جاتا رہا تو اہل حیرہ کی حفاظت کی ساری ذمہ داری مسلمانوں پر ہوگی ۔ اگر وہ حفاظت کرنے میں ناکام رہے تو جزیہ نہ لیا جائے گا ، اگر قول یا فعل کے ذریعے بد عہدی کی گئی تو یہ ذمہ داری ختم سمجھی جائے گی“۔ یہ معاہدہ ماہ ربیع الاول ۱۲ھ میں لکھا گیا*۔

اہل حیرہ نے جزیے کے علاوہ حضرت خالد کو کچھ تحفے بھی دئے ، جو آپ نے مال غنیمت کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق کی خدمت میں بھیج دئے ۔ آپ نے حضرت خالد کو کہلا بھیجا کہ اگر یہ تحفے جزیے میں شامل ہیں تو خیر ، ورنہ انہیں

* الطبری جلد ۴ صفحہ ۱۴ ۔

جزیے کی رقم میں شامل کر لے۔ باقی رقم اہل حیرہ کو واپس کردو۔

ان واقعات کے ضمن میں ایک دلچسپ واقعہ کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ شویل نامی ایک شخص نے رسول اللہ کی زبان مبارک سے مسلمانوں کو حیرہ کی فتح کی خوشخبری دیتے سنا۔ اس نے آپ سے درخواست کی کہ حیرہ فتح ہو تو مجھے کرامہ بنت عبد المسیح عطا کر دی جائے۔ حضور نے فرمایا کہ اگر حیرہ لڑائی کے بعد فتح ہوگیا تو تمہاری یہ خواہش پوری کر دی جائے گی۔ جب حضرت خالد نے حیرہ فتح کر لیا اور اس کے سرداروں کو صلح نامے کی تکمیل کے لئے اپنے پاس بلایا تو شویل نے آپ کو رسول اللہ کا وعدہ یاد دلایا۔ کچھ لوگوں نے گواہی بھی دی کہ واقعی رسول اللہ نے اس سے وعدہ فرمایا تھا کہ کرامہ تمہاری ہے۔ چنانچہ حضرت خالد نے صلح کی شرائط میں یہ شرط بھی پیش کی کہ کرامہ، شویل کے حوالے کر دی جائے۔ کرامہ کے خاندان اور باقی قوم کو یہ شرط بڑی گراں گزری۔ لیکن کرامہ نے ان سے کہا کہ تم فکر نہ کرو، اور صبر سے کام لو۔ جس عورت کی عمر اسی سال کی ہو چکی ہے اس کے متعلق تمہیں کیا خوف ہے۔ اس احمق نے مجھے میری جوانی میں دیکھا تھا اور اس کا خیال ہے کہ جوانی ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ چنانچہ کرامہ کے کہنے پر اس کے رشتہ داروں نے اسے حضرت خالد کے پاس پہنچا دیا۔ حضرت خالد نے اسے شویل کے حوالے کر دیا۔ کرامہ نے شویل سے کہا کہ ایک بڑھیا تمہارے کس کام آسکتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم مجھ سے فدیہ لے لو اور مجھے رہا کر دو۔ شویل نے کہا نہیں [illegible] ہے۔ [illegible]

کرنے کا اختیار مجھے ہوگا ۔ جتنی رقم میں چاہوں گا معین کروں گا ۔ کرامہ نے یہ بات منظور کرلی ۔ شویل نے کہا کہ میں اپنی ماں کا بیٹا نہیں ہوں اگر تم سے ایک ہزار درہم سے کم وصول کروں ۔ کرامہ نے شویل کو دھوکا دینے کے لئے کہا یہ رقم تو بہت زیادہ ہے تاہم میں اپنے رشتہ داروں کو کہلواتی ہوں شاید وہ اس رقم کا انتظام کر سکیں ۔ چنانچہ اس نے اپنے رشتہ داروں کے پاس پیغام بھیجا کہ شویل ایک ہزار درہم لے کر مجھے رہا کرنے کو تیار ہے ۔ یہ رقم بھیج کر مجھے رہا کرا لو ۔ انہوں نے فوراً ایک ہزار درہم بھیج دئے اور کرامہ کو رہا کرا لیا ۔ جب لوگوں کو اس واقعے کا علم ہوا تو انہوں نے شویل کو بہت برا بھلا کہا ۔ وہ کہنے لگا مجھے کیا پتہ ۔ میں تو سمجھتا تھا کہ ایک ہزار سے اوپر کوئی عدد ہوتا ہی نہیں ۔ وہ حضرت خالد کے پاس آیا اور سارا ماجرا آپ سے عرض کیا ، کہ کس طرح لاعلمی میں اس نے ایک ہزار درہم کے بدلے کرامہ کو رہا کر دیا اور اب اسے معلوم ہوا ہے کہ عدد ایک ہزار سے اوپر بھی ہوتا ہے ۔ حضرت خالد نے فرمایا ”تم کچھ چاہتے تھے لیکن اللہ نے کچھ اور چاہا ۔ ہم تو ظاہر پر عمل کریں گے ۔ تم جانو تمہاری نیت جانے ۔ خواہ تم نے لاعلمی میں یہ بات کہی یا جان بوجھ کر ، اب ہم اپنے فیصلے میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے “*۔

اہل حیرہ سے صلح ہو جانے کے بعد دیر ناطف کے پادری کا نمائندہ صلوبا بن نسطونا حضرت خالد کی خدمت میں حاضر

* الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۹ ۔

ہوا اور آپ سے بانقیا اور باروسما کے مصیبت کے متعلق مصالحت کی ۔ اس نے ان دونوں قصبوں اور ان کی آس پاس ساری اراضی کے لگان کی ذمہ داری قبول کر لی ، جو دریائے فرات کے کنارے واقع تھی ۔ کسریٰ کے موتیوں کے علاوہ اس نے اپنی ذات ، خاندان اور قوم کی طرف سے دس ہزار دینار دینے کا وعدہ کیا ۔ حضرت خالد نے باقاعدہ معاہدہ لکھ دیا ، جو حسب ذیل ہے :

"بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ یہ معاہدہ خالد بن ولید کی طرف سے صلوبا بن نسطونا اور اس کی قوم کے لیے لکھا جاتا ہے ۔ اس معاہدے کے مطابق تم سے دس ہزار درہم سالانہ جزیہ وصول کیا جائے گا ۔ کسریٰ کے موتی اس کے علاوہ ہوں گے ۔ یہ رقم مستطیع اور کمانے والے افراد سے ان کی آمدنی کے حساب کے موافق سالانہ وصول کی جائے گی ۔ اس جزیے کے بدلے مسلمانوں کی طرف سے بانقیا اور باروسما کی بستیوں کی حفاظت کی جائے گی ۔ تمہیں اپنی قوم کا نقیب مقرر کیا جاتا ہے ، جسے تمہاری قوم

* یاقوت ، معجم البلدان میں لکھتے ہیں کہ ان لوگوں نے باقاعدہ حضرت خالد کا مقابلہ کیا تھا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ان میں لڑنے کی طاقت نہیں تو مجبوراً صلح کی پیش کش کی ۔ ضرار بن الازور نے اس واقعے کے متعلق ایک شعر کہا تھا :

أرقت ببانقيا ومن يلق مثل ما
لقيت ببانقيا من الحرب يارق

(میری نیند اچاٹ ہو گئی اور جو شخص میرے حالات کو دیکھے کہ جو میں نے بانقیا میں دیکھے اس کی نیند اچاٹ ہو جائے گی) ۔ بانقیا کوفہ کے نواح میں ایک قصبہ ہے ۔ (معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۵۰) ۔

قبول کرتی ہے۔ اس معاہدے پر میں اور میرے ساتھ سب مسلمان رضامند ہیں اور اسے قبول کرتے ہیں۔ اسی طرح تمہاری قوم بھی اس پر رضامند ہے اور اسے قبول کرتی ہے۔ آج سے تم ہماری حفاظت میں داخل ہو، ہم پر تمہاری حفاظت کی ذمہ داری ہے۔ ہم اسی صورت میں جزیہ لینے کے حق دار ہوں گے کہ تمہاری حفاظت سے عہدہ برا ہوں۔ اگر ہم تمہاری حفاظت نہ کر سکے تو جزیے کے حق دار نہ ہوں گے۔ اس معاہدے کے گواہ اور دستخط کرنے والے ہشام بن ولید، قعقاع بن عمرو، جریر بن عبداللہ الحمیری اور حنظلہ بن ربیع ہیں اور یہ صفر ۱۲ھ میں لکھا گیا'' *۔

عراق کے زمیندار اس انتظار میں تھے کہ اہل حیرہ کے ساتھ کیا وقوع میں آتا ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اہل حیرہ نے حضرت خالد کی اطاعت قبول کر لی اور جزیہ دینے کا اقرار کر لیا تو وہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مصالحت کی درخواست کی۔

فلالیج سے ہرمز جرد تک کے علاقے کے لئے بیس لاکھ درہم پر مصالحت ہوئی†۔ مصالحت میں یہ بھی طے پایا کہ آل کسریٰ کی تمام املاک مسلمانوں کی ملکیت ہوں گی۔ جو لوگ وطن چھوڑ

* (الطبری جلد ۴ صفحہ ۱۶)۔

† وہ علاقہ جو زیریں فرات کی دو شاخوں کے درمیان واقع تھا اور جن کے مشرق میں نہر سورا اور مغرب میں دریا کا اصلی دھارا تھا، بالائی اور زیریں فلوجہ کے علاقے کہلاتے تھے۔ ان کے جنوب میں فرات کا اصلی دھارا القنطرہ کے شہر کے پاس سے

(باقی صفحہ ۲۰۵ پر)

اگر ان کے ساتھ چلے گئے، وہ اس مصالحت سے خارج ہوں گے اور ان کی املاک بھی مسلمانوں کی ملکیت ہوں گی۔ ان لوگوں کے لئے جو صلح نامہ لکھا گیا، وہ ذیل میں درج ہے:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ وہ عہد نامہ ہے جو خالد بن ولید کی طرف سے زاد بن بہیش اور صلوبا بن نسطونا سے کیا گیا۔ اس عہد نامے کی رو سے تم پر جزیہ مقرر کیا جاتا ہے۔ اس کے بدلے ہم تمہاری جان و مال کی حفاظت کے ذمے دار ہوں گے۔ تم بہقباذ زیریں اور بہقباذ اوسط کے باشندوں کے کفیل بنائے جاتے ہو۔ ان لوگوں سے دس لاکھ درہم سالانہ جزیہ وصول کیا جائے گا جس کی وصولی کے ذمے دار تم ہو گے۔ یہ جزیہ مستطیع اور صاحب مقدرت لوگوں سے لیا جائے گا۔ بانقیا اور باروسما کے محاصل کی رقم اس جزیہ کے علاوہ ہے۔ آل کسریٰ اور جو لوگ ان کے ساتھ چلے گئے ہیں ان کی املاک کا اس معاہدے سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کی املاک مسلمانوں کی ملکیت ہوں گی۔ میں نے اور مسلمانوں نے نیز بہقباذ زیریں اور بہقباذ اوسط کے باشندوں نے یہ شرائط تسلیم کر لی ہیں۔ اس معاہدے کے گواہ اور دستخط کرنے والے ہشام بن ولید، قعقاع بن عمرو، جریر بن عبد اللہ الحمیری، بشیر بن عبید اللہ بن خصاصیہ اور حنظلہ بن ربیع

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۳)

گزرتی تھی اور بہت سے شہر مثلاً کوفہ کو جاتی تھی۔ (جغرافیہ خلافت مشرقی مؤلفہ جی لی۔ اسٹرینج صفحہ ۷۱)۔

ھرمز جرد: عراق کے آخری سرے پر ایک علاقے کا نام ہے۔ (معجم البلدان جلد ۸ صفحہ ۴۶۰)۔

ہیں اور یہ صفر ۱۲ ھ میں لکھا گیا"* ۔

حضرت خالد نے عراق کا ایک بڑا حصہ فتح کر لیا تھا ۔ آپ نے حیرہ کو مسلمانوں کا فوجی مستقر اور مفتوحہ علاقے کا دار الحکومت بنایا ۔ اب یہ بھی ضروری ہوچکا تھا کہ مفتوحہ علاقے کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی جائے اور وہ شہری نظام جو جنگی کارروائیوں کی وجہ سے درہم برہم ہو چکا تھا دوبارہ قائم کیا جائے ۔ اس غرض سے حضرت خالد نے مختلف علاقوں میں امراء مقرر کر کے بھیجے جن کے سپرد امن و امان اور شہری نظام بحال کرنے کے علاوہ خراج کی وصولی اور سرحدوں کی دیکھ بھال اور حفاظت کا کام بھی تھا ۔

حضرت خالد کے عمال اور امراء

خراج کی وصولی کے لئے آپ نے مندرجہ ذیل عمال مقرر کئے : فلالیج کے بالائی علاقے پر عبداللہ بن وثیمہ النصری کو مقرر کیا ۔ بانقیا اور بسما پر جریر بن عبداللہ کا تقرر کیا ۔ نہرین پر بشیر بن خصاصیہ کو ، تستر پر سوید بن مقرن مزنی کو ، اور

* اس معاہدے اور اس سے پچھلے معاہدے کی تاریخیں ماہ صفر غلط لکھی گئی ہیں کیوں کہ یہ دونوں معاہدے فتح حیرہ کے بعد ہوئے اور فتح حیرہ ربیع الاول میں ہوئی تھی ۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ تاریخوں کی تحریر صلح کرنے والوں کی طرف سے نہیں ، بلکہ بعد میں آنے والے راویوں کی طرف سے ہوئی ، کیونکہ اس زمانے میں معاہدوں کے ساتھ تاریخیں لکھنے کا دستور نہ تھا ۔

[illegible]ن پر اط بن ابی اط کو مقرر کیا گیا *۔

سرحدوں کی حفاظت کے لئے مندرجہ ذیل امراء کو مقرر کیا گیا۔ ضرار بن الازور، ضرار بن خطاب، مثنیٰ بن حارثہ، ضرار بن مقرن، قعقاع بن عمرو، بسر بن ابی رھم اور عتیبہ بن نہاس۔ یہ لوگ سب اپنی سرحدی چھاؤنی پر پہنچ کر ملک کی سرحد کے ساتھ ساتھ قیام پذیر ہو گئے۔ حضرت خالد نے انہیں حکم دے رکھا تھا کہ دشمن پر یورش کرتے رہو اور اسے چین نہ لینے دو۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنی سرحد سے آگے دجلہ کے کنارے تک سارا علاقہ دشمن سے چھین لیا تھا۔

امراء اور عمال کے تقرر سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے مزید خونریزی روکنے اور اہل فارس پر اتمام حجت کے خیال سے انہیں آخری تنبیہ کرنا ضروری سمجھا۔ آپ نے دو آدمی بلائے۔ ایک کا نام مرہ تھا اور دوسرے کا عزیل۔ انہیں آپ نے دو خط دئیے۔ ایک خط خواص کے نام تھا اور دوسرا عوام کے نام۔ مرہ حیری کو آپ نے ملوک فارس کی طرف بھیجا اور فرمایا: یہ خط لو اور اسے ملوک فارس کے پاس پہنچا دو۔ خدا تعالیٰ سے امید ہے کہ یہ [illegible] اسلام قبول کر لیں گے یا ہم سے مصالحت کر لیں گے۔ خط کا مضمون حسب ذیل تھا:

* اس علاقہ کے تحت تمام علاقوں کا خراج پچاس دن کے اندر اندر حضرت خالد کے پاس پہنچ گیا۔

† عذیب: سواد کوفہ میں ایک علاقہ ہے۔ اسی نام کی ایک نہر بھی ہے جو بصرہ کے قریب ہے (معجم البلدان جلد ۵ صفحہ ۱۹۰)۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ یہ خط خالد بن ولید کی جانب سے ملوک فارس کے نام ہے ۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے تمہارا انتظام درہم برہم کر دیا ۔ تمہارے مکر و فریب کو ناکام کر دیا اور تم میں اختلافات پیدا کر دئے ۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اس میں تمہارا ہی نقصان تھا ۔ اب تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ ہماری اطاعت قبول کر لو ۔ اگر ایسا کروگے تو ہم تمہیں اور تمہارا علاقہ چھوڑ کر دوسری طرف چلے جائیں گے ، ورنہ تمہیں ایک ایسی قوم کے سامنے مغلوب ہونا پڑے گا جو موت کو اس سے زیادہ پسند کرتی ہے جتنا کہ تم زندگی کو پسند کرتے ہو"۔

دوسرا خط جو آپ نے دیا وہ سرداران فارس کے نام تھا ۔ اس خط میں آپ نے لکھا تھا :

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ یہ خط خالد بن ولید کی طرف سے سرداران فارس کے نام ہے ۔ تم لوگ اسلام قبول کر لو ، سلامت رہوگے ۔ یا جزیہ ادا کرو ، ہم تمہاری حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے ۔ ورنہ یاد رکھو کہ میں نے ایسی قوم کے ساتھ تم پر چڑھائی کی ہے جو موت کی اتنی ہی فریفتہ ہے جتنے تم شراب نوشی کے" *۔

اس زمانے میں جب مسلمان دجلہ کے اس طرف فتح پر فتح حاصل کرنے میں مصروف تھے ، اہل فارس اردشیر کی وفات کے باعث اندرونی اختلافات میں الجھے ہوئے تھے ۔ تخت ایران پر قبضہ کرنے کی خاطر جوتیوں میں دال بٹ رہی تھی ۔ اگرچہ حضرت خالد سے جنگ کرنے کے متعلق سب متفق و متحد تھے ،

* (الطبری جلد ۴ صفحہ ۱۸) ۔

مگر لڑائی کو ایک دوسرے پر ڈال رہے تھے۔ ایک سال تک ان کی یہی کیفیت رہی اور مسلمان دجلہ تک سواد عراق پر قبضہ کرتے چلے گئے اور حیرہ سے دجلہ تک اہل فارس کا کوئی اثر باقی نہ رہا، نہ اس علاقے کے لوگ ذمی ہی تھے، سوا ان لوگوں کے جنہوں نے حضرت خالد سے باقاعدہ معاہدے کر لئے تھے۔ (۱) اہل فارس یا تو جلاوطن تھے یا کبھی کبھی قسمت آزمائی کو مسلمانوں سے حرب و پیکار میں مصروف تھے۔ اس عرصے میں اہل فارس نے بہرسیر* پر تو مدافعت کی لیکن باقی عرصہ بادشاہ بنانے اور معزول کرنے کے سوا اور کچھ نہ کیا۔ جب حضرت خالد کا خط ان کے پاس پہنچا تو ان کی آنکھیں کھلیں اور انہوں نے اپنے اختلافات اور تنازعات ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے کے مطابق انہوں نے بالاتفاق فرخ زاد بن بندوان کو (جو شاہی خاندان سے نہ تھا) عارضی طور پر اس وقت تک سلطنت کا نگران مقرر کر دیا، جب تک آل کسریٰ میں سے کسی شاہزادے کی بادشاہی پر سب متفق ہو سکیں۔

ادھر جب حضرت خالد کو مفتوحہ علاقوں اور سرداروں کی حفاظت کے انتظامات کے متعلق پورا اطمینان ہو گیا تو وہ قعقاع بن عمرو کو حیرہ میں نائب مقرر کرکے خود عیاض بن غنم کی مدد کے لئے روانہ ہوئے، جنہیں حضرت ابوبکر صدیق نے شمالی عراق فتح کرنے کے لئے روانہ فرمایا تھا۔ مقدمۃ الجیش پر اقرع بن حابس متعین تھے۔ حیرہ سے چل کر حضرت خالد

* بہرسیر، بغداد میں مدائن کے قریب ایک قصبہ ہے۔ (معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۳۱۴)۔

سب سے پہلے قسوسہ پہنچے۔ وہاں سے کربلا* آئے۔ کربلا کی فوجی چوکی پر عاصم بن عمرو متعین تھے۔ یہاں آپ نے کچھ روز قیام فرمایا۔ اس کے بعد کوچ کا حکم دیا اور انبار پہنچے۔

جنگ انبار*

جب اہل انبار کو حضرت خالد کے آنے کی اطلاع ملی تو انہوں نے شہر کے ارد گرد خندق کھود کر قلعے کے دروازے بند کر لیے اور اس طرح اپنے آپ کو نہایت محفوظ سمجھتے ہوئے بند ہو کر بیٹھ رہے۔ حضرت خالد مقدمۃ الجیش کے ساتھ ہی وہاں پہنچے۔ خندق کے کنارے آپ نے قلعے کا ایک چکر لگایا اور جنگ شروع کر دی۔ آپ کی عادت تھی کہ جہاں کہیں جنگ کا موقع نظر آتا، آپ سے ضبط نہ ہو سکتا تھا۔ آپ نے اپنے تیراندازوں سے کہا: جو لوگ ہمارے مقابلے پر متعین ہیں وہ میرے خیال میں اصول جنگ سے واقف نہیں، اس لیے تم تاک تاک کر ان کی آنکھوں کو نشانہ بناؤ۔ چنانچہ تیراندازوں نے ایسا ہی کیا اور ایک ہی دن میں دشمنوں کے ایک ہزار سپاہیوں کی آنکھیں بے کار کر کے رکھ دیں۔ ایک

* کربلا وہ مقام ہے جہاں حضرت امام حسین شہید ہوئے۔ یہ بستی صحراء کی جانب کوفہ کے قریب واقع ہے (معجم البلدان جلد ۷ صفحہ ۲۲۹)۔

* انبار، بغداد کے مغرب میں دس فرسخ کے فاصلے پر دریائے فرات کے کنارے واقع ہے۔ (معجم البلدان جلد اول صفحہ ۳۴۱)۔

ہو گیا کہ اہل انبار کی آنکھیں جاتی رہیں۔ اہل انبار کا سپہ سالار، ساباط کا رئیس، شیرزاد تھا جو بڑا عقل مند اور عرب و عجم میں بڑا ہر دل عزیز تھا۔ اس نے حضرت خالد سے صلح کی بات چیت شروع کی، لیکن شرائط ایسی پیش کیں جو حضرت خالد کو منظور نہ ہوئیں۔ چنانچہ صلح کی بات چیت ناکام ہو گئی۔

اس کے بعد حضرت خالد فوج لے کر ایسے مقام پر آئے جہاں خندق بہت تنگ تھی۔ آپ نے حکم دیا کہ لشکر کے مریض اور لاغر اونٹ ذبح کر کے خندق میں ڈال دیے جائیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے اونٹ ذبح کر کے خندق میں پھینک دیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی لاشوں سے خندق کا ایک حصہ پٹ گیا اور ایک پل سا بن گیا۔ حضرت خالد فوج کو لے کر خندق کے پار ہو گئے اور دشمنوں کو قلعے کے اندر پسپا ہونا پڑا۔ یہ حالت دیکھ کر شیرزاد نے دوبارہ صلح کے لئے سلسلہ جنبانی شروع کی اور یہ پیش کش کی کہ اگر اس کی جان بخشی کر دی جائے تو وہ سواروں کے ایک دستے کے ساتھ جن کے پاس سامان وغیرہ کچھ نہ ہو گا خالی ہاتھ شہر سے باہر نکل جائے گا۔ حضرت خالد نے یہ پیش کش منظور کر لی اور شیرزاد شہر سے نکل گیا۔ شہر پر مسلمان قابض ہو گئے اور انبار کے نواحی علاقے کے لوگوں نے حضرت خالد سے مصالحت کر لی۔

حضرت خالد کا معمول تھا کہ جس کی خود ابتدا کرتے، آمادہ مقابلہ کی صورت میں لڑنے کے لئے خندق کے گرد چکر لگاتے، چکر لگانے کے فوراً بعد لڑائی شروع کر دیتے، لڑائی شروع ہونے کے فوراً بعد یہ معلوم کر لیتے کہ دشمن فوج کس طرف سے ضعف زدہ ہے، پھر ان تمام باتوں کے باوجود لڑائی میں کامیابی

نا جائز جزیہ پر صلح کا معاملہ نہ ہوتا۔ یہ تمام باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ حضرت خالد کو کس درجہ جنگی مہارت حاصل تھی۔

جب حضرت خالد انبار سے فراغت حاصل کر چکے تو آپ نے شہر انبار میں زبرقان بن بدر کو اپنا نائب مقرر کیا اور خود عین التمر کا رخ کیا۔

جنگ عین التمر*

عین التمر میں اس وقت مہران بن بہرام چوبین، عجمیوں کی ایک عظیم جمعیت کے ساتھ موجود تھا۔ عقہ بن ابی عقہ بھی وہیں مقیم تھا اور اس کے ساتھ نمر، تغلب اور ایاد وغیرہ عربی النسل عیسائی قبائل کی ایک بڑی بھاری جماعت تھی۔ جب ان لوگوں کو حضرت خالد کے آنے کی اطلاع ملی تو عقہ نے مہران سے کہا "عرب، عربوں سے لڑنا خوب جانتے ہیں اس لئے تم ہمیں مسلمانوں سے نبٹ لینے دو" مہران نے جواب دیا "تم ٹھیک کہتے ہو۔ عربوں کے ساتھ لڑنے میں تم ایسے ہی ماہر ہو جتنے ہم عجمیوں سے لڑنے میں ماہر ہیں"۔ اس طرح مہران نے عقہ کو خود فریبی میں مبتلا کرکے اپنے آپ کو جنگ کی مصیبت سے بچا لیا اور اس سے کہا "تم مسلمانوں سے لڑو۔ اگر ضرورت ہوگی تو ہم بھی میدان جنگ میں پہنچ جائیں گے"۔

عجمی، عربوں کو بہت حقیر سمجھتے تھے۔ مہران کی یہ

* عین التمر، کوفہ کے مغرب میں انبار کے قریب صحراء کی جانب ایک قصبہ ہے۔ (معجم البلدان جلد ۶ صفحہ ۳۰۲)۔

باتیں سن کر انہوں نے اس سے پوچھا "تم نے اس کیے (عقہ) سے مدد کا وعدہ کیوں کیا ؟" مہران نے کہا "تم میری بات میں دخل نہ دو۔ میں نے جو کچھ کیا ہے تمہاری بہتری کے لئے کیا ہے۔ اس وقت تمہارے مقابلے کے لئے ایک ایسا شخص آرہا ہے جس نے تمہارے بادشاہوں کو قتل اور تمہاری سلطنت کو پاش پاش کرکے رکھ دیا ہے۔ میں نے ان عربوں کے ذریعے تمہارا بچاؤ کیا ہے۔ اگر یہ لوگ خالد کے مقابلے میں کامیاب ہو گئے تو کامیابی کا سہرا تمہارے ہی سر ہوگا۔ اور فتح تمہاری ہی گردانی جائے گی۔ لیکن اگر یہ لوگ شکست کھا گئے تو تمہاری تازہ دم فوج تھکے ماندے مسلمانوں کو آسانی سے شکست دے سکے گی"۔ مہران کی یہ دلیل سن کر عجمی فوج مطمئن ہو کر قلعے میں چلی گئی۔ عقہ آگے بڑھ کر حضرت خالد کے راستے میں حائل ہو گیا۔ اس کے اور مہران کے درمیان ایک دن کی مسافت تھی۔ جب حضرت خالد پہنچے تو عقہ اپنی فوجوں کی صف آرائی کر رہا تھا۔ حضرت خالد نے آتے ہی عقہ کی فوج پر حملہ کر دیا اور نہایت پھرتی سے کمند ڈال کر عقہ کو اپنے لشکر میں گھسیٹ لائے۔ اپنے سردار کی یہ حالت دیکھ کر دشمن کے چھکے چھوٹ گئے اور انہیں بھاگتے ہی بن پڑی۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا اور سینکڑوں کو گرفتار کر لیا۔

جب مہران کو اس واقعہ کی خبر ملی تو وہ اپنی فوج کو لے کر قلعے سے بھاگ گیا۔ عقہ کا شکست خوردہ لشکر بھاگتا ہوا قلعہ میں پہنچا اور اس کے دروازے بند کرکے بیٹھ گیا۔ حضرت خالد نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ عقہ بھی بحالت اسیری آپ کے ساتھ تھا۔ دشمن یہ سمجھتا تھا کہ حضرت خالد تیروں

کی طرح ہوں گے اور اگر انہیں کچھ مال و دولت کا لالچ دیا جائے تو وہ انہیں چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ وہ کسی طرح ان کا پیچھا نہیں چھوڑتے تو انہوں نے قلعے کے دروازے کھول دئے۔ حضرت خالد نے تمام لوگوں کو گرفتار کر کے مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔

اب حضرت خالد نے عقہ کے قتل کا حکم صادر کیا تا کہ تمام قیدی زندگی سے مایوس ہوجائیں۔ چنانچہ عقہ کو قتل کر کے اس کی لاش پل پر پھینک دی گئی۔ اس کے بعد حضرت خالد نے تمام قیدیوں کی گردنیں اڑانے کا حکم دیا۔ چنانچہ سب قیدیوں کو قتل کر دیا گیا اور قلعے کے تمام مال و اسباب پر قبضہ کر لیا گیا۔

اس قلعے میں ایک گرجا تھا جس میں چالیس لڑکے انجیل کی تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔ حضرت خالد نے ان سے پوچھا "تم کون ہو؟" انہوں نے جواب دیا "ہم اس کنیسا کے لئے وقف ہیں"۔ آپ نے ان لڑکوں کو فوجیوں میں تقسیم کر دیا۔ ان لڑکوں میں سے بعض مثلاً سیرین ابو محمد بن سیرین عثمان کے غلام حمران اور نصیر ابو موسیٰ بن نصیر، عظیم شہرت کے مالک ہوئے اور انہوں نے اسلامی سلطنت کے استحکام کے لئے گرانقدر خدمات سر انجام دیں۔

حضرت خالد نے ولید بن عقبہ کو خمس (غنیمت کا پانچواں حصہ) دے کر فتح کی خوشخبری کے ساتھ حضرت صدیق کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت صدیق نے ولید کو عیاض بن غنم کی مدد کے لئے روانہ کر دیا۔ اس وقت عیاض بن غنم نے دومۃ الجندل کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ جواباً اہلیان دومۃ الجندل

نے عیاض بن غنم کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور عیاض کا راستہ مسدود کر رکھا تھا ۔ ولید نے عیاض سے کہا " بعض حالات میں عقل کی ایک بات ایک زبردست لشکر سے بھی زیادہ مفید ثابت ہوتی ہے ۔ اگر تم میری مانو تو خالد کے پاس آدمی بھیج کر ان سے استعانت چاہو" ۔ عیاض نے ولید کی بات مان لی اور حضرت خالد سے امداد طلب کی ۔ عیاض کا قاصد حضرت خالد کے پاس اس وقت پہنچا جب آپ عین التمر کی فتح سے فارغ ہوچکے تھے ۔ آپ نے جواب لکھا :

"خالد بن ولید کی جانب سے عیاض کے نام ۔ میں ابھی تمہارے پاس آتا ہوں ۔ تمہارے پاس اونٹنیاں آنے والی ہیں جن پر کالے، زہریلے ناگ سوار ہیں ۔ فوج کے دستے ہیں جن کے پیچھے اور دستے ہیں" ۔

حضرت خالد نے عویم بن کاہل اسلمی کو عین التمر میں اپنا نائب مقرر کیا اور اپنی فوج لے کر دومۃ الجندل روانہ ہوگئے ۔

جنگ دومۃ الجندل*

جب اہل دومۃ الجندل کو حضرت خالد کی آمد کی اطلاع ملی تو انہوں نے بہراء، کلب، غسان، تنوخ اور ضجاعم کے

* دومۃ الجندل کا قصبہ دمشق اور مدینہ کے درمیانی راستے سے سات منزل کے فاصلے پر واقع ہے ۔ ابو عبید السکونی لکھتے ہیں کہ دومۃ الجندل، شام اور مدینہ کے درمیان جبل طئی کے قریب

(باقی صفحہ ۲۱۶ پر)

قبیلوں سے کمک طلب کی ۔ سب سے پہلے ودیعہ ، کلب اور بہراء کی ایک جمعیت لے کر آیا ۔ اس کا معاون ابن وبرہ بن رومانس تھا ۔ ودیعہ کے علاوہ ابن الحدرجان ، ضجاعم کو لے کر اور ابن الأیہم غسان اور تنوخ کی جماعتوں کو لے کر پہنچے ۔ یہ سب مل کر عیاض بن غنم پر اور عیاض بن غنم ان پر حملے کرتے رہے ۔ ان لوگوں کی فوج کے دو سردار تھے ۔ أکیدر بن عبد الملک اور جودی بن ربیعہ ۔ جب حضرت خالد دومۃ الجندل کے قریب پہنچے تو ان لوگوں میں باہم اختلاف پیدا ہو گیا ۔ أکیدر کہنے لگا ''میں تمہاری بہ نسبت خالد سے بہت زیادہ واقف ہوں ۔ آج دنیا میں خالد سے بڑھ کر کوئی شخص اقبال مند اور فنون جنگ کا ماہر نہیں ہے ۔ جو قوم خالد سے مقابلہ کرتی ہے خواہ وہ تعداد میں کم ہو یا زیادہ ، ہر حال میں شکست کھا جاتی ہے اس لئے تم میری بات مانو اور مسلمانوں سے صلح کراو*۔ لوگوں نے اکیدر کی یہ رائے قبول

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۵)

ایک قلعہ اور شہر ہے ۔ تمام مؤرخین اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت خالد بن ولید نے ۱۲ ھ میں اس شہر پر چڑھائی کی تھی اور یہاں کے سردار أکیدر کو بغاوت اور ارتداد کی وجہ سے قتل کیا تھا ۔ (معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۱۰٦ ، ۱۰۷) ۔

* أکیدر کی یہ رائے بالکل صائب اور سابقہ تجربے پر مبنی تھی ۔ اس سے پہلے أکیدر کو حضرت خالد سے اس وقت سابقہ پڑ چکا تھا جب رسول اللہ نے تبوک سے حضرت خالد کو اس کی طرف بھیجا تھا اور آپ اسے گرفتار کرکے اسے رسول اللہ کی

(باقی صفحہ ۲۱۷ پر)

کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر اکیدر یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا ''تم جانو، تمہارا کام جانے۔ میں نہ تمہارے ساتھ مل کر خالد سے جنگ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں''۔

جب حضرت خالد کو اکیدر کے جانے کی خبر ہوئی تو آپ نے عاصم بن عمرو کو اسے گرفتار کرنے کے لئے بھیجا۔ عاصم نے اسے راستے ہی میں جا لیا اور اسے گرفتار کر کے حضرت خالد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت خالد نے اس کی بدعہدی اور بغاوت کی پاداش میں اس کی گردن اڑا دی۔

حضرت خالد آگے بڑھ کر دومۃ الجندل پہنچے۔ انہیں دومۃ الجندل کے سردار یہ لوگ تھے: جودی بن ربیعہ، ودیعہ کلبی، ابن رومانس کلبی، ابن الایہم اور ابن الحدرجان۔ حضرت خالد نے دومۃ الجندل کو اپنی اور عیاض بن غنم کی فوج کے گھیرے میں لے لیا۔ جو عربی النسل عیسائی دومۃ الجندل والوں کی امداد کے لئے پہنچے تھے وہ قلعے کے چاروں طرف جمع تھے کیونکہ قلعے میں ان کے لئے گنجائش نہیں تھی۔

دومۃ الجندل والوں نے حضرت خالد کی آمد پر کسی گھبراہٹ کا اظہار نہیں کیا بلکہ بڑے اطمینان سے صف بندی کی۔ جودی بن ربیعہ اور ودیعہ، حضرت خالد کے مقابلے پر اور ابن حدرجان اور ابن الایہم، عیاض بن غنم کے مقابل صف آرا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۶)

خدمت میں لے کر حاضر ہوئے تھے۔ رسول اللہ کی خدمت میں پہنچ کر اس نے حضور کی دعوت قبول کر لی تھی اور اپنے ملک واپس چلا آیا تھا۔

ہوئے حضرت خالد نے جودی کو اور اقرع بن حابس نے ودیعہ کو گرفتار کر لیا ۔ باقی لوگ قلعے کی طرف بھاگے لیکن وہاں کافی گنجائش نہیں تھی ۔ قلعہ بھر جانے پر اندر والوں نے دروازہ بند کر لیا اور اپنے ان ساتھیوں کو جو باہر رہ گئے تھے مسلمانوں کی تلواروں کے حوالے کر دیا ۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت خالد کی فوج کے ایک سردار عاصم بن عمرو نے اپنے قبیلہ — بنو تمیم سے اپنے حلیف بنو کلب کی امداد کی اپیل کی ۔ بنو تمیم فوراً ان کی حفاظت کے لئے پہنچ گئے اور اس طرح بنو کلب کی جانیں بچ گئیں ۔

جو لوگ قلعے کی طرف بھاگے تھے ، حضرت خالد نے ان کا پیچھا کیا اور اتنے آدمی قتل کئے کہ ان کی لاشوں سے دروازہ پٹ گیا اور اندر جانے کا راستہ نہ رہا ۔ آپ نے جودی بن ربیعہ اور دیگر قیدیوں کی گردنیں بھی اڑا دیں ، سوائے بنو کلب کے قیدیوں کے ، جنہیں عاصم بن عمرو نے پناہ دے دی تھی ۔ اس کے بعد حضرت خالد نے قلعے کا دروازہ اکھڑوا ڈالا اور جتنے لوگ بھی قلعے میں محصور تھے انہیں قتل کر دیا ۔

دومۃ الجندل کی فتح کے بعد حضرت خالد نے اقرع بن حابس کو انبار واپس جانے کا حکم دیا اور خود دومۃ الجندل ھی میں قیام کیا ۔ جن دنوں حضرت خالد دومۃ الجندل میں مقیم تھے اس زمانے میں عجمی آپ کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے ۔ عقہ کے انتقام کے جوش میں جزیرہ کے عربوں نے بھی ان عجمیوں سے ساز باز کر لی تھی اور انہیں لکھا تھا کہ وہ عقہ کا انتقام لینے کے لئے ان کا ساتھ دیں ۔ چنانچہ زرمہر ، انبار روانہ ھوا ۔ روزبہ نے بھی انبار کا رخ کیا ۔ دونوں میں یہ طے پایا کہ حصید اور خنافس پر دونوں کی فوجیں مل

جائیں۔ جب زبرقان بن بدر کو جو انبار میں موجود تھے یہ اطلاع ملی تو انہوں نے قعقاع بن عمرو سے (جو حیرہ میں حضرت خالد کے نائب کے طور پر کام کر رہے تھے) امداد کی درخواست کی۔ انہوں نے اعبد بن فدکی السعدی کو حصید اور عروہ بن جعد البارقی کو خنافس پہنچنے کا حکم دیا اور دونوں کو ہدایت کی کہ اگر انہیں آگے بڑھنے کا موقع ملے تو آگے بڑھ جائیں۔ یہ دونوں سردار ایسے مقام پر ٹھہرے کہ حصید اور خنافس کا ریف سے تعلق منقطع ہو گیا اور دشمن کے رستے مسدود ہو گئے۔ زرمہر اور روزبہ مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لئے بنو ربیعہ کا (جن سے ان کے عہد و پیمان ہو چکے تھے) انتظار کر رہے تھے۔ ادھر جب حضرت خالد دومۃ الجندل سے حیرہ واپس آئے اور انہیں ان حالات کی اطلاع ملی تو انہوں نے فوراً قعقاع بن عمرو اور ابولیلیٰ کو روزبہ اور زرمہر کے مقابلے کے لئے روانہ فرمایا۔ چنانچہ یہ دونوں حضرت خالد سے پہلے عین التمر پہنچ گئے۔

اسی اثنا میں حضرت خالد کے پاس امرؤالقیس کلبی کا خط پہنچا جس میں لکھا تھا کہ عقہ کے انتقام کے جوش میں ہذیل بن عمران نے مصیخ میں اور ربیعہ بن بشر نے ثنی اور بشر میں فوجیں جمع کی ہیں اور یہ دونوں زرمہر اور روزبہ کے پاس پہنچ رہے ہیں۔ یہ خط پڑھ کر حضرت خالد نے عیاض بن غنم کو تو حیرہ میں چھوڑا اور خود وہاں سے روانہ ہوئے۔ آپ نے مقدمۃ الجیش پر اقرع بن حابس کو مقرر کیا تھا۔ خنافس جانے کے لئے آپ نے وہی راستہ اختیار کیا جو قعقاع اور ابولیلیٰ نے اختیار کیا تھا۔ آپ ان دونوں سے عین التمر کے مقام پر آن ملے۔ یہاں سے آپ نے قعقاع کو امیر بنا کر حصید کی جانب اور

بوالیلیٰ کو خنافس کی جانب روانہ فرمایا اور انہیں ہدایت کی کہ دشمنوں اور ان کے بھڑکانے والوں کو گھیر کر ایک جگہ جمع کردیں تاکہ مسلمان یکدم ان پر حملہ کرکے ایک ہی ہلے میں ان کا صفایا کر سکیں۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ انہوں نے مسلمانوں کے ارادوں کو بھانپ لیا تھا اس لئے وہ اکٹھے نہ ہوئے۔

جنگ حصید *

قعقاع بن عمرو نے جب دیکھا کہ زرمہر ور روزبہ اپنی جگہ سے ہٹنے کا نام ہی نہیں لیتے تو وہ حصید کی طرف بڑھے۔ اس جگہ عربی اور عجمی فوجوں کا سردار روزبہ تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ قعقاع اس کی طرف بڑھتے چلے آرہے ہیں تو اس نے زرمہر سے امداد طلب کی۔ زرمہر نے مہبوذان کو اپنی فوج کا نائب مقرر کیا اور خود روزبہ کی امداد کے لئے حصید روانہ ہوا۔ یہاں زبردست مقابلہ ہوا جس میں دشمنوں کو شکست فاش اٹھانی پڑی۔ مسلمانوں نے دشمنوں کی ایک بھاری تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور بے شمار مال غنیمت حاصل کیا۔ مقتولین میں زرمہر اور روزبہ بھی شامل تھے†۔ بقیۃ السیف شکست خوردہ لشکر خنافس بھاگ گیا۔

* حصید، عراق کی حدود پر جزیرہ کی جانب ایک قصبہ ہے (معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۲۸۸)۔

† زرمہر کو قعقاع نے اور روزبہ کو عصمہ بن عبداللہ الضبی نے قتل کیا (الطبری جلد ۴ صفحہ ۲۴)۔

فتح خنافس

خنافس میں جو لشکر جمع تھا، ابو لیلیٰ اس کی طرف روانہ ہوئے۔ جب مہبوذان کو مسلمانوں کی آمد کی خبر ملی تو وہ اپنے تمام لشکر سمیت مصیخ بھاگ گیا جہاں کا حاکم ہذیل بن عمران تھا۔ اس طرح مسلمان بغیر لڑے ہوئے خنافس پر قابض ہو گئے۔

جنگ مُصَیَّخ*

جب حضرت خالد کو حصید اور خنافس کی فتوحات اور مہبوذان کے لشکر کے مصیخ کی جانب بھاگ جانے کے بارے میں اطلاعات ملیں تو آپ نے اپنے سرداران فوج قعقاع بن عمرو، ابو لیلیٰ، عبد اور عروہ کو مصیخ کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا اور خود بھی ادھر کا رخ کیا۔ یہ پہلے ہی سے طے کر دیا گیا تھا کہ تمام دستوں کو کس رات اور کس وقت پہنچنا ہے۔ چنانچہ وقت مقررہ پر تمام دستے منزل مقصود پر پہنچ گئے اور آتے ہی تین اطراف سے دشمن اور اس کی فوج پر، جو بے خبر پڑی سو رہی تھی، پرزور حملہ کر دیا۔ ہذیل اپنے چند ساتھیوں سمیت بھاگ جانے میں کامیاب ہو گیا۔ باقی تمام فوج تباہ ہو گئی۔ لاشوں سے میدان اس طرح اٹ گیا گویا بکریاں ذبح کی ہوئی پڑی ہیں۔

* مصیخ کو مصیخ بنی البرشاء بھی کہتے ہیں۔ یہ قصبہ حوران اور قلت کے درمیان واقع ہے (معجم البلدان جلد ۸، صفحہ ۷۹)۔

معرکۂ مصیخ کے دوران میں جرہر بن عبداللہ کے ہاتھوں دو مسلمان عبدالعزی بن ابی رہم اور لبید بن جریر بھی مارے گئے۔ یہ دونوں، مسلمان ہو چکے تھے اور ان کے پاس حضرت صدیق کا عطا کیا ہوا ایک صداقت نامہ بھی موجود تھا۔ جب بعد میں حضرت صدیق کو معلوم ہوا کہ عبدالعزی حملے کی رات کو ایسے اشعار پڑھ رہا تھا جن میں صاف طور پر خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ کی رسالت کا ذکر تھا تو آپ نے ان دونوں کا خون بہا ادا کر دیا۔

حضرت عمر، مالک بن نویرہ اور ان اشخاص کے قتل کی وجہ سے حضرت خالد کو مورد الزام ٹھہراتے تھے۔ لیکن حضرت صدیق نے فرمایا "جو مسلمان، دشمن کی سر زمین میں دشمن کے ساتھ قیام پذیر ہوں گے ان کے ساتھ ایسی صورت کا پیش آنا ممکن ہے"۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ اگر یہ دونوں حضرات چاہتے تو دشمن سے علیحدہ ہو کر کسی اور جگہ رہ سکتے تھے۔ انہیں خواہ مخواہ اسی جگہ ٹھہرنے کی ضرورت نہ تھی جس کے متعلق انہیں اچھی طرح پتہ تھا کہ یہ دشمنان اسلام کی جائے سکونت ہے اور عنقریب یہاں میدان کا رزار گرم ہونے والا ہے۔

جنگ ثنی اور جنگ زمیل*

جنگ مصیخ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت خالد نے تعقب

* الثنی، مشرقی رصافہ کے قریب جزیرہ کی سرحد پر ایک قصبہ ہے (معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۲۶)۔ الربیل کا نام البشر بھی ہے اور الثنی اسی سے ملحق ہے۔ یہ دونوں مقامات آج کل رصافہ کا مشرقی حصہ ہیں (طبری جلد ۴ صفحہ ۲۵)۔

اور ابولیلیٰ کو الثنی اور الزمیل روانه کیا ۔ الثنی میں ربیعه بن بجیر تغلبی اپنی فوج کے ساتھ موجود تھا ۔ قعقاع اور ابولیلیٰ کے پیچھے حضرت خالد بھی روانه ہو گئے ۔ اس حملے کا پروگرام بھی ویسا ہی بنایا گیا جیسا جنگ مصیخ کے موقع پر بنایا گیا تھا ۔ حضرت خالد نے الثنی سے اپنی مہم کا آغاز کیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر رات کے وقت تین اطراف سے دشمنوں پر زور شور سے حمله کر دیا ۔ اس حملے میں دشمنوں کا کوئی مرد بھی بچ کر نه نکل سکا، عورتیں گرفتار کر لی گئیں* ۔ فتح کے بعد حضرت خالد نے نعمان بن عوف شیبانی کے ہاتھ حضرت صدیق کی خدمت میں خمس روانه کیا ۔

الثنی سے حضرت خالد، الزمیل روانه ہوئے جہاں عتاب بن فلاں ایک بھاری لشکر لئے ہوئے موجود تھا ۔ ربیعه اور اس کی تمام فوج کے قتل کی خبر اسے مل چکی تھی ۔ ہذیل نے بھی مصیخ سے بھاگ کر اسی کے پاس پناہ لی تھی ۔ حضرت خالد نے یہاں بھی رات کو تین جانب سے حمله کیا ۔ اس معرکے میں دشمن کی اتنی بڑی تعداد قتل ہوئی که اس سے پہلے کبھی نه ہوئی تھی ۔ حضرت خالد نے مال غنیمت تقسیم کیا اور صبیح بن فلاں مزنی کے ہاتھ حضرت صدیق کی خدمت میں خمس روانه کیا ۔

الزمیل سے حضرت خالد، الرضاب| کی طرف بڑھے ۔ وہاں کا

* حضرت علی نے انہی قیدی عورتوں میں سے ربیعه بن بجیر کی لڑکی کو خریدا تھا جن سے آپ کے یہاں عمر اور رقیه پیدا ہوئے (الطبری جلد ۴ صفحه ۲۵) ۔

| الرضاب، رصافه سے پہلے اس جگه جو بستی تھی اسے الرضاب کہتے تھے (معجم البلدان جلد ۴ صفحه ۲۶۹) ۔

حاکم ہلال بن عقبہ تھا۔ جب اس کی فوج نے حضرت خالد کے آنے کی خبر سنی تو اس نے مارے خوف کے لڑنے سے انکار کر دیا جس پر ہلال کو مجبوراً وہاں سے بھاگنا پڑا اور مسلمانوں کو ارضاب فتح کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔

جنگ فراض*

اب حضرت خالد کا تسلط تمام سواد عراق پر ہو چکا تھا۔ الجزیرہ کے عربوں پر بھی آپ فتح پا چکے تھے۔ ان لڑائیوں کے بعد آپ الفراض کی جانب روانہ ہوئے جہاں شام، عراق اور الجزیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں۔ الفراض کو فتح کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جب آپ سرزمین ایران کو فتح کرنے کے لئے آگے بڑھیں تو آپ کی پشت بالکل محفوظ رہے اور آپ اطمینان سے فتوحات میں مصروف رہیں†۔

اسلامی فوجیں الفراض میں اکٹھی ہوئیں تو انہیں دیکھ کر رومیوں کو بے حد جوش آیا اور انہوں نے اپنے قریب کی ایرانی چوکیوں سے مدد مانگی۔ ایرانیوں نے بڑی خوشی سے رومیوں

* فراض، دریائے فرات کے مشرق میں وہ مقام جہاں شام، عراق اور الجزیرہ کی سرحدیں آ کر ملتی ہیں (معجم البلدان جلد ۶ صفحہ ۳۵۰)۔

† حضرت خالد کا یہ فعل بھی آپ کی دور رسی اور بے نظیر جنگی مہارت پر دلالت کرتا ہے۔ حضرت صدیق نے بھی مدینہ سے روانگی کے وقت خالد اور عیاض کو یہی ہدایت فرمائی تھی۔ دیکھیں: طبری جلد ۴ صفحہ ۵۔

کی مدد کی کیونکہ مسلمانوں نے انہیں ذلیل و رسوا کیا تھا اور ان کی شان و شوکت کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔ ایرانیوں کے علاوہ تغلب، ایاد اور نمر کے عربی النسل قبائل نے بھی رومیوں کی پوری پوری مدد کی، کیونکہ وہ اپنے رؤسا اور سر بر آوردہ اشخاص کے قتل کو بھولے نہ تھے۔ چنانچہ رومیوں، ایرانیوں اور عربی النسل قبائل کا ایک لشکر جرار مسلمانوں سے لڑنے کے لئے روانہ ہوا۔ دریائے فرات پر پہنچ کر رومیوں نے مسلمانوں کو کہلا بھیجا: تم دریا کو عبور کر کے ہماری طرف آؤ گے یا ہم دریا کو عبور کر کے تمہاری طرف آئیں؟ حضرت خالد نے مسلمانوں کو خطرے میں ڈالنا پسند نہ کیا چنانچہ آپ نے کہلا بھیجا: تم ہی ہماری طرف آجاؤ۔ دشمنوں نے کہا ”اچھا، تم سامنے سے ہٹ جاؤ تاکہ ہم دریا پار کر لیں“۔ حضرت خالد نے فرمایا ”یہ بات غلط ہے۔ تم نچلی جانب سے دریا پار کر لو۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس دوران میں تمہیں کچھ بھی نہ کہیں گے“۔ جب رومیوں کا تمام لشکر دریا کے پار ہو گیا تو لشکر کے سپہ سالار نے فوج کو حکم دیا کہ تمام قبائل علیحدہ علیحدہ ہو جائیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ کس گروہ نے زیادہ شاندار کام سر انجام دیا ہے۔ چنانچہ تمام فوج علیحدہ علیحدہ ہو گئی اور لڑائی شروع ہوئی۔ جب دشمن کو شکست ہونے لگی تو حضرت خالد نے اپنی فوج کو حکم دیا: ان کا پیچھا کرو اور ان کو دم نہ لینے دو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

فراض کی جنگ میں عین میدان جنگ اور بعد ازاں تعاقب میں دشمن کے ایک لاکھ آدمی کام آئے۔ عراق میں حضرت خالد کی یہ آخری جنگ تھی۔

فتح کے بعد حضرت خالد نے فراض میں دس روز قیام فرمایا۔ دس روز بعد ۲۵ ذی القعدہ ۱۲ھ کو اپنی فوج کو حیرہ کی جانب کوچ کا حکم دیا۔ آپ نے عاصم بن عمرو سے کہا کہ وہ لشکر کے ساتھ جائیں اور شجر بن الاغر کو ساقہ کا کمانڈر مقرر کیا۔ اپنے متعلق آپ نے یہ ظاہر کیا کہ جیسے ساقہ کے ساتھ آرہے ہیں۔ لیکن اصل میں آپ لشکر کو چھوڑ کر خفیہ طور پر حج کرنے روانہ ہوگئے تھے۔

حضرت خالد کا خفیہ حج

حضرت خالد حج کے لئے روانہ ہوئے تو آپ کے ساتھ چند لوگ اور بھی تھے۔ آپ شہروں اور بستیوں سے دور دور، سیدھے مکہ کی سمت روانہ ہوئے۔ کوئی رہبر ساتھ نہ تھا اور یہ راستہ نہایت عجیب اور دشوار گذار تھا۔ لیکن آپ فوج سے غیر حاضر بہت تھوڑے عرصے کے لئے رہے۔ ابھی لشکر کا آخری حصہ حیرہ نہیں پہنچا تھا کہ آپ حج سے فارغ ہوکر ساقہ سے آملے اور اس کے ہمراہ شہر میں داخل ہوئے۔ ان چند لوگوں کے سوا جو اس سفر میں آپ کے ساتھ تھے، لشکر کے اور کسی شخص کو آپ کے حج کی خبر نہ تھی۔ جب انہوں نے آپ کی واپسی پر آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے سر منڈے ہوئے دیکھے تو انہیں معلوم ہوا کہ آپ حج کو تشریف لے گئے تھے۔

حضرت صدیق کو آپ کے حج کرنے اور لشکر چھوڑنے کی اطلاع مل گئی تھی۔ آپ کو خوب اچھی طرح پتہ تھا کہ اس خبر کا اثر آپ کے لشکر پر اور دشمن کے لشکر پر کیا ہوسکتا ہے۔ آپ جانتے تھے کہ خالد سے یہ فعل اس لئے سرزد ہوا

تھے۔ وہ یہی ہر مرحلے پر اپنی فتح اور دشمن کی شکست پر یقین ہوتا ہے اور وہ دشمن کی حیثیت بہت معمولی سمجھتے ہیں۔ حضرت خالد کے اس فعل کو حضرت ابوبکر صدیق مناسب نہ سمجھتے تھے۔ عین میدان جنگ میں، ہزاروں لاکھوں دشمنوں کے درمیان گھرے ہوئے لشکر کو چھوڑ کر سپہ سالار کا لیے حج کے لئے چلا آنا مصلحت اور دور اندیشی کے بالکل خلاف تھا۔

اسی زمانے میں ان امراء نے جنہیں حضرت صدیق نے شام کی جانب بھیجا تھا اپنے لئے مدد کی درخواست کی۔ حضرت صدیق نے رومیوں کی طرف بھی اسی خدائی تلوار کو بھیجنا چاہا جس نے ساسانی کسریٰ کے تخت کو ہلا ڈالا تھا۔ آپ نے عبدالرحمن بن حنبل الجمحی کے ہاتھ حضرت خالد کو ایک خط بھیجا۔ خط کا مضمون حسب ذیل ہے:-

''تم یہاں سے روانہ ہو کر یرموک میں مسلمانوں کی جماعت سے مل جاؤ کیونکہ وہاں وہ دشمن کے نرغے میں گھر گئے ہیں۔ یہ حرکت (خفیہ حج) جو تم نے اب کی ہے آئندہ کبھی تم سے سرزد نہ ہو۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ تمہارے سامنے دشمن کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں اور تم مسلمانوں کو دشمن کے نرغے سے صاف نکال لاتے ہو۔ اے ابو سلیمان! میں تمہیں تمہارے خلوص اور خوش قسمتی پر مبارک باد دیتا ہوں۔ اس مہم کو بھی تکمیل تک پہنچاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے۔ تمہارے دل میں غرور پیدا نہ ہونا چاہئے کیونکہ غرور کا انجام نقصان اور رسوائی ہے۔ اپنے کسی عمل پر نازاں بھی نہ ہونا۔ فضل و کرم کرنے والا صرف اللہ ہے اور وہی اعمال کا صلہ دینے والا ہے*''۔

* الطبری جلد ۴ صفحہ ۲۶۔

عراق میں حضرت خالد کی فتوحات کا اثر

اہل عرب بالعموم ایرانیوں کو نہایت تعظیم و تکریم اور احترام و توقیر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ اگر کسی عرب کو کسریٰ کے محل کے دروازے پر کھڑے ہونے، یا شاہنشاہ کو سجدہ کرنے کے لئے اس کے دربار میں باریابی کی اجازت مل جاتی تھی تو وہ سمجھتا تھا کہ اسے ہفت اقلیم کی بادشاہت مل گئی ہے۔ اس کے مقابلے میں ایرانی، عربوں کو اس درجہ حقیر سمجھتے تھے کہ کئی جنگوں میں حضرت خالد کی فتوحات کے باوجود انہوں نے ابتداء میں عربوں کے حملوں اور پیش قدمی کو سنجیدگی کی نظر سے نہ دیکھا۔ اس کی واضح مثال ہمیں جنگ الیس کے موقع پر نظر آتی ہے جبکہ وہ میدان جنگ میں نہایت بے فکری سے کھانے پینے میں مشغول تھے اور انہیں اس امر کی مطلق پروا نہ تھی کہ عربوں کا لشکر ان سے جنگ کرنے کے لئے ان کے سامنے کھڑا ہے۔

حضرت خالد نے ایرانیوں کو دکھا دیا کہ عرب قوم پستی اور ذلت سے اٹھ کر انتہائی بلند مقام پر پہنچ چکی ہے اور اب ایرانیوں کو طوعاً یا کرہاً ان کی اطاعت قبول کرنی ہی ہوگی۔ آپ نے ایران کے مفلس و قلاش کاشتکاروں اور غریب رعایا کو بھی یہ مژدہ سنا دیا کہ ان کی ذلت و پستی کا زمانہ ختم ہو چکا ہے اور اب وقت آ چکا ہے کہ انہیں اپنی قدر و قیمت کا احساس

ہو ، انہیں معلوم ہو کہ وہ بھی انسان ہیں ، ان کے بھی کچھ حقوق ہیں ، اور وہ صاحب اقتدار ایرانی جو آج تک اپنی رعایا کو عام انسانوں سے کمتر سمجھتے تھے ، کسی طرح ان سے بڑھ کر نہیں ۔

ایرانیوں نے شروع میں یہ سمجھا کہ عربوں کی یہ یورش اقتصادی بدحالی کی وجہ سے ہے ۔ جونہی کچھ مال غنیمت ان کے ہاتھ آئے گا وہ اپنے علاقے میں واپس چلے جائیں گے اور اطمینان و فراغت کے ساتھ بیٹھ کر کھائیں گے ۔ لیکن عربوں کی پے در پے کامیابیوں اور فتوحات پر فتوحات نے بالآخر ان پر واضح کر دیا کہ وہ صریح غلطی پر تھے ۔ اس وقت انہوں نے کچھ کچھ غور اور سنجیدگی سے عربوں کے مقابلے کے لئے تیار ہوئے ۔ لیکن ان کی سلطنت کے آخری دن آچکے تھے ۔ اب ان کے سامنے دو ہی راستے تھے : یا وہ سلطنت کی باگ ڈور خاموشی سے عربوں کے حوالے کردیں یا ان کے آگے اپنے آپ کو تباہی کے لئے پیش کردیں ۔

حضرت خالد نے اپنی پیش قدمی کے دوران میں بہت دور اندیشی اور حکمت عملی سے کام لیا ۔ آپ جب کسی شہر کو فتح کرتے تھے تو دوسرے شہر کا رخ کرنے سے پہلے اس شہر کی حفاظت کے لئے فوج کا ایک دستہ وہاں متعین کر دیتے تھے اور نظم و نسق چلانے اور خراج وصول کرنے کے لئے اپنے مسلمانوں کو وہاں مقرر کر دیتے تھے ۔ اس طرح فوج کی پشت کی حفاظت کا بھی انتظام ہو جاتا تھا اور مفتوحہ علاقے کی طرف سے بھی پورا اطمینان ہو جاتا تھا ۔ فتح کے بعد وہ شکستوں کو امن دیدیتے تھے اور گونا گوں مہربانیوں اور رعایتوں سے ان کو مطمئن کرکے اور ان کے حاکموں کے ظلم و ستم سے انہیں

نجات دلا کر ان کے دلوں کو موہ لیتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ عام طور پر یہ لوگ اسلامی فوج کا خیر مقدم کرتے تھے اور جب تک انہیں حکومت کی طرف سے مجبور نہ کر دیا جاتا تھا وہ مسلمانوں کے خلاف نہ لڑتے تھے۔ ایرانی حاکموں نے اپنی رعایا کو اپنا غلام سمجھ رکھا تھا اور وہ ہر قسم کا ظلم و ستم ان پر روا رکھتے تھے۔ یہ لوگ جب یہ دیکھتے کہ مسلمانوں نے انہیں مساوی حقوق دے دئے ہیں اور ان پر ظلم و ستم کے لامتناہی سلسلے کو روک دیا ہے تو قدرتی طور ان کے دل مسلمانوں کے ساتھ ہو جاتے تھے اور وہ حتی المقدور مسلمانوں کی مدد کے لئے تیار رہتے تھے۔

مسلمان، ایران کے مفلس کشتکاروں اور غریب رعایا پر جس قدر مہربان تھے سرداران سلطنت اور فوجوں کے معاملے میں اتنے ہی سخت گیر تھے۔ میدان جنگ میں ان سے مطلق صبر نہ ہوسکتا تھا۔ لڑائی میں ان کی نظریں زیادہ تر سپہ سالاروں اور سرداروں پر ہوتی تھیں۔ وہ تاک تاک کر ان پر حملے کرتے تھے اور انہیں قتل کرنے کے درپے رہتے تھے۔ اس طرح ان کی فوج پر مسلمانوں کا زبردست رعب بیٹھ جاتا تھا اور وہ اپنے سپہ سالار اور سرداروں کے مرنے سے دل شکستہ ہو کر ہمت ہار بیٹھتی تھی اور بہت جلد شکست کھا جاتی تھی۔ مسلمان فتح یاب ہو جانے پر تو بہت کم حالتوں میں فوج کی جان بخشی کرتے تھے بلکہ اسے گھیرے میں لے کر بری طرح قتل کر ڈالتے تھے۔ اس وقت ان کے دلوں سے رحم کوسوں دور ہوتا تھا۔

ایرانی حاکموں اور سرداروں کو چاہئے تھا کہ دو تین بار مسلمانوں کی تلواروں کی دھار کا مزا چکھ لینے کے بعد عبرت پکڑتے اور حضرت خالد کے سامنے سر اطاعت خم کر کے اپنے آپ کو

تباہی اور بربادی سے بچ رہے۔ لیکن جب شامت آتی ہے تو عقل اندھی ہو جاتی ہے۔ انہوں نے سمجھا کہ مسلمانوں نے ہماری غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دو ایک کامیابیاں حاصل کر لی ہیں۔ جب ہماری زبردست فوجیں ان کے مقابلے کے لئے میدان جنگ میں نکلیں گی تو مسلمانوں کے ہوش ٹھکانے آجائیں گے اور آئندہ انہیں کبھی ہمارے مقابلے پر آنے کی جرأت نہ ہوگی۔ ان کی یہ زبردست فوجیں بارہا ہر قسم کے ساز و سامان کے ساتھ، بہترین جرنیلوں کی زیر سرکردگی میں میدان جنگ میں آئیں لیکن انہوں نے بھی ہمیشہ مسلمانوں کے سامنے اپنے آپ کو بے بس پایا۔ خدائی منشاء پورا ہوا اور تھوڑے ہی عرصے میں پرشکوہ ایرانی شہنشاہیت کی صف ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لپیٹ دی گئی۔

حضرت خالد نے ان جنگوں میں مسلمانوں کی جو خدمات سرانجام دیں وہ رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی اور مسلمان انہیں کبھی نہ بھول سکیں گے۔ ان جنگوں کا اسلامی فوجوں پر بڑا دور رس اثر پڑا۔ جو فوجیں عراق کے میدانوں میں کسریٰ کے جرار لشکروں کے مقابلے میں نبرد آزما ہوئیں وہ اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر لڑتی تھیں۔ اس طرح ان میں جو بے نظیر جرأت، دلیری اور شجاعت پیدا ہوئی اس نے آئندہ جنگوں کو مسلمانوں کے لئے بالکل معمولی بنا دیا اور انہوں نے بڑی آسانی سے ساری ایرانی سلطنت کو زیر کر لیا۔

ان جنگوں کا، جو عراق میں لڑی گئیں، سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمان منظم اور جرار لشکروں سے مقابلہ کرنے کے عادی ہو گئے۔ ان جنگوں کے دوران میں انہیں جنگ کے مختلف طریقوں سے بھی کماحقہ واقفیت پیدا ہو گئی۔ نیز انہیں قلعہ

بند فوج سے مقابلہ پیش آتا تھا تو کبھی دونوں فوجوں کے درمیان دریا یا نہر حائل ہو جاتی تھی اور مناسب حال مختلف طریقے استعمال کرنے پڑتے تھے۔ کبھی دو بدو جنگ ہوتی تھی تو کبھی شبخون مارا جاتا تھا اور رات کے اندھیرے میں دشمن کی فوج کا صفایا کر دیا جاتا تھا۔

مسلمانوں نے جب جنگ کے ان مختلف طریقوں کا مشاہدہ کیا اور دیکھا کہ حضرت خالد نے فوج کے بچاؤ کے لئے کیا کیا تدابیر اختیار کیں اور دشمن پر فتح حاصل کرنے کے لئے کن کن طریقوں سے کام لیا تو ان کے جنگی تجربوں میں بے پناہ اضافہ ہوا اور جنگی علوم و فنون سے انہیں پوری پوری واقفیت ہو گئی۔ ان بیش بہا تجربات کے بعد ان کی جھجک اور خوف و ہراس دور ہو گیا اور انہوں نے بڑے بڑے جرار لشکروں کا مقابلہ پوری بے خوفی اور جرأت سے کیا اور بارہا اپنے سے کئی گنی فوجوں کو شکستوں پر شکستیں دیں۔

حضرت خالد عراق میں ایک سال دو ماہ تک رہے (محرم ۱۲ ھ سے لے کر صفر ۱۳ ھ تک)۔ اس قلیل عرصے میں آپ نے تقریباً پندرہ جنگوں میں حصہ لیا۔ ان تمام جنگوں میں آپ کا مقابلہ ان عظیم الشان فوجوں سے ہوا جو نہ صرف تعداد میں اسلامی لشکر سے بہت زیادہ تھیں بلکہ نئے نئے سامان جنگ سے بھی پوری طرح لیس تھیں۔ لیکن فوج کی قلت اور سامان جنگ کی کمی کے باوجود ہر موقع پر حضرت خالد ہی فتح یاب ہوئے اور دشمن کو ہمیشہ ہی بری طرح شکست کھا کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ حضرت خالد نے اتنی تھوڑی مدت میں بہت ہی قلیل فوج کے ساتھ جو کام کر دکھایا وہ آج تک کوئی بڑے سے بڑا جرنیل، بڑی سے بڑی فوج کے ساتھ بھی نہ کر سکا۔ جس فوج میں

حضرت خالد موجود ہوتے تھے وہ سمجھتی تھی کہ اکیلے خالد ہی دشمن کی ساری فوج پر بھاری ہیں۔ ادھر دشمن کی صفوں میں گھبراہٹ، بے چینی اور خوف کا تسلط ہو جاتا تھا اور وہ کبھی اطمینان اور دل جمعی کے ساتھ آپ کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔

ان فتوحات نے اسلامی فوجوں پر جو اثر کیا اور وہ انہیں جس نظر سے دیکھتی تھیں اس کی ایک جھلک ابن لہیعہ بلوی کے مندرجہ ذیل بیان میں نظر آتی ہے:—

"میرے والد بیان کرتے تھے کہ کوفہ کے وہ لوگ جو عراق کی جنگوں میں نبرد آزما رہ چکے تھے جب معاویہ کو اپنے ساتھ کوئی زیادتی کرتے دیکھتے تو کہا کرتے تھے کہ آخر معاویہ کیا چاہتے ہیں؟ انہیں معلوم ہونا چاہئیے کہ ہم جنگ ذات السلاسل کے شہسوار ہیں جو عراق میں حضرت خالد کی پہلی جنگ تھی۔ وہ لوگ ذات السلاسل سے لے کر فراض تک کی جنگوں کو اس فخر و شان سے بیان کرتے تھے کہ گویا ان سے قبل اور بعد کی لڑائیاں بالکل ہیچ تھیں"۔

* الطبری جلد ۴ صفحہ ۲۷۔

شام میں حضرت خالد کی فتوحات

شام کی فتوحات عراق کی فتوحات کے بعد شروع ہوئیں۔ سب سے پہلے ۱۳ ھ کے آغاز میں حضرت صدیق نے شام کی جانب فوجیں روانہ کیں۔ ابتدا میں ان فوجوں کا سپہ سالار آپ نے خالد بن سعید کو مقرر کیا تھا۔ لیکن ان کی روانگی سے پہلے ہی حضرت عمر کے اصرار پر انہیں اس کے بجائے تیماء * میں امدادی دستے پر متعین کر دیا اور ان کی جگہ یزید بن ابوسفیان کو امیر مقرر کرکے سات ہزار فوج کے ساتھ شام بھیج دیا۔ شام کو روانہ ہونے والے امراء میں یزید سب سے پہلے امیر ہیں۔ یزید کی روانگی کے بعد حضرت صدیق نے شام کی جانب یہ تین سپہ سالار روانہ فرمائے: شرجیل بن حسنہ، ابوعبیدہ بن الجراح اور عمرو بن العاص۔ آپ نے نہ صرف ہر ایک سپہ سالار کی منزل مقصود ہی متعین کردی بلکہ وہ علاقہ بھی مقرر فرما دیا،

* تیماء کی بستی، شام کی سرحد پر شام اور وادئ قری کے درمیان اس راستے پر واقع ہے جس سے اہل شام اور اہل دمشق حج کے لئے آتے ہیں۔ اسی جگہ سموأل بن عادیا یہودی کا مشہور قلعہ بنا ہوا تھا اس لئے اس کو "تیماء الیہودی" کہتے تھے۔ (معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۴۴۲)۔

فوج کے چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ۔ چنانچہ یزید بن ابی سفیان کو دمشق ، شرحبیل بن حسنہ کو اردن ، ابو عبیدہ بن الجراح کو حمص اور عمرو بن العاص کو فلسطین کا امیر مقرر کیا ۔

یہ تمام امراء مدینہ سے چل کر شام پہنچے ۔ یزید بلقاء پہنچے ۔ شرحبیل کی منزل اردن ہوئی ، ابو عبیدہ کی جابیہ اور عمرو بن العاص کی غربہ ۔ جب رومیوں کو ان امراء کی آمد کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے ہرقل کو جو اس وقت بیت المقدس میں تھا ، تمام حالات سے مطلع کیا ۔ چنانچہ ہرقل وہاں سے حمص پہنچا اور ایک عظیم الشان لشکر مسلمانوں کے مقابلے کے لئے تیار کیا ۔ ہرقل نے ان فوجوں کی گنتی معلوم کی ۔ اس نے ہر اسلامی سپہ سالار کے مقابلے میں اس کی فوج سے کئی گنی فوج تیار کی اور اسے ہر قسم کے سامان حرب اور اسلحہ سے لیس کیا ۔ رومیوں کی اس عظیم الشان تیاری کو دیکھ کر مسلمانوں کو بڑا خوف محسوس ہوا اور انہوں نے عمرو بن العاص اور حضرت صدیق سے اس بارے میں فیصلہ پوچھا کہ اب کیا کیا جائے ۔ عمرو بن العاص نے تمام

* یہ سپہ سالار اسی ترتیب سے مدینہ سے شام روانہ ہوئے (طبری جلد ۴ صفحہ ۳۹) ۔ ان میں سے سوائے شرحبیل کے باقی تمام سپہ سالار قریش سے تعلق رکھتے تھے ۔ شرحبیل قبیلہ کندہ اور بعض روایات کے بموجب قبیلہ ازد سے تعلق رکھتے تھے (طبری جلد ۴ صفحہ ۳۹ ۔ فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۱۴) ۔

ا حضرت ابو بکر صدیق کے اس فعل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں یہ خیال نہیں تھا کہ اس درجہ بدرجہ تمام امراء کی رہائی اور دشمن سے جنگ کرنے سے پہلے ہی عمرو بن العاص کا علاقہ جہاں کا آئندہ والی بننا تھا مقرر کر دیا ۔

سپہ سالاروں کو کہلا بھیجا کہ میری رائے میں بہترین صورت یہ ہے کہ ہم سب اکٹھے ہو جائیں اور اکٹھے ہو کر دشمن کا مقابلہ کریں کیونکہ اگر ہم اکٹھے ہو کر دشمنوں کا مقابلہ کریں گے تو باوجود ہماری قلت تعداد کے دشمن ہم پر غلبہ نہیں پاسکے گا۔ لیکن اگر ہم الگ الگ رہے تو ہم میں سے ایک متنفس بھی باقی نہیں رہے گا۔ کیونکہ ہم میں سے ہر ایک کے مقابلے پر بڑی بڑی فوجیں تیار کی گئی ہیں۔ چنانچہ یہ طے ہوا کہ یرموک کے مقام پر تمام اسلامی فوجیں جمع ہو جائیں اور وہاں اکٹھے ہو کر دشمن سے مقابلہ کیا جائے۔

حضرت صدیق نے بھی مسلمانوں کو وہی مشورہ دیا جو عمرو بن العاص دے چکے تھے۔ آپ نے انہیں لکھا :—

”تم سب جمع ہو کر ایک لشکر کی شکل اختیار کر لو اور اپنی پوری جمعیت کے ساتھ مشرکین کی فوجوں سے لڑو۔ تم را شمار اللہ تعالیٰ کے مددگاروں میں ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا مددگار ہے، اللہ تعالیٰ اس کا مددگار ہے۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ سے منہ پھیرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے ضرور ذلیل و رسوا کرتا ہے۔ تم جیسے لوگ قلت تعداد کی وجہ سے کبھی مغلوب نہیں ہو سکتے۔ دس ہزار بلکہ اس سے کہیں زیادہ بھی اگر گناہوں کے طرف دار بن کر اٹھیں گے تو وہ دس ہزار سے ضرور مغلوب ہو جائیں گے۔ تم گناہوں سے بچو اور یرموک میں مل کر کام کرنے کے لئے جمع ہو جاؤ۔ تم میں سے ہر امیر اپنی فوج کے ساتھ نماز ادا کرے*“۔

---

* الطبری جلد ۴ صفحہ ۳۱۔ عمرو بن العاص اور حضرت صدیق (باقی صفحہ ۲۳۷ پر)

جب ہرقل کو اطلاع ملی کہ مسلمان یرموک پر جمع ہو گئے ہیں تو اس نے اپنے سپہ سالاروں کو لکھا کہ تم مسلمانوں کے مقابلے کے لئے رومی فوجوں کو ایسے مقام پر ٹھہراؤ جس میں کافی گنجائش اور وسعت ہو اور بھاگنے والوں کے لئے راستہ تنگ ہو۔ ہرقل سے یہ بات پوشیدہ نہ تھی کہ مسلمان اس معرکے میں سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے اور نہ وہ اس ارادہ سے آئے ہیں کہ یا وہ رومی لشکر کو فنا کر دیں گے یا خود فنا ہو جائیں گے اس لئے یہ معرکہ مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان فیصلہ کن معرکہ ثابت ہوگا، اگر اس میں مسلمان کامیاب نہ ہو سکے تو آئندہ وہ شام کے دوسرے شہروں پر چڑھائی کرنے کی کبھی جرأت نہ کر سکیں گے اور اگر رومی کامیاب نہ ہو سکے تو انہیں ہمیشہ کے لئے شام سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ چنانچہ ہرقل نے مسلمانوں کے مقابلے کے لئے نہایت عظیم الشان لشکر تیار کیا۔ لشکر کے سالاروں کے تعین کے علاوہ اس نے کئی پادری اور راہب بھی اس کام کے لئے مقرر کئے کہ وہ لشکر میں پھر کر انجیل کی آیات پڑھتے رہیں اور رومیوں کو جنگ کے لئے جوش دلاتے رہیں۔

رومی سالاروں نے ہرقل کے احکام کے مطابق واقوصہ میں اپنی فوجوں کو ٹھہرایا۔ واقوصہ کی وادی، دریائے یرموک کے کنارے واقع تھی۔ اس وادی نے ان کے لئے خندق کا کام دیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٢٣٦)

دونوں کی۔ یہ رستہ کہ یرموک کے مقام پر رومیوں سے مقابلہ ہوا اس سے تھوڑی اس رائے کو جس پر مفصل بحث ہم بعد میں کریں گے) تقویت پہنچتی ہے کہ معرکہ یرموک کی جنگ اجنادین سے قبل وقوع میں آیا۔

رومی سرداروں کی یہ زبردست کوشش تھی کہ ان کے لشکر سے مسلمانوں کا خوف اور دہشت نکل جائے تا کہ وہ اطمینان سے ان کا مقابلہ کر سکیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان تھوڑی تعداد میں ہیں اور رومیوں کا لشکر ان سے کئی گنا ہے تو انہوں نے اپنی فوج کو حوصلہ اور فتح کا یقین دلانا شروع کیا۔ ادھر جب مسلمانوں نے دیکھا کہ رومی لشکر واقوصہ پہنچ گیا تو انہوں نے اپنی جمنے اجتماع سے اٹھ کر رومیوں کے بالکل سامنے رومیوں کے راستے پر پڑاؤ ڈال دیا جس سے رومیوں کا راستہ بالکل مسدود ہو گیا۔ یہ دیکھ کر عمرو بن العاص پکار اٹھے "لوگو تمہیں مبارک ہو۔ رومی بالکل محصور ہو گئے ہیں۔ اب وہ تمہارے گھیرے سے نہیں نکل سکتے"۔

مسلمان صفر سے لے کر ربیع الثانی ۱۳ھ تک رومیوں کے سامنے ان کا راستہ روکے پڑے رہے۔ نہ وہ رومیوں کا کچھ بھر سکے اور نہ ان تک پہنچ ہی سکے۔ واقوصہ کی گھاٹی رومیوں کے پیچھے تھی اور خندق ان کے آگے۔ جب کبھی وہ ادھر نکلنے کا ارادہ کرتے، مسلمان انہیں پیچھے ہٹا دیتے۔

مسلمانوں نے ابتداء ہی میں (یعنی ماہ صفر میں) رومیوں کے عظیم الشان لشکر کو دیکھ کر حضرت صدیقؓ کی خدمت میں مدد بھیجنے کے لئے درخواست روانہ کر دی تھی۔ جب قاصد یہ درخواست لے کر آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا: "مسلمانوں کی مدد کے لئے خالد جائیں گے۔ خدا کی قسم خالد بن ولید رومیوں کے دماغوں سے شیطانی وسوسے نکال دیں گے"۔ چنانچہ آپ نے حضرت خالد کو وہ خط لکھا جس کا ذکر قبل ازیں کیا جا چکا ہے اور جو حضرت خالد کو حج کرنے اور حیرہ پہنچنے کے بعد انہیں ملا۔ حضرت صدیقؓ کا حکم یہ تھا کہ خالد،

مثنیٰ بن حارثہ کو نصف لشکر کے ساتھ عراق میں چھوڑ دیں اور باقی نصف لشکر کے ہمراہ خود شام روانہ ہو جائیں اور جب خدا تعالیٰ مسلمانوں کو شام میں فتح سے ہم کنار کردے تو خالد اپنے مفوضہ کام کی بجا آوری کے لئے واپس عراق آجائیں۔ جب حضرت خالد کو یہ حکم ملا تو آپ نے اپنے ساتھ لے جانے کے لئے ان لوگوں کو چنا جنہیں رسول اللہ کی صحبت اور ہم نشینی کا شرف حاصل تھا۔ مثنیٰ نے کہا کہ تقسیم اسی طرح ہونی چاہئے جس طرح حضرت صدیق نے حکم دیا ہے تاکہ رسول اللہ صلعم کے صحبت یافتہ افراد کی نصف تعداد میرے حصہ میں بھی آسکے۔ آخر حضرت خالد کو مثنیٰ کی بات ماننی پڑی*۔

حضرت خالد حیرہ سے چل کر قراقر پہنچے وہاں سے آپ نے سُویٰ پہنچنا چاہا† کیونکہ آپ کا خیال تھا کہ اگر آپ معروف راستے سے گئے تو رومی آپ کو راستے میں روک لیں گے اور مسلمانوں کی امداد کے لئے نہ پہنچنے دیں گے۔ اس لئے ایسے راستے سے جانا چاہئے جس سے آپ رومیوں کے عقب میں پہنچ جائیں۔ اس راستے سے جانے کے لئے آپ نے رہبر طلب فرمایا۔ لوگوں نے رافع بن عمیرۃ الطائی کا نام لیا۔ جب آپ نے اس سے رستہ بتانے کو کہا تو وہ کہنے لگا "آپ گھوڑوں اور اپنے

* الطبری جلد ۴ صفحہ ۲۰۴۰ - ۴۲ ۔

† یاقوت معجم البلدان میں لکھتے ہیں کہ قراقر عراق کی سرحد کے قریب سماوہ کے علاقے میں بنو کلب کا چشمہ تھا (جلد ۷ صفحہ ۴۴)۔ سویٰ قبیلہ بہراء کا چشمہ تھا اس کے دوسری طرف کا علاقہ شام سے متصل تھا (الطبری جلد ۴ صفحہ ۲۱۲۱)۔

ساز و سامان کے ساتھ اس راستے سے نہیں گزر سکتے ۔ وہ راستہ ایسا ہے کہ اس پر سے صرف ایک سوار گزر سکتا ہے اور وہ بھی بے خوف و خطر نہیں ۔ پوری پانچ راتوں کا سفر ہے ۔ راستے سے بھٹکنے کے خوف کے علاوہ پانی کا بھی کہیں نام و نشان نہیں ہے "۔ حضرت خالد نے فرمایا " خواہ کچھ ہو جائے مجھے تو اسی راستے سے جانا ہے کیونکہ مجھے امیرالمومنین نے بے حد ضروری حکم دیا ہے ۔ تم بتلاؤ اس راستے سے چلنے کے لئے کیا کیا انتظامات کئے جائیں "۔ رافع نے کہا " اگر آپ ضرور اسی راستے سے جانا چاہتے ہیں تو پھر لوگوں کو حکم دیجئے کہ وہ بہت سا پانی ساتھ لے لیں اور جس جس سے ہوسکے وہ اپنی اونٹنی کو پانی پلا کر اس کا کان باندھ دے کیونکہ یہ سفر بے انتہا خطرات کا حامل ہے ۔ اس کے علاوہ بیس اونٹنیاں بڑی موٹی تازی اور عمر رسیدہ مہیا کی جائیں "۔ حضرت خالد نے رافع کو ان کی خواہش کے مطابق اونٹنیاں مہیا کر دیں ۔ رافع نے پہلے انہیں خوب پیاسا رکھا ۔ جب وہ پیاس کی شدت سے نڈھال ہو گئیں تو انہیں خوب پانی پلایا ۔ جب وہ خوب سیر ہو گئیں تو ان کے ہونٹ چھید کر باندھ دئیے تا کہ جگالی وغیرہ نہ کر سکیں اس کے بعد حضرت خالد سے کہا کہ اب فوج کو کوچ کا حکم دیجئے ۔ خالد لشکر اور ساز و سامان کو لے کر اس کے ہمراہ روانہ ہوئے ۔ جہاں کہیں پڑاؤ کرتے ، ان میں سے چار اونٹنیوں کے پیٹ چاک کرتے جو کچھ ان کے معدے سے نکلتا وہ گھوڑوں کو پلا دیتے اور جو پانی ساتھ تھا وہ خود پیتے ۔

جب صحراء میں سفر کا آخری دن آیا تو حضرت خالد نے رافع سے ، جنہیں آشوب چشم کی شکایت تھی ، کہا کہ پانی ختم

ہو چکا ہے اب کیا کرنا ہے۔ رافع نے جواب دیا "گھبراؤ نہیں۔ ہم انشاء اللہ جلدی پانی تک پہنچ جائیں گے"۔ تھوڑی دور آگے چل کر جب فوج دو ٹیلوں کے پاس پہنچی تو رافع نے لوگوں سے کہا "دیکھو یہاں عوسج کی کوئی جھاڑی آدمی کے سرین کے مانند نظر آتی ہے"؟ انہوں نے کہا "ہمیں تو ایسی کوئی جھاڑی نظر نہیں آتی"۔ اس پر رافع نے گھبرا کر کہا "انا للہ و انا الیہ راجعون۔ افسوس اب تم بھی ہلاک ہوئے اور میں بھی ہلاک ہوا۔ اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو جس طرح ہو سکے اسے ڈھونڈ نکالو"۔ آخر بڑی تلاش سے وہ جھاڑی ملی مگر کسی نے اسے کاٹ دیا تھا اور صرف اس کا تنا ہی رہ گیا تھا۔ جھاڑی ملنے پر مسلمانوں نے بڑے زور سے تکبیر کہی۔ رافع نے کہا "اب اس جھاڑی کی جڑ کے قریب مٹی کھود دو"۔ مٹی کھودنے سے وہاں ایک چشمہ نکل آیا جس سے سب نے سیر ہو کر پانی پیا۔ اس کے بعد راستے میں حضرت خالد کو کوئی دقت اور پریشانی لاحق نہیں ہوئی اور وہ جلد جلد سفر طے کرتے ہوئے سوی پہنچ گئے۔ اسی واقعہ کے متعلق ایک شاعر کہتا ہے:

لله عينا رافع أنى اهتدى
فوز من قراقر الى سوى
خمسا اذا ما سارها الجيش بكى
ما سارها قبلك من انس يرى

(خدا بھلا کرے رافع کا جو راستہ جانتا ہے۔ اس نے قراقر سے لے کر سوی تک کے راستے میں مسلمانوں کی رہنمائی کی۔ جب لشکر اس راستہ پر سے گزرا اسے پانچ روز کا سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ راستہ نہایت کٹھن اور دشوار گذار ہے۔)

اور اس سے قبل کسی زمانہ کا اس پر سے شاید ہی گزر ہوا ہو)۔

جب حضرت خالد صبح سے ذرا پہلے سوئی پہنچے تو پہنچتے ہی آپ نے بستی پر حملہ کر دیا۔ اس وقت ایک جماعت شراب نوشی میں مشغول تھی۔ درمیان میں شراب کا کونڈا رکھا تھا اور مغنی جس کا نام حرقوص تھا، یہ اشعار گا رہا تھا:

الا علانی قبل جیش أبی بکر
لعل منایانا قریب و ماندری
اظن خیول المسلمین وخالداً
سیطرقکم قبل الصباح من البشر*

(اے دوستو! مجھے ابوبکر کے لشکر کے پہنچنے سے قبل شراب پلا دو۔ شاید ہماری موت کا وقت قریب ہو اور ہم اس سے بے خبر ہوں۔ میرا خیال ہے کہ صبح سے قبل مسلمانوں کا لشکر خالد کی زیر کردگی میں شہر کی طرف سے تم پر حملہ کر دے گا)۔

کسی کو یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ "ابوبکر کا لشکر" اس ہیبت ناک اور پر خوف و پر خطر جنگل میں سے گزر کر عین اسی وقت ان کے سروں پر پہنچ سکتا ہے۔ حضرت خالد نے پہنچتے ہی مغنی پر حملہ کر کے اس کی گردن اڑا دی اور اس کا سر کونڈے میں جا پڑا۔ وہاں سے مسلمان مال غنیمت حاصل کر کے آگے بڑھے اور ارکا[1] پہنچے۔ وہاں نے

---

* الاغانی جلد اول صفحہ ۱۳۳۔

[1] ارک، صحرائے حلب کے آخر میں تدمر کے قریب ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ اس کی نواحی زمین، سرسبز و شاداب ہے اور وہاں کھجور اور زیتون کے درخت کثرت سے ہیں (معجم البلدان جلد اول صفحہ ۱۹۰)۔

[illegible] سے مصالحت کرلی ۔ پھر وہاں سے تدمر* پہنچے ۔ وہاں کے باشندے قلعہ بند ہو گئے لیکن آخر کار انہوں نے صلح کرلی ۔ تدمر سے آپ قریتین† پہنچے ۔ اس کے باشندوں سے مقابلہ ہوا انکو شکست ہوئی ۔ وہاں سے مال غنیمت حاصل ہوا ۔ پھر آپ نے حوارین‡ کا رخ کیا ۔ وہاں کے باشندے بھی لڑائی کے لئے نکل آئے ۔ لڑائی ہوئی جس میں انہیں شکست ہوئی ۔ حضرت خالد نے وہاں کے لوگوں کو گرفتار کرکے قتل کر دیا ۔ وہاں سے چل کر آپ قصم۞ پہنچے ۔ وہاں کے باشندوں نے جو قضاعہ کی شاخ بنو مشجعہ سے تعلق رکھتے تھے آپ سے صلح کرلی ۔ وہاں سے روانہ ہو کر اور رسول اللہ کا جھنڈا "عقاب" ساتھ لہرا کر ثنیۃ العقاب✣ پہنچے ۔ وہاں سے مرج راھط روانہ ہوئے ۔

* تدمر ، صحرائے شام میں ایک پرانا اور مشہور قصبہ ہے ۔ اس کے اور حلب کے درمیان پانچ دن کی مسافت ہے (معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۳۶۹) ۔

† قریتین ، صحرائے شام میں حمص کے علاقے میں ایک بڑا قصبہ ہے (معجم البلدان جلد ۷ صفحہ ۸۰) ۔

‡ حوارین ، حلب کے علاقے میں ایک قصبہ ہے (معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۳۵۸) ۔

۞ قصم ، دمشق کی سرحد پر صحرا کے سرے کے قریب ایک بستی ہے (معجم البلدان جلد ۷ صفحہ ۱۰۲) ۔

✣ ثنیۃ العقاب ، دمشق کے قریب میں ایک مشہور گھاٹی ہے جو دمشق اور حمص کے درمیان شاہراہ پر واقع ہے ۔ حمص سے راستہ بتدریج بلند ہوتا ہے ۔ [illegible] جنوب میں دمشق کو جاتی ہے ۔ از

(باقی صفحہ ۲۴۴ پر)

یہاں غسانیوں سے ان کی مڈھ بھیڑ ہوئی آپ نے انہیں شکست دے کر وہاں کے لوگوں کو گرفتار کر لیا ۔ یہاں سے آپ نے فوج کا ایک دستہ غوطہ کی جانب روانہ کیا جو کامیاب و کامران ہو کر واپس آ گیا ۔ مرج راہط سے چل کر آپ بصریٰ* پہنچے ۔ وہاں کے باشندے پہلے تو مقابلے پر آئے لیکن پھر صلح کر لی ۔ بصریٰ شام کا پہلا شہر تھا جو حضرت خالد اور عراقی فوج کے ہاتھ پر صلح کے ذریعے فتح ہوا ۔ حضرت خالد نے خمس حضرت صدیق کی خدمت میں روانہ کیا اور آگے چل کھڑے ہوئے اور ماہ ربیع الاول میں یرموک پہنچ گئے ۔ عین اسی زمانے میں باہان

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۳)

دوسری صحرائے سماوہ کے کنارے کنارے عراق کو چلی گئی ہے ۔ دمشق سے حمص جانے کے لئے ہم اس سے گزرتے ہیں ۔ (بلاد فلسطین و شام مؤلفہ جی لی اسٹرینج صفحہ ۱۸) ۔

۱؎ مرج راہط، دمشق کے مشرق میں غوطہ کے ایک سبزہ زار کا نام ہے ۔ (معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۲۱۷ و جلد ۸ صفحہ ۱۶۹) ۔

* بصریٰ، شام کے صوبہ حوران کا صدر مقام تھا (معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۲۰۸) ۔ بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت خالد کے پہنچنے سے پہلے ہی ابو عبیدہ، شرحبیل بن حسنہ اور یزید یہاں موجود تھے اور ان سب سرداروں نے مل کر شہر کو فتح کیا ۔ اس کے بعد وہ حضرت عمرو بن العاص کی مدد کے لئے فلسطین چلے گئے ۔ لیکن ہمارے خیال میں یہ بات ٹھیک نہیں ۔ بصریٰ کو صرف حضرت خالد نے فتح کیا اور ان سب سرداروں سے آپ یرموک میں جا کر ملے ۔ حضرت ابوبکر صدیق کے خطوط اور دیگر واقعات سے بھی ہمارے بیان کی تصدیق ہوتی ہے ۔

بھی رومی فوجوں کی مدد کے لئے پہنچ گئے۔ ان کے ساتھ پادری اور راہب بھی تھے جن کا کام رومیوں کو جنگ کے لئے ابھارنا اور جوش دلانا تھا۔ مسلمان حضرت خالد کے پہنچنے پر جمع ہوئے تھے اور رومی باھان کے پہنچنے پر۔

ان جنگوں کے ذکر سے پہلے، جو حضرت خالد کو یرموک میں پیش آئیں، اس بات کا فیصلہ کر لینا ضروری ہے کہ ان جنگوں میں حضرت خالد کی حیثیت کیا تھی۔ آیا ان کی حیثیت سپہ سالار اعظم کی تھی یا وہ دوسرے مسلمان سرداروں کی طرح جو اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ رومیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے یرموک پہنچے تھے، صرف اپنی اس فوج کے سپہ سالار تھے جو عراق سے ان کے ساتھ آئی تھی؟

کیا حضرت خالد شامی افواج کے سپہ سالار اعظم تھے؟

حضرت خالد کی حیثیت کے متعلق مؤرخین کی بیان کردہ روایات میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ طبری کی بعض روایات میں یہ مذکور ہے کہ حضرت صدیق نے خالد کو افواج شام کا سپہ سالار اعظم بنا کر بھیجا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں "حضرت ابوبکر صدیق نے ان افواج کو یرموک کے مقام پر مجتمع ہو جانے کا حکم دیا اور عراق سے حضرت خالد بن ولید کو ان سب کا سپہ سالار بنا کر بھیجا*" اسی طرح ایک اور جگہ لکھتے ہیں "شام میں ابو عبیدہ، شرجیل، یزید اور عمرو بن العاص اپنی اپنی فوجیں لئے ہوئے موجود تھے۔ ان تمام فوجوں کے سپہ سالار خالد بن ولید تھے†" طبری کے علاوہ ایک اور مؤرخ مقدسی بھی لکھتے ہیں کہ "حضرت ابوبکر صدیق نے خالد بن ولید کو عراق سے تمام اسلامی فوجوں کا سپہ سالار بنا کر شام بھیجا"۔

لیکن ہم یہ روایات زیادہ قابل اعتماد نہیں ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ حضرت خالد بن ولید صرف اس فوج کے سپہ سالار تھے جو ان کے ساتھ عراق سے آئی تھی۔ اس دعوے کے ثبوت میں مندرجہ ذیل امور پیش کئے جا سکتے ہیں۔

(۱) حضرت خالد کو امراء شام کی معاونت اور امداد کے

---

* الطبری جلد ۴ صفحہ ۳۹۔

† الطبری جلد ۴ صفحہ ۵۱۔

لئے بھیجا گیا تھا، ان پر امیر بنا کر نہیں۔

(۲) طبری میں مذکور ہے کہ جب یرموک پر تمام اسلامی فوجیں جمع ہو گئیں اور رومیوں سے جنگ کرنے کی تیاری شروع کیں تو ہر فوج حضرت صدیق کے حکم کے تحت اپنے ہی امیر کے پیچھے نماز ادا کرتی تھی۔ ابتدا میں وقت کوئی شخص کسی دوسرے امیر کے پیچھے بھی نماز ادا کرتا رہا۔ جب حضرت خالد وہاں پہنچے تو انہوں نے اپنی فوج کو الگ صف ٹھہرایا اور علیحدہ نماز ادا کی۔ اگر وہ سپہ سالار اعظم ہوتے تو انہیں علیحدہ نماز ادا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ انہیں تو تمام فوجوں کا امام ہونا چاہئے تھا۔

(۳) جنگ شروع ہونے سے پہلے آپ نے تمام امراء کو اکٹھا کر کے انہیں یہ مشورہ دیا کہ موجودہ حالت میں علیحدہ علیحدہ جنگ کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ مناسب یہ ہے کہ تمام فوجوں کو ملا دیا جائے اور باری باری ہر امیر قیادت کے فرائض انجام دے۔ ساتھ ہی آپ نے یہ درخواست کی کہ اس روز کے لئے انہیں امیر مقرر کر دیا جائے۔ اگر آپ سپہ سالار اعظم ہوتے تو آپ کو ایسا مشورہ دینے اور ایسی درخواست کرنے کی کیا ضرورت تھی ؟۔

(۴) بلاذری نے لکھا ہے کہ جب حضرت خالد بن ولید بصری پہنچے اور اسلامی فوج سے ملے تو تمام سپہ سالاروں نے متفقہ طور پر آپ کو اپنا امیر منتخب کر لیا۔ اس روایت سے بھی صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت خالد کو حضرت صدیق کی طرف سے سپہ سالار اعظم مقرر نہیں کیا گیا تھا بلکہ خود اسلامی افواج کے امراء نے آپ کی جنگی قابلیت کو دیکھ کر انہیں اپنا امیر بنا لیا تھا۔

جنگ یرموک*

رومیوں سے لڑنے کے لئے مسلمانوں کی فوجیں یک جا نہیں تھیں بلکہ علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے امیر کے ماتحت پڑی ہوئی تھیں۔ یہ صورت حال مسلمانوں کے لئے سخت خطرناک تھی۔ رومیوں کے عظیم الشان لشکر کے مقابلے میں مسلمانوں کا کوئی لشکر بھی نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ طبری کے بیان کے بموجب رومیوں کی تعداد دو لاکھ چالیس ہزار کے لگ بھگ تھی لیکن مسلمانوں کی مجموعی تعداد چھتیس ہزار اور بعض روایات کے بموجب چھیالیس ہزار تھی۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی مجموعی تعداد کو بھی رومیوں کی عظیم الشان فوج کے مقابلے میں کوئی نسبت نہیں تھی چہ جائیکہ علیحدہ علیحدہ ہر لشکر کی کچھ حیثیت ہوتی۔

جب حضرت خالد یرموک پہنچے اور انہوں نے دیکھا کہ ہر فوج اپنے اپنے امیر کے ماتحت علیحدہ علیحدہ مقیم ہے اور علیحدہ ہی نماز پڑھتی ہے تو انہوں نے بھی اپنے لشکر کو علیحدہ

* سید امیر علی یرموک کے متعلق لکھتے ہیں ”یرموک ایک غیر معروف دریا ہے جو حوران کی سطح سے نکل کر جھیل گیلیلی کے جنوب میں چند میل کے فاصلے پر دریائے اردن میں جا گرتا ہے۔ دونوں دریاؤں کے مقام انصال سے تیس میل اوپر دریائے یرموک نصف دائرے کی صورت میں ایک چکر کاٹتا ہے جس سے اتنا وسیع میدان بن جاتا ہے کہ اس میں ایک پوری فوج سما سکتی ہے۔ اس دریا کے کنارے پر گہرے کھڈ تھے۔ اسی گھاٹی کو واقوصہ کہتے ہیں جسے اسلامی تاریخ میں زبردست شہرت حاصل ہے“ (تاریخ اسلام از سید امیر علی صفحہ ۳۷)۔

نقشہ جزیرہ عرب
عراق عجم
عمان
الیمن

(نقشہ) العراقین اور الجزیرہ
اس نقشہ سے بعض ان مقامات کی نشاندہی ہو جاتی ہے
جن کا ذکر فتوحات اسلامیہ کے دوران میں آتا ہے
صحرائے شام
خوزستان
طبرستان
خلیج فارس
فارس
بحر روم
الرہا
ماردین
نصیبین
حران
سنجار
موصل
اربل
الرقہ
صفین
الرصافہ
تدمر
طرابلس
دمشق
واسط
زنجان
قزوین
الری
دینور
آذربائیجان
بحیرہ ارمیہ

نقشهٔ دمشق

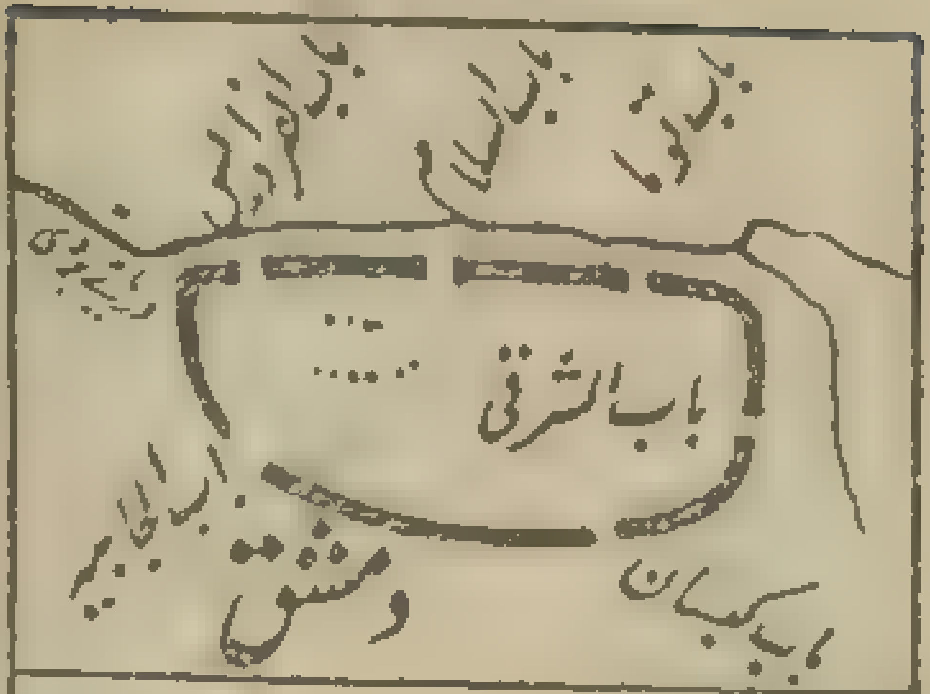

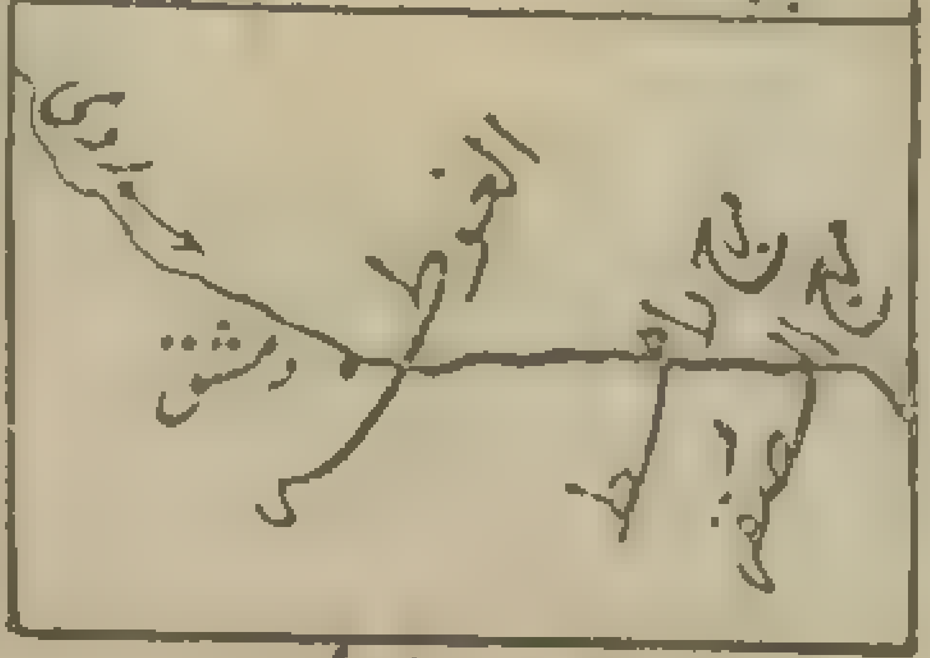

نقشهٔ غوطهٔ دمشق

نقشهٔ منطقهٔ یرموک

جزيره
العواصم
حلب
دمشق
نقشه شام

[illegible] اور [illegible] ۔ [illegible]
کی [illegible] طرح [illegible]
[illegible] اور اس کی فوجوں کے [illegible] ۔ حضرت [illegible]
کے [illegible] میں [illegible] ۔ [illegible]
[illegible] اور وہ [illegible] ۔ [illegible]
[illegible] ۔ [illegible]
[illegible] میں [illegible]
[illegible] کے مذہبی جذبات [illegible]
[illegible] دکھائی [illegible] ۔ [illegible]
[illegible] ۔ [illegible]
[illegible] اور جوش کے [illegible] جس کی [illegible]
پہلے کبھی نہیں ملتی ۔

جب مسلمانوں نے رومیوں کی [illegible]
[illegible] علیحدہ علیحدہ جنگ کی [illegible] ۔
حضرت خالد نے اس طریقے کو [illegible] ۔ [illegible]
[illegible] اس طرح رومیوں کا [illegible] اور مسلمانوں کو [illegible]
نقصان پہنچے گا ۔ رومیوں کا لشکر [illegible] لاکھ [illegible]
[illegible] کے تحت پوری طرح منظم تھے ۔ اگر اسلامی
فوجوں نے ان سے علیحدہ علیحدہ جنگ کی تو مسلمانوں کے حصے
میں [illegible] کے اور [illegible] نہیں آئے گا ۔ وقت کا تقاضا [illegible]
[illegible] اسلامی فوجوں [illegible] میں [illegible]
[illegible] اور وہ ایک ہی امیر کے تحت منظم اور [illegible]
ہو کر دشمن سے جنگ کریں ۔ [illegible] آپ نے تمام [illegible] کو جمع
کیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا :—

" [illegible] دن [illegible] کے [illegible] ۔ [illegible]

کے لئے فخر و مباہات اور خود رائی و خود ستائی مناسب نہیں۔ جہاد خالص اللہ کے لئے کرو اور اپنے اعمال کو اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ بناؤ۔ یاد رکھو آج کی کامیابی ہمیشہ کی کامیابی ہے۔ ایک ایسی قوم سے جو ہر طرح منظم اور مرتب ہے تمہارا علیحدہ علیحدہ لڑنا کسی صورت میں بھی مناسب نہیں۔ اگر انہیں جو تم سے دور ہیں (یعنی حضرت صدیق) تمہارے حالات کا علم ہوتا تو وہ کبھی تمہیں اس طرح لڑنے کی اجازت نہ دیتے۔ بے شک تمہیں ان کی طرف سے کوئی حکم تو نہیں ملا لیکن تم اس معاملے کو اس طرح سرانجام دو گویا یہ تمہارے خلیفہ اور اس کے خیر خواہوں کا حکم ہے"۔

حضرت خالد کی تقریر سن کر امراء نے کہا "آپ ہی فرمائیے کہ آپ کی کیا رائے ہے؟"۔ آپ نے فرمایا "حضرت ابوبکر صدیق نے ہمیں اس خیال سے یہاں بھیجا تھا کہ ہم یہ مہم آسانی سے سر کر لیں گے۔ اگر انہیں موجودہ حالات کا علم ہوتا تو وہ ضرور تمہیں اکٹھا رکھتے۔ جن حالات میں سے ہم گزر رہے ہو وہ پہلے واقعات کے مقابلے میں بہت سخت اور مشرکین کے لئے بہت زیادہ فائدہ مند ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم علیحدہ علیحدہ ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم میں سے ہر شخص کو الگ الگ شہر کے لئے نامزد کیا گیا ہے، لیکن اگر تم اس موقع پر کسی ایک شخص کو اپنا امیر تسلیم کر کے اس کی اطاعت اختیار کر لو تو اس سے نہ تمہارے مراتب میں کوئی فرق پڑے گا اور نہ اللہ اور امیر المومنین کے نزدیک تمہارا درجہ کم ہو گا۔ ذرا دیکھو تو سہی دشمن نے کتنی زبردست تیاری کر رکھی ہے۔ یاد رکھو اگر آج ہم نے انہیں ان کی خندقوں میں دھکیل دیا تو ہم ہمیشہ انہیں دھکیلتے ہی رہیں گے لیکن اگر انہوں نے ہمیں

شکست دے دی تو ہم پھر کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ میری تجویز اس بارے میں یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کو باری باری امارت کا موقعہ ملنا چاہئے۔ اگر آج ایک امیر ہے تو کل دوسرا، پرسوں تیسرا، اترسوں چوتھا۔ یہاں تک کہ ہر شخص کو امیر بننے کا موقع مل جائے گا۔ آج کے دن کے لئے تم مجھے امیر بنا دو"۔

حضرت خالد کی رائے نہایت معقول تھی۔ تمام امراء اس پر متفق ہو گئے اور پہلے روز کے لئے انہوں نے حضرت خالد کو امیر مقرر کر دیا۔ یہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ رومیوں کی یورش آج بھی عام دنوں کی طرح ہی ہوگی اور لڑائی بہرحال طول کھینچے گی، اس لئے باری باری ہر ایک کو امیر بننے کا موقعہ مل جائے گا۔

حضرت خالد نے لشکر کو جس طریقے سے مرتب کیا وہ عربوں کے لئے بالکل انوکھا تھا۔ آپ نے اسلامی لشکر کو اڑتیس دستوں میں منقسم کیا* اور فرمایا "تمہارے دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وہ اپنی کثرت تعداد پر نازاں ہے۔ اس کے مقابلے میں یہی تدبیر مناسب ہے کہ ہم اپنی فوج کے بہت سے دستے بنا دیں تاکہ دشمن کو ہماری تعداد اصل سے بہت زیادہ نظر آئے"۔ قلب میں آپ نے اٹھارہ دستے رکھے اور ابو عبیدہ کو ان کا سردار بنایا۔ ان دستوں میں عکرمہ بن ابو جہل اور قعقاع بن عمرو بھی شامل تھے۔ میمنہ پر آپ نے

* طبری جلد ۴ صفحہ ۳۳ و ۴۴ میں ان دستوں کے امراء کا ذکر تفصیل سے درج ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ایک دستہ کم و بیش ایک ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا۔

دس دستے متعین کئے اور ان کا سردار عمرو بن العاص کو بنایا ۔ ان دستوں میں شرجیل بن حسنہ بھی تھے ۔ میسرہ پر دس دستے متعین کئے اور ان کا سردار یزید بن ابو سفیان کو مقرر کیا ۔ ہر دستے کا علیحدہ سردار بھی تھا جو میمنہ ، میسرہ اور قلب کے سرداروں سے احکام حاصل کرتا تھا ۔ ان دستوں کے سردار وہ لوگ تھے جو اپنی بہادری ، جوانمردی اور شجاعت میں اپنی نظیر آپ تھے مثلاً قعقاع بن عمرو ، عکرمہ بن ابو جہل ، عیاض بن غنم ، ہاشم بن عتبہ اور عبدالرحمان بن خالد بن ولید* ۔

حضرت خالد نے اس ترتیب† کے علاوہ لشکر کا ایک ہراول دستہ بھی بنایا تھا جس کا سردار ، قباث بن اشیم کو مقرر کیا ۔ قاضی کی خدمت حضرت ابو الدرداء کے سپرد ہوئی ۔ لشکر کے قاری حضرت مقداد تھے جو لشکر کو سورہ انفال جس میں جہاد کا ذکر ہے) پڑھ کر سنایا کرتے تھے ۔ سامان کے افسر حضرت عبداللہ بن مسعود تھے ۔ واعظ ، ابو سفیان تھے ۔ وہ لشکر میں گشت کرتے رہتے تھے اور ہر دستے کے سامنے ٹھہر کر کہتے تھے ”اللہ اللہ ۔ تم حامیان عرب ہو اور دین اسلام کے مددگار ۔ تمہارے مد مقابل حامیان روم اور شرک کے مددگار ہیں ۔ اے اللہ ! آج کی جنگ صرف تیرے نام کے لئے ہے ۔ اے اللہ اپنے بندوں پر اپنی مدد نازل فرما“ ۔

ان انتظامات سے یہ بات آشکارا ہو جاتی ہے کہ حضرت خالد

* حضرت خالد کے بیٹے کی عمر اس وقت اٹھارہ برس کی تھی (الطبری جلد ۴ صفحہ ۳۳) ۔

† یہ ترتیب اور نظام اس نظام سے چنداں مختلف نہیں جو آج کل جنگوں میں اختیار کیا جاتا ہے ۔

پر زور سے لشکر کی جان اپنے ہاتھ میں لے لی کہ اہل اسلام کی قوت میں افزائی اور جوش و خروش اور دشمن پر فتح پانے کا عزم صمیم پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ دوسری طرف آپ نے دشمن کے دل میں، جو اپنی طاقت اور غرور پر نازاں تھا، مسلمانوں کا رعب پیدا کر دیا اور اس کے تمام عزائم پر اوس پڑ گئی۔

ان تمام انتظامات سے فارغ ہونے کے بعد حضرت خالد نے یلغار کا حکم دیا، جس میں قعقاع بن عمرو اور عکرمہ بن ابو جہل سالار تھے۔ سب سے پہلے آگے بڑھے اور دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ دونوں رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے آگے بڑھے اور حملہ شروع کر دی۔

جنگ کی آگ ابھی زور شور سے بھڑک رہی تھی۔ ہر طرف میدان کی شہ سواروں کی نیزوں اور تلواروں کی جھنکاروں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ رومی فوج کے ایک کا سردار جرجہ اپنی صف سے نکلا اور مسلمانوں اور رومیوں کی صفوں کے درمیان آ کر پکارا کہ خالد میرے پاس آئیں۔ حضرت خالد، ابو عبیدہ کو اپنی جگہ متعین کرکے اس کے پاس پہنچ گئے۔ دونوں سردار ایک دوسرے کے اتنے قریب ہو گئے کہ ان کے گھوڑوں کی گردنیں آپس میں مل گئیں۔ جرجہ نے کہا "اے خالد! میں تم سے جو کچھ پوچھوں درست درست بتانا ہوں۔ اس کے جواب صحیح صحیح دینا، جھوٹ نہ بولنا۔ کیونکہ شریف آدمی کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ نہ ہی کبھی دھوکہ دیتا ہوں کہ کریم النفس انسان کبھی کسی کو دھوکہ نہیں دیتا۔ میں یہ دریافت کرتا ہے کہ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ

نے تمہارے نبی پر آسمان سے کوئی تلوار اتاری تھی جو انہوں نے تمہیں دے دی اور اسی کی برکت ہے کہ جس قوم پر تم اس تلوار کو استعمال کرتے ہو وہ شکست کھا جاتی ہے؟"۔ حضرت خالد نے فرمایا "نہیں"۔ جرجہ نے پوچھا "پھر تمہیں سیف اللہ کیوں کہا جاتا ہے؟"۔ حضرت خالد نے جواب دیا "اللہ نے ہم میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔ انہوں نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا۔ شروع میں تو ہم سب نے ان کا انکار کیا لیکن پھر ہم میں سے بعض نے انہیں قبول کر لیا اور ان کی اطاعت اختیار کرلی لیکن بعض بدستور انکار اور تکذیب کرتے رہے۔ میں بھی ان لوگوں میں تھا جنہوں نے آپ کا انکار کیا، آپ سے دور دور رہے اور آپ سے لڑے۔ پھر اللہ نے ہمارے دلوں پر قبضہ کرکے ہمیں ہدایت دی اور ہم نے نبی کی طاعت اختیار کرلی۔ رسول اللہ نے مجھے فرمایا کہ تم اللہ کی تلوار ہو جسے اس نے مشرکین پر مسلط کیا ہے۔ ساتھ ہی آپ نے میری فتح مندی کی دعا بھی فرمائی۔ اس وجہ سے میرا لقب سیف اللہ

---

* بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں نے شام میں یہ مشہور کر دیا تھا کہ خالد کے ہاتھ میں وہ تلوار ہے جو آسمان سے اتری ہے۔ اس تلوار کے ذریعے خالد اپنے ہر دشمن کو شکست دے دیتے ہیں اور یہ تلوار انہیں رسول اللہ نے مرحمت فرمائی تھی۔ اس بات کے زیادہ پھیلنے کی وجہ یہ ہوئی کہ مسلمان حضرت خالد کو ہمیشہ سیف اللہ کے لقب سے پکارتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سردار جس کا نام طبری نے جرجہ بن توذر، (جارج بن ٹیوڈورس) لکھا ہے عربی جانتا تھا کیوں کہ اس نے حضرت خالد سے بغیر کسی ترجمان کے گفتگو کی (تاریخ اسلام مؤلفہ شیخ عبدالوہاب نجار صفحہ ۱۹۹)۔

دیا اور اسی وجہ سے میں مشرکوں کے لئے سب سے سخت مشہور ہوں"۔ جرجہ نے کہا "تم ٹھیک کہتے ہو۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم مجھے کن باتوں کی طرف دعوت دیتے ہو؟"۔ حضرت خالد نے فرمایا: "میں تمہیں اس امر کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور اقرار کرو کہ رسول اللہ جو کچھ لائے ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہے"۔ جرجہ نے کہا "اگر کوئی شخص ان باتوں کو قبول نہ کرے، تب کیا صورت ہوگی؟"۔ حضرت خالد نے جواب دیا "تب وہ جزیہ ادا کرے۔ ہم اس کی جان و مال کے محافظ ہوں گے"۔ جرجہ نے کہا "اگر وہ جزیہ بھی ادا نہ کرنا چاہے؟"۔ حضرت خالد نے فرمایا تب ہم اسے لڑائی کی دعوت دیں گے اور اس سے جنگ کریں گے"۔ جرجہ نے پوچھا "اس شخص کا کیا رتبہ ہوگا جو آج تمہارے دین میں داخل ہو جائے اور تمہاری دعوت قبول کر لے؟"۔ حضرت خالد نے جواب دیا "اللہ نے جو فرائض ہم پر عائد کئے ہیں ان کے لحاظ سے ادنیٰ، اعلیٰ، اول اور آخر سب برابر اور ہم رتبہ ہیں"۔ جرجہ نے پوچھا "جو شخص آج تمہارے دین میں داخل ہو جائے کیا اسے وہی اجر اور ثواب ملے گا جو تمہیں ملے گا؟"۔ حضرت خالد نے جواب دیا "بےشک اسے وہی اجر اور ثواب ملے گا جو ہمیں ملے گا، بلکہ ہم سے بھی زیادہ"۔ جرجہ نے پوچھا "وہ کس طرح ثواب میں تمہارا ہم رتبہ ہوگا جب کہ تم اس سے پہلے اسلام قبول کر چکے ہو؟"۔ حضرت خالد نے جواب دیا "جب ہم دین اسلام میں داخل ہوئے اس وقت رسول اللہ بقید حیات تھے۔ آپ پر وحی نازل ہوتی تھی، آپ ہمیں زمین و

آسمان کی خبریں سناتے تھے۔ جس شخص کو وہ ایمان افروز نظارے دیکھنے کا موقعہ ملا جو ہم نے دیکھے اور ان آیات الٰہی کے سننے کا موقع ملا جو ہم نے سنیں، اس کے لئے تو لازم تھا کہ وہ اسلام لاتا اور رسول اللہ کی بیعت کرتا۔ لیکن تم لوگ، کہ جنہوں نے نہ وہ چیزیں دیکھیں جنہیں دیکھنے کا ہمیں موقع ملا اور نہ وہ عجیب و غریب باتیں سنیں جنہیں سننے کا ہمیں موقع ملا، اگر صدق دل اور خلوص نیت سے دین اسلام میں داخل ہوگے تو ہم سے افضل ہوگے"۔ جرجہ نے یہ سن کر کہا "مجھ سے قسمیہ کہو کہ تم نے مجھ سے یہ سب باتیں سچ کہی ہیں، مجھے دھوکا تو نہیں دیا اور میرا دل خوش کرنا تو نہیں چاہا؟"۔ حضرت خالد نے فرمایا "میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے تم سے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے۔ مجھے تمہارا یا کسی اور کا ذرا سا بھی خوف نہیں۔ اللہ گواہ ہے کہ جو کچھ تم نے مجھ سے پوچھا میں نے ان کا ٹھیک ٹھیک جواب دیا" جرجہ نے کہا "تم ٹھیک کہتے ہو"۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی ڈھال الٹ دی اور حضرت خالد کے ساتھ ہو لیا اور ان سے درخواست کی کہ مجھے اسلام کی تعلیم دیجئے"۔ حضرت خالد اسے اپنے خیمے میں لے گئے اور پانی کی ایک مشک منگوائی جس سے اس نے غسل کیا۔ پھر حضرت خالد نے اسے وضو کرایا اور دو رکعت نماز پڑھائی۔

جب یہ رومی سردار حضرت خالد کے ساتھ چلا تو رومی سمجھے کہ ان کے سردار نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا ہے۔ یہ خیال کرکے انہوں نے بھی مسلمانوں کو ان کی جگہوں سے پیچھے ہٹا دیا۔ لیکن مدد گار دستے جن پر عکرمہ اور حارث بن ہشام متعین تھے، اپنی جگہ جمے کھڑے رہے۔ اسی اثنا

[illegible] ساتھ ادا کیں۔

[illegible] جہاں جس کے سینگ سمائے چل دئے۔

[illegible]

خالد وہاں بھی پہنچ گئے تو انہوں نے واقوصہ کی گھاٹی کا رخ کیا۔ اکثر رومیوں نے میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے کے لئے اپنے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی ہوئی تھیں وہ دھڑا دھڑ اس گھاٹی سے گرنے لگے۔ اگر ایک گرتا تھا تو اپنے ساتھ دس کو لے کر گرتا تھا۔ اندھیرا گہرا ہو چکا تھا۔ وہ لوگ کھڈ کو دیکھ نہ سکے۔ جو رومی بھاگ کر ادھر آتے انہیں خبر نہ ہوتی کہ آگے والوں پر کیا گزری۔ وہ بھی اسی کھڈ میں گرتے جاتے۔ طبری کے بیان کے مطابق ایک لاکھ دس ہزار رومی واقوصہ کی گھاٹی کی نذر ہوئے۔ ان میں سے اسی ہزار نے اپنے آپ کو بیڑیوں سے باندھ رکھا تھا۔ یہ تعداد ان سواروں اور پیدلوں کے علاوہ ہے جو میدان جنگ میں کام آئے۔ یہ لڑائی دن اور رات کے اکثر حصہ میں جاری رہی۔ صبح طلوع ہونے سے پہلے ہی حضرت خالد رومی لشکر کے سپہ سالار اعظم کے خیمے تک پہنچ چکے تھے۔ یہ جنگ حضرت عمر کے عہد کی پہلی جنگ ہے۔ اور حضرت صدیق کی وفات کے بیس روز بعد وقوع میں آئی*۔

رومیوں کے بڑے بڑے سرداران فوج اس عبرتناک شکست کو برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے اپنے آپ کو ذلت سے بچانے کے لئے اپنی ٹوپیوں سے اپنے منہ چھپا لئے اور میدان کے ایک جانب ہو کر بیٹھ گئے اور کہا کہ اگر ہم مسرت کا دن دیکھنے اور عیسائیت کی حمایت کرنے کے قابل نہیں ہیں تو ہم اس ذلت اور بدبختی کے دن کو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھنا نہیں

* گو جنگ یرموک حضرت عمر کے عہد میں وقوع پذیر ہوئی لیکن ہم نے اسے حضرت صدیق کے زمانے میں اس لئے شمار کیا کہ اس کی تیاری آپ ہی کے عہد میں کی گئی تھی۔

جوشی۔ چنانچہ وہ لوگ اسی حالت میں قتل کر دئے گئے*۔

اس جنگ میں مسلمانوں نے جس بہادری، جوش اور صبر و استقامت سے دشمنوں کا مقابلہ کیا وہ بھی اپنی مثال آپ تھی۔ عکرمہ بن ابو جہل نے جب دیکھا کہ رومیوں کا دباؤ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے تو انہوں نے جوش میں آ کر کہا "میں رسول اللہ کے ساتھ ہر میدان میں لڑتا رہا ہوں۔ کیا آج کی لڑائی میں تم سے ڈر کر بھاگ جاؤں گا؟ خدا کی قسم ایسا کبھی نہیں ہوگا"۔ یہ کہہ کر وہ پکارے "آؤ! موت کے لئے کون بیعت کرتا ہے؟"۔ یہ سن کر حارث بن ہشام، ضرار بن ازور اور چار سو دوسرے بہادر اور معزز مسلمانوں اور شہسواروں نے عکرمہ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی۔ ان لوگوں نے حضرت خالد کے خیمہ کے سامنے بے جگری سے لڑنا شروع کر دیا۔ ان میں سے اکثر نے جام شہادت نوش کیا اور زخمی ہونے سے تو کوئی بھی نہیں بچا†۔ عکرمہ اور ان کے بیٹے عمرو بن عکرمہ شدید زخمی ہونے کی حالت میں حضرت خالد کے پاس لائے گئے۔ حضرت خالد نے عکرمہ کا سر اپنی ران پر اور عمرو کا اپنی پنڈلی پر رکھ لیا۔ پھر دونوں باپ بیٹوں کے منہ سے خون دھوتے

* یہ عادت آج بھی بعض عربی قبائل میں پائی جاتی ہے۔ جب لشکر شکست کھا جاتا ہے تو اس کے سردار اپنے آپ کو شکست کی عار سے بچانے کے لئے ایک طرف بیٹھ جاتے ہیں اور منتظر رہتے ہیں کہ کب دشمن کے سپاہی آ کر اپنی تلواروں سے ان کا کام تمام کر دیتے ہیں (تاریخ الخلفاء، از شیخ عبدالوہاب نجار)۔

† الطبری جلد ۴ صفحہ ۳۶۔

جاتے اور ان کے حلق میں پانی کے قطرے ٹپکاتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے "ابن حنتمہ (حضرت عمر فاروق) نے غلط سمجھا تھا کہ ہم لوگ شہادت حاصل کرنا نہیں چاہتے"۔

اس جنگ میں صرف شہسواروں اور بہادروں ہی نے کارہائے نمایاں سر انجام نہیں دیئے بلکہ مسلمان عورتیں بھی فوج کی مدد کرنے میں کسی طرح پیچھے نہیں رہیں۔ وہ میدان جنگ میں پانی پلاتی، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی اور اپنے مردوں کے دلوں میں جوشیلے الفاظ کے ساتھ غضب و حمیت کے جذبات بھڑکاتی پھر رہی تھیں۔ بعض عورتوں نے تو باقاعدہ جنگ میں بھی حصہ لیا تھا*۔

جنگ یرموک میں مسلمان شہداء کی تعداد تین ہزار تھی جن میں سے صرف صحابہ کرام ایک ہزار کی تعداد میں تھے۔ اس جنگ میں شہید ہونے والے بدری صحابہ کی تعداد ایک سو تھی۔

دوران جنگ ہی میں مدینہ سے حضرت عمر فاروق کا قاصد حضرت ابوبکر صدیق کی وفات کی خبر اور حضرت خالد کی شرقی افواج کی سپہ سالاری سے) معزولی اور ان کی جگہ حضرت ابو عبیدہ کے تقرر کا حکم لے کر پہنچا۔ جب لوگوں نے اسے دیکھا تو اس سے مدینہ کے حالات پوچھنے شروع کئے۔ اس نے موقع کی نزاکت کو دیکھ کر کہا کہ مدینہ میں ہر طرح خیریت ہے اور تمہاری امداد کے لئے مزید فوجیں آرہی ہیں۔ اس کے بعد اس نے حضرت خالد کو ایک طرف لے جا کر تمام حالات بتائے اور جو کچھ اس نے فوج سے کہا تھا وہ بھی بتایا۔

* الطبری جلد ۴ صفحہ ۳۶ -

حضرت خالد نے اس کے بعد کی تعریف کی اور اس خط کو اپنے ترکش میں ڈال لیا۔ انہوں نے حضرت صدیق کی وفات کی خبر کو مشہور نہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ ان کو اندیشہ تھا کہ کہیں یہ خبر سن کر مسلمانوں کی ہمتیں پست نہ ہو جائیں۔ جب جنگ ختم ہو گئی تو آپ نے حضرت ابو عبیدہ کو بلایا اور حضرت عمر کا خط آپ کے سپرد کر دیا اور امارت کا کام انہیں سونپ دیا اور ان کی ماتحتی قبول کر لی۔

فتح یرموک پر کئی شعراء نے طبع آزمائی کی ہے۔ یہاں مثال کے طور پر قعقاع بن عمرو کے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

ألم ترنا على اليرموك فزنا
كما فزنا بايام العراق
قتلنا الروم حتى ما تساوى
على اليرموك مفروق الوراق
فضضنا جمعهم لما استحالوا
على الواقوصة البتر الرقاق
غداة تهافتوا فيها فصاروا
الى امر تعضل بالذواق*

کیا تم نے دیکھا کہ ہم جنگ یرموک کے موقع پر بھی اسی طرح کامیاب ہوئے جس طرح ہم عراق میں کامیابی حاصل کر چکے تھے۔ ہم نے رومیوں کو اس طرح قتل کیا کہ ان کی جمعیت کو واقوصہ میں پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ ان کی تلواریں ان کے کسی کام نہ آسکیں۔ وہ واقوصہ کی کھائی سے گر کر ختم ہو گئے۔

*معجم البلدان جلد ۸ صفحہ ۳۸۹۔

ان کا انجام حد درجہ عبرت ناک ہوا ۔ شکست اور نامرادی کے جو کڑوے گھونٹ انہوں نے پئے ، ان کا بیان ہر کس و ناکس کے بس میں نہیں) ۔

مشرق کی تاریخ میں یہ جنگ ایک فیصلہ کن معرکے کی حیثیت رکھتی ہے ۔ اس جنگ کے ذریعے نہ صرف ایک وسیع خطے سے قیصر روما کا اقتدار ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا بلکہ بلاد بنوالاصفر (شام) میں اسلامی فتوحات کا دروازہ بھی کھل گیا ۔

اس جنگ کے موقع پر جو کچھ پیش آیا وہ فنون جنگ اور امور قیادت کا ایک عظیم مظاہرہ تھا ۔ جس وقت حضرت خالد شام پہنچے اس وقت حالت یہ تھی کہ مسلمان اپنے دشمنوں سے علیحدہ علیحدہ جنگ کر رہے تھے ۔ ہر لشکر اپنے امیر کے ماتحت لڑتا تھا ۔ باہمی یکجہتی مفقود تھی ۔ ان کے دشمنوں کی تعداد ان سے کئی گنا تھی ۔ اور جنگی ساز و سامان کی بھی ان کے پاس فراوانی تھی ۔ ہرقل نے اپنی فوجیں اس خیال سے جمع کی تھیں کہ مسلمانوں کو ایسی شکست فاش دی جائے کہ پھر انہیں سر اٹھانے اور شام کا رخ کرنے کی جرأت نہ ہو ۔ اگر ان حالات میں مسلمان پراگندگی اور انتشار کی حالت میں رہتے تو ان کی کامیابی ناممکن تھی ۔ اس موقع پر حضرت خالد نے اپنی قابلیت اور جنگی استعداد کا جو مظاہرہ کیا اس نے مسلمانوں کو مکمل تباہی سے بچا کر ان کے لئے فتح و ظفر کے راستے کھول دئے ۔ انہوں نے مسلمانوں کو جمع کرکے ایک تقریر کے ذریعے ان کی کمزوریوں کو ان پر عیاں کیا اور بتایا کہ علیحدہ علیحدہ قیادت کے ماتحت دشمنوں سے جنگ کرنا سخت نقصان کا موجب ہوگا اور اس وقت ان کے بچاؤ کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ تمام مسلمان ایک سپہ سالار کے ماتحت ہو کر جنگ کریں اور تمام

احکام اسی سے حاصل کریں ۔ اس نے شام کی فوجوں پر اتفاق کے بعد جب حضرت خالد کے سپرد وہاں کی مہم بالاتفاق رائے سپرد کیا گیا تو آپ نے لشکر کو جس طرح ترتیب دیا اور جس طرح اس کی صف بندی کی وہ عربوں کے لئے بالکل نیا تجربہ تھا ۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ دشمنوں کو مسلمانوں کی تعداد ان کی اصل تعداد سے بہت زیادہ نظر آنے لگی اور وہ مسلمانوں سے بے حد مرعوب ہوگئے ۔

مسلمانوں کے مختلف لشکروں کو ایک قیادت کے تحت جمع کرنے کا تجربہ موجودہ زمانے میں بھی اختیار کیا گیا ، اور اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا گیا ۔ پہلی جنگ عظیم کے آغاز میں اتحادی قوموں کی فوجیں اپنے اپنے ملک کے کمانڈر انچیف کے ماتحت تھیں لیکن جب جرمنی کی فوجوں نے پیش قدمی شروع کی تو اتحادیوں کو بڑے سوچ و بچار ، غور و فکر اور باہمی صلاح و مشورہ کے بعد اسی طریقہ پر عمل کرنا پڑا جو تیرہ سو سال پہلے یرموک کے میدان میں حضرت خالد اختیار کر چکے تھے ۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تمام فوجوں کو متحد کرکے ایک سپریم کمانڈ کے ماتحت کر دیا ۔ جس کے نتیجے میں انہیں بالآخر فتح اور کامرانی نصیب ہوئی* ۔

با ایں ہمہ ان دونوں حالتوں میں بڑا فرق ہے ۔ جنگ یرموک کے موقع پر یہ تجویز پیش کرنے والی ذات صرف اور

* دوسری جنگ عظیم میں بھی یہی طریقہ آزمایا گیا اور موجودہ زمانے میں بھی معاہدہ شمالی اوقیانوس کی تنظیم کے تحت مغربی یورپ کی افواج کو ایک کمان کے تحت کرکے اسی اصول کو اپنایا جا رہا ہے (مترجم) ۔

صرف ذہلے خالد کی تھی لیکن جنگ عظیم کے موقع پر پورے دو سال کے غور و فکر اور بڑے بڑے جنگی مدبرین کی متعدد کانفرسوں کے بعد یہ تجویز عمل میں لائی گئی۔ حضرت خالد نے کسی جنگی مدرسے میں تعلیم نہیں پائی تھی لیکن اتحادیوں کے کمانڈر اور فوجی افسر دنیا کے بڑے بڑے فوجی کالجوں اور عظیم جنگی تربیت گاہوں کے تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ تھے۔ حضرت خالد کے ذہن میں یہ تجویز آج سے تیرہ سو سال پہلے آئی تھی جبکہ فنون جنگ ابتدائی حالت میں تھے، لیکن اتحادیوں نے یہ سبق اتنا لمبا عرصہ گزرنے کے بعد اس وقت سیکھا جب کہ جنگی علوم و فنون اپنی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ کیا ان واقعات پر غور کرنے سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ حضرت خالد ایک نادرۂ روزگار ہستی تھے اور مادر گیتی ان جیسا عظیم الشان فرزند آج تک پیدا نہ کر سکی؟۔

جنگ یرموک کے موقع پر ایک شخص نے رومیوں کی طرف نظر ڈالی اور کہنے لگا "اوہو، رومی کتنے زیادہ ہیں اور مسلمان کتنے کم"۔ حضرت خالد نے فرمایا "اوہو، رومی کتنے کم ہیں اور مسلمان کتنے زیادہ۔ یاد رکھو فوجیں اللہ کی مدد کی بدولت زیادہ ہوتی ہیں اور ناکامی و بزدلی کی وجہ سے کم ہوتی ہیں۔ فتح و شکست کا دار و مدار آدمیوں کی کثرت و قلت پر نہیں ہوتا"۔ پھر فرمایا "کاش میرے گھوڑے اشقر* کا پاؤں اچھا ہوتا، پھر چاہے دشمن تعداد میں ہم سے کتنے گنا کیوں نہ ہوتے مجھے ان کی مطلق پروا نہ ہوتی"۔

* اشقر، حضرت خالد کے گھوڑے کا نام تھا۔ عراق سے سوریا آتے ہوئے اس کا پاؤں زخمی ہو گیا تھا۔

ہم اس عظیم الشان شخص پر جس قدر بھی غور کرتے ہیں، اس کی شخصیت کے نت نئے پہلو اجاگر ہوتے چلے جاتے ہیں اور حیرانی ہوتی ہے کہ یہ شخص کس قدر بلند مرتبے کا مالک تھا۔ اسی واقع کو دیکھئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انتہائی نازک، پرہول و پرخطر موقع پر بھی آپ کو نصرت خداوندی پر پورا پورا بھروسہ تھا۔ ایک سپہ سالار دشمن کے لشکر کی عظیم الشان تعداد، اس کے نظام، اس کی ترتیب اور صف بندی کو دیکھتا ہے۔ بظاہر کوئی شکل اس کی فوج کی فتح یابی کی نہیں ہے لیکن وہ دشمن کی تعداد اور اس کی تیاریوں کو کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے کہتا ہے کہ فتح و نصرت کا دار و مدار فوجوں کی کثرت پر نہیں بلکہ خدائی نصرت پر ہوتا ہے۔ یہ اطمینان اور یہ وثوق محض ایمان کا نتیجہ تھا اور یہ ایمان اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جسے اللہ دے۔

جس وقت رومی سردار، جرجہ نے آگے بڑھ کر حضرت خالد سے ان کے لقب "سیف اللہ" کی تشریح چاہی تو آپ نے اسے کسی دھوکے میں رکھنا یا دھوکہ دینا نہیں چاہا۔ حالانکہ آپ بڑی آسانی سے ایسا کر سکتے تھے۔ اس کے خلاف آپ نے بغیر کسی قسم کی رنگ آمیزی کے اس کے سامنے حقیقت بیان کردی اور بڑے دل نشین پیرایہ میں اسے اسلام لانے کی دعوت دی۔ حضرت خالد کی صدق گوئی اور اسلامی اصولوں کو نہایت اعلیٰ پیرائے میں بیان کرنے کا اثر تھا کہ جرجہ نے میدان جنگ میں ہی اسلام قبول کرلیا۔ اس واقعے سے حضرت خالد کی شخصیت سچائی کے پیکر اور اسلام کے مبلغ کی حیثیت میں سامنے آتی ہے۔

اسی پر بس نہیں۔ قربانی اور جہاد کا جو نمونہ اس موقع پر حضرت خالد نے پیش کیا اس کی نظیر آج تک دنیا کی تاریخ

پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ایسے وقت میں جب کہ انسان کو اپنے عظیم الشان کارناموں کے بدلے میں اپنے لئے انعام و اکرام اور بہترین صلے کی توقع ہوتی ہے حضرت خالد کے پاس حکم پہنچتا ہے کہ انہیں امارت سے معزول کیا جاتا ہے۔ اس وقت لڑائی کی آگ پورے زور شور سے بھڑک رہی تھی۔ لیکن آپ کے دل میں ذرا بھی ملال پیدا نہ ہوا۔ جس جوش و خروش سے پہلے دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے اسی جوش سے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بعد میں مقابلہ کرتے رہے۔ نہ ان کی جرأت مندی میں کوئی فرق آیا اور نہ ان کے اخلاص میں کوئی کمی واقع ہوئی۔ وہ "قائد کی روح کے ساتھ سپاہی اور سپاہی کی صورت میں قائد" کے فرائض انجام دیتے رہے اور اس علم کے باوجود کہ وہ معزول ہو چکے ہیں اور اب جنگ کی فتح کا سہرا دوسرے شخص کے سر پر رکھا جائے گا اس وقت تک برابر دشمن سے لڑتے رہے جب تک اسے شکست نہ دے لی۔

اگر ایسا واقعہ ہمارے زمانے میں پیش آئے اور کسی جرنیل کی برطرفی اس طرح عمل میں لائی جائے تو یقیناً وہ جرنیل ہر ممکن طریقے سے اپنی ہتک کا بدلہ لینے کی کوشش کرے گا اور اپنے جانشین کو ناکام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے گا اور بہت ممکن ہے کہ اس حکومت کا تختہ ہی الٹ دے جس نے اس کی قدر نہ پہچانی۔

لیکن جب ہم حضرت خالد کی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ معزول ہونے کے بعد اسی وفاداری سے ایک ایسے سپاہی کی طرح کام کرتے رہے جو ریاست اور امارت کی صفات سے بالکل عاری ہوتا ہے۔ لیکن اس عرصہ میں آپ نے نہ کمزوری دکھائی اور نہ کبھی سلطنت کو کوئی ضرر پہنچانے

سے انکار کیا ۔ بلکہ اخلاص جوش و خروش اور تندہی کے ساتھ بدستور دین کے کام میں مصروف رہے ۔ آپ کو نہ اس بات پر ناز تھا کہ حضرت صدیق آپ کی خدمات کے انتہائی معترف تھے اور نہ اس بات کا رنج کہ حضرت عمر نے آپ کو معزول کر دیا ۔ آپ کے سامنے صرف ایک ہی مقصد تھا اور ایک ہی ہدف اور وہ تھا دین کی خدمت اور اسلام کی اشاعت ۔ آپ فرمایا کرتے تھے ”تعریف اس خدا کے لئے زیبا ہے جس نے ابوبکر کو وفات دی ۔ وہ مجھے عمر سے زیادہ محبوب تھے ۔ اور تعریف اس خدا کے لئے زیبا ہے جس نے عمر کو حاکم بنا دیا ۔ وہ مجھے ابوبکر کے مقابلے میں ناپسند تھے مگر پھر مجھے جبراً ان کی محبت کرائی“* ۔

جو لوگ بڑے فخر سے یہ بات بیان کرتے ہیں کہ جب پہلی جنگ عظیم میں مسٹر چرچل کو وزارت بحریہ سے علیحدہ کر دیا گیا تو وہ میدان جنگ میں ایک سپاہی کی حیثیت سے لڑنے کے لئے چلے گئے انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ سب کچھ انہی مثالوں کا اثر ہے جو اس سے پہلے حضرت خالد جیسے مسلمانوں نے دنیا کے سامنے پیش کی تھیں ۔ جو صفات آج یورپین اقوام میں پیدا ہو رہی ہیں وہ وہی ہیں جو تیرہ سو سال پہلے مسلمانوں میں موجود تھیں ۔ انہی صفات کی وجہ سے مسلمان دنیا کے شہنشاہ اور مالک بن گئے اور انہی صفات پر عمل کر کے یورپین اقوام دنیا میں سر بلندی اور کامیابی حاصل کر رہی ہیں ۔

یہاں پہنچ کر ان عظیم الشان فتوحات اور اعلیٰ خدمات کا ذکر ختم ہوتا ہے جو حضرت ابوبکر صدیق کے عہد میں حضرت خالد

---

* الطبری جلد ۴ صفحہ ۳۷ ۔

کے ھاتھوں انجام پائے اور جنھیں خلیفة المسلمین کی پوری حمایت حاصل تھی ۔ اب ھم نیا باب ایک نئے دور کے آغاز سے شروع کرتے ھیں ۔ یہ دور حضرت عمر کی خلافت اور حضرت خالد کی معزولی سے شروع ھوتا ھے ۔ اس باب میں ھم دیکھیں گے کہ حضرت خالد نے اپنی وفات تک ایک سپاھی کی حیثیت سے کارھائے نمایاں سر انجام دئے ۔

چوتھا حصہ

خالد، حضرت عمر کے عہد میں

فتحِ دمشق

جنگ یرموک کا اختتام رومیوں کی شکست فاش، حضرت خالد کی معزولی اور حضرت ابو عبیدۃ بن الجراح کی امارت پر ہوا تھا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت ابوعبیدہ نے مال غنیمت تقسیم کیا، حضرت عمر کی خدمت میں فتح کی خوشخبری بھیجی اور خمس ارسال کیا۔ اس کے بعد یرموک کے علاقے میں بشیر بن کعب حمیری کو اپنا نائب بنا کر مفرورین کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور صفر کے مقام پر آ کر اترے۔ یہاں انہیں خبر ملی کہ رومی فحل میں جمع ہو رہے ہیں۔ ساتھ ہی انہیں یہ بھی اطلاع ملی کہ اہل دمشق کی امداد کے لئے حمص سے کمک آ رہی ہے۔ آپ نے ان حالات سے حضرت عمر کو اطلاع دی اور ان سے ہدایت طلب کی کہ رومیوں پر حملے کا آغاز فحل سے کیا جائے یا دمشق سے۔ خود جواب کے انتظار میں وہ صفر میں ہی ٹھہر گئے۔ حضرت عمر کا جواب آیا کہ اپنی کارروائی کا آغاز دمشق سے کرو کیونکہ دمشق شام کا قلعہ اور دارالحکومت ہے، البتہ فحل کے سامنے بھی اپنا ایک دستہ متعین کر دو تاکہ

جب تک تم دمشق سے فارغ نہ ہو جاؤ فحل والے کچھ کر
نہ سکیں۔

اس حکم کی تعمیل میں حضرت ابوعبیدہ نے فحل کی جانب دس دستے، عمارہ ابن مخشی کی زیر سرکردگی روانہ کر دیے۔ ذوالکلاع کو ایک دستہ دے کر انہیں دمشق اور حمص کے راستے پر متعین کر دیا تا کہ حمص کی جانب سے کوئی مدد رومیوں کو نہ پہنچ سکے۔ اسی طرح علقمہ بن حکیم اور مسروق کو دمشق اور فلسطین کے راستے پر متعین کر دیا تا کہ فلسطین کی جانب سے رومیوں کا کوئی دستہ دمشق کی طرف سے مسلمانوں پر حملہ نہ کر سکے۔ اس طرح چاروں طرف سے رومیوں کی کمک کے راستے مسدود کر دیئے گئے۔ ان خدمات سے فارغ ہونے کے بعد ابوعبیدہ صفر سے روانہ ہوئے اور دمشق پہنچ کر چاروں طرف سے اس کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت عمرو بن العاص کو باب فرادیس کے سامنے متعین کیا۔ شرحبیل بن حسنہ کو باب توما کے سامنے، قیس بن ہبیرہ کو باب فرج کے سامنے اور حضرت خالد کو باب شرقی کے سامنے ٹھہرنے کا حکم دیا۔ خود ابوعبیدہ، باب جابیہ کے سامنے اترے۔ ستر دن تک محاصرہ جاری رہا۔ مسلمان اس دوران میں تیروں اور منجنیقوں کے ذریعے شہر پر حملے کرتے رہے۔ ادھر اہل شہر ہرقل کی جانب سے کمک کے انتظار میں تھے لیکن چاروں طرف سے راستے بند تھے۔ جب اہل شہر کو کمک پہنچنے کی کوئی امید نہ رہی تو وہ بے حد گھبرا گئے۔ لے دے کر یہ امید باقی رہ گئی تھی کہ سردی کا موسم شروع ہونے والا ہے، مسلمان یہاں کی شدید سردی برداشت نہیں کر سکیں گے اور واپس لوٹ جائیں گے۔ لیکن ان کی یہ امید بھی موہوم ثابت ہوئی اور مسلمان برابر شہر

کا محاصرہ کئے پڑے رہے۔

حضرت خالد کی یہ عادت تھی کہ نہ خود سوتے تھے اور نہ دوسروں کو سونے دیتے تھے۔ دشمن کی معمولی سے معمولی بات کا بھی انہیں پتہ رہتا تھا۔ ان کی آنکھیں بہت تیز تھیں۔ انہیں معلوم ہوا کہ عیسائیوں کے بطریق (لاٹ پادری) کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے اور اس نے خوشی میں تمام شہر والوں کی دعوت کی ہے، تمام لوگ کھانے پینے میں مشغول ہیں اور اپنے مفوضہ کاموں اور فرائض سے بالکل غافل ہیں۔ شہر کی محافظ فوج بھی شراب کے نشہ میں دھت ہے۔ آپ نے پہلے ہی سے سیڑھیاں تیار کروا رکھی تھیں۔ جب رات ہو گئی تو آپ نے فصیل پھاندنے کی تیاریاں شروع کیں، اور ان لوگوں کو لیے جو عراق سے آپ کے ساتھ آئے تھے، آگے بڑھے۔ ان لوگوں میں پیش پیش قعقاع بن عمرو اور مذعور بن عدی جیسے اشخاص تھے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو یہ ہدایت کی کہ جب تم فصیل سے ہماری تکبیروں کی آوازیں سنو تو فوراً فصیل پر چڑھ جاؤ اور دروازے پر حملہ کر دو۔ جب آپ اور آپ کے ساتھی دروازے پر پہنچے جس کے سامنے آپ ڈیرہ ڈالے ہوئے پڑے تھے تو آپ نے اپنی کمندیں فصیل کے کنگوروں پر پھینکیں۔ ان کی کمروں کے ساتھ وہ مشکیں بندھی ہوئی تھیں جن کے ذریعہ انہوں نے خندق کو تیر کر عبور کیا تھا۔ جب کمندیں اچھی طرح کنگوروں سے اٹک گئیں تو قعقاع بن عمرو اور مذعور بن عدی ان کے ذریعے فصیل پر چڑھ گئے اور تمام کمندوں کو جو ان کے ساتھ تھیں دوسرے کنگوروں میں اٹکا کر فصیل سے نیچے لٹکا دیا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ جس جگہ سے وہ فصیل پر چڑھے ہوئے تھے وہ جگہ تمام شہر میں سب سے زیادہ مستحکم

تھی۔ خندق بھی اس جگہ کی چوڑی تھی اور پانی سے لبالب بھری ہوئی تھی۔ اس طرح بظاہر یہ حصہ ناقابل عبور نظر آتا تھا۔ جب قعقاع اور مذعور ساری کمندیں لٹکا چکے تو حضرت خالد اپنے باقی ساتھیوں کو لے کر فصیل پر چڑھ گئے۔ کچھ لوگوں کو تو حفاظت کے لئے فصیل پر ہی چھوڑ دیا اور باقی لوگوں کو لے کر فصیل کے دوسری طرف اتر گئے۔ نیچے اتر کر آپ نے فصیل پر متعین لوگوں کو تکبیر کہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہوں نے تکبیریں کہنی شروع کیں جنہیں سن کر نیچے کھڑی ہوئی فوج کے کچھ آدمی تو کمندوں کے ذریعے فصیل پر چڑھ آئے اور کچھ دروازے کی طرف بھاگے۔ حضرت خالد اپنے قریب کے دشمنوں کو قتل کرتے ہوئے دروازے تک پہنچ گئے اور دربانوں کو قتل کر کے اور قفلوں کو توڑ کر دروازہ کھول دیا۔ مسلمان فوج جو باہر منتظر کھڑی تھی شہر میں داخل ہوگئی۔

جب شور و غل مچا تو تمام شہر والے جو شراب میں مدھوش تھے گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے لیکن ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ کیا ہوگیا۔ مسلمان تلواریں چلاتے اور دشمنوں کو قتل کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ جب اہل شہر کو پوری طرح ہوش آیا اور انہوں نے حقیقت کو سمجھا تو وہ شہر کے دوسرے دروازوں کی طرف بھاگے جن کے سامنے دوسرے مسلمان سردار ڈیرے ڈالے پڑے تھے۔

مسلمانوں نے اہل دمشق کو نصف نصف تقسیم پر مصالحت کی دعوت دی تھی لیکن انہوں نے یہ دعوت نا منظور کردی تھی اور بدستور مقابلے پر اڑے رہے تھے۔ جب حضرت خالد کی

تلوار سے ان کا صفایا کرنا شروع کیا تو انہوں نے دوسری طرف کے مسلمانوں سے صلح کی درخواست کی جسے انہوں نے منظور کر لیا۔ رومیوں نے جھٹ سے شہر کے دروازے کھول دئے اور کہا کہ ہمیں خالد کے حملہ سے بچاؤ۔ چنانچہ شہر کے تین طرف سے مسلمان صلح کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے۔ مشرق جانب سے حضرت خالد دشمنوں کو قتل کرتے ہوئے آرہے تھے۔ شہر کے وسط میں ان کی ملاقات دوسرے مسلمان سرداروں سے ہوئی۔ تھوڑی سی بحث و تمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ حضرت خالد کی طرف کا حصہ بھی صلح کے حکم میں شامل ہوگا۔

مصالحت کی شرط یہ تھی کہ مفتوحین جائداد منقولہ اور جائداد کا پانچواں حصہ ادا کریں اور فی کس ایک دینار اور فی جریب زمین ایک جریب گیہوں سالانہ ادا کریں۔ لیکن شاہی خاندان اور اس کے متعلقین کی تمام زمینیں اور مملوکہ سامان مال غنیمت قرار دیا گیا*۔

معرکۂ فحل

جب مسلمان دمشق کی فتح سے فارغ ہوگئے تو انہوں نے حضرت عمر کی رائے پر عمل کرتے ہوئے فحل کا قصد کیا کیونکہ حضرت کا منشا بھی تھا کہ فی الحال حمص اور دمشق جیسے رومی شہروں کا رخ نہ کیا جائے، کیونکہ رومیوں کی ایک بڑی فوج، جو مؤرخین کے اندازے کے مطابق اسی ہزار سے کم نہ تھی، مسلمانوں کے عقب میں موجود تھی۔ خصوصاً فحل کی فوجیں

* الطبری جلد ۴ صفحہ ۵۸۔

رومیوں کے لئے ڈھال کا کام دے رہی تھیں اور انہی سے رومیوں کی توقعات وابستہ تھیں۔

حضرت ابو عبیدہ نے یزید بن ابی سفیان کو دمشق میں اپنے نائب کی حیثیت سے چھوڑا اور اسلامی لشکر فحل کی جانب روانہ ہوا۔ اس فوج کے سپہ سالار شرجیل بن حسنہ تھے کیونکہ حضرت صدیق کی جانب سے انہیں ہی اس علاقے کی حکومت تفویض کی گئی تھی۔ انہوں نے حضرت خالد کی تعظیم و تکریم کے خیال سے ان کو مقدمہ پر مقرر کیا۔ حضرت ابو عبیدہ کو میمنہ پر حضرت عمرو بن العاص کو میسرہ پر، سواروں پر ضرار بن الازور کو اور پیدل فوج پر عیاض بن غنم کو متعین کیا گیا۔

رومیوں نے جب سنا کہ مسلمانوں کی فوجیں فحل پر حملہ کرنے کے ارادے سے بڑھی چلی آرہی ہیں تو انہوں نے ندیوں کے بند توڑ دئے جس سے ارد گرد کی تمام زمین زیر آب ہو گئی اور دلدل بن گئی۔ مسلمان جب وہاں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ہر طرف پانی ہی پانی نظر آ رہا ہے اور آگے بڑھنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ وہ اس صورت حال سے بڑے کبیدہ خاطر ہوئے لیکن بالآخر یہی دلدلیں ان کے لئے مفید اور کارآمد ثابت ہوئیں۔

مسلمان ایک عرصے تک وہاں ٹھہرے پڑے رہے۔ رومیوں نے مسلمانوں کو غافل خیال کر کے ایک دن بڑے زور شور سے ان پر حملہ کر دیا۔ لیکن مسلمان بے خبر نہ تھے۔ انہوں نے خوب ڈٹ کر رومیوں کا مقابلہ کیا۔ رات بھر اور اگلے روز رات تک میدان کارزار گرم رہا۔ آخر جب رومیوں کی ہمتیں پست ہو گئیں تو انہوں نے بھاگنا شروع کیا۔ رات کا

وقت پر گھبراہٹ میں وہ راستہ بھول گئے اور شکست و پسپائی نے انہیں دلدل اور کیچڑ میں دھکیل دیا اور وہ دشمن میں پھنس کر رہ گئے۔ اسی ہزار فوج میں سے اکا دکا شخص کے سوا کوئی بچ کر نہ جا سکا۔ تمام فوج اسی جگہ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گئی۔

اس لڑائی کے بعد حضرت ابو عبیدہ حضرت خالد کو ہمراہ لے کر حمص روانہ ہوئے۔

جنگ مرج الروم

جب ہرقل کو دمشق اور اردن میں اپنے لشکروں کی شکست کی خبر ملی اور اسے یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا ارادہ اب حمص کو فتح کرنے کا ہے تو اس نے مشہور پادری توذر کی زیر قیادت ایک عظیم الشان لشکر مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لئے بھیجا۔ بعد میں اس لشکر کو ناکافی سمجھ کر اس نے شنس رومی کی زیر قیادت ایک اور لشکر بھی توذر کے پیچھے روانہ کیا۔

دمشق کے مغرب میں مرج روم کے مقام پر مسلمانوں کی ان دونوں لشکروں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ حضرت ابو عبیدہ شنس رومی کے مقابل ہوئے اور حضرت خالد توذر کے مقابلے میں آئے۔ صبح ہوئی تو مسلمانوں نے دیکھا کہ توذر اپنی فوج لے کر غائب ہے لیکن شنس اپنی فوج کے ہمراہ ڈیرے ڈالے پڑا ہے۔

حضرت خالد کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے معلوم ہوا کہ توذر اپنی فوج لے کر دمشق کی جانب بڑھ گیا ہے۔ آپ نے فوراً

بھانپ لیا کہ توذر کا مقصد دمشق پہنچ کر اچانک اس فوج پر حملہ کرنا ہے جو شہر کی حفاظت کے لئے حضرت ابو عبیدہ نے یزید بن ابو سفیان کی زیر سرکردگی وہاں متعین کی تھی۔ حضرت خالد، حضرت ابو عبیدہ سے مشورہ کر کے نہایت تیزی سے اس کے پیچھے روانہ ہوئے۔ اسے معلوم بھی نہ تھا کہ حضرت خالد اس کے پیچھے پیچھے ہیں اور دمشق پہنچ کر اسے مسلمانوں کی ایک فوج سے نہیں بلکہ دو فوجوں سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔

ابھی توذر اور یزید بن ابو سفیان کی فوجوں کا مقابلہ شروع ہی ہوا تھا کہ حضرت خالد بھی اپنی فوج کے ہمراہ دمشق پہنچ گئے اور توذر کی فوج پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ آگے سے یزید کی فوج کے نیزے رومیوں کے سینے چھلنی کر رہے تھے اور پیچھے سے حضرت خالد کی فوج کی تلواریں ان کا کام تمام کر رہی تھیں۔ فرار کے لئے انہیں کوئی راہ نہ ملتی تھی۔ بہت ہی کم لوگ اپنی جانیں بچا کر بھاگ سکے۔ فوج کا سپہ سالار توذر، حضرت خالد کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

جنگ کے بعد حضرت خالد اور حضرت یزید بن ابو سفیان کی فوجوں کے درمیان مال غنیمت تقسیم ہوا اور حضرت خالد حضرت ابو عبیدہ کے پاس واپس تشریف لے آئے۔ یہ جنگ ۱۵ھ میں واقع ہوئی*۔

* الطبری جلد ۴ صفحہ ۱۵۳۔

فتحِ حمص*

جب ہرقل کو اپنی فوجوں کی تباہی کا حال معلوم ہوا تو وہ حمص سے بھاگ گیا اور حمص میں اپنے عامل کو حکم دے گیا کہ جہاں تک ہو سکے شدید سردی کے دنوں میں مسلمانوں سے مقابلہ کیا جائے تاکہ وہ سردی کی شدت سے حوصلہ ہار بیٹھیں اور جم کر مقابلہ نہ کر سکیں۔

حضرت ابو عبیدہ بعلبک کے راستے حمص روانہ ہوئے۔ مقدمۃ الجیش کے طور پر آپ نے سمط بن اسود کندی کو اپنے آگے روانہ کر دیا تھا اور حضرت خالد کو بقاع کے فتح کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اسے فتح کرنے کے بعد آپ پھر حضرت ابوعبیدہ سے حمص آن ملے۔ مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ بڑی سختی سے کیا ہوا تھا۔ جب سردی کا موسم گزر گیا اور رومیوں کی آخری امید بھی جاتی رہی تو انہوں نے مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی جو مسلمانوں نے منظور کر لی اور شہر پر ان کا قبضہ ہو گیا۔

---

* حمص، شام کا بہت پرانا اور مشہور شہر ہے۔ اس کے ارد گرد مضبوط فصیلیں بنی ہوئی ہیں۔ یہ شہر دمشق اور حلب کے درمیان یکساں مسافت پر واقع ہے۔ جنگوں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد حضرت خالد یہیں مقیم ہو گئے تھے۔ یہیں آپ کی، آپ کی بیوی کی اور آپ کے بیٹے عبدالرحمان کی قبریں ہیں۔ حضرت خالد کی قبر کے قریب ہی عیاض بن غنم کی قبر بھی ہے۔ (معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۳۰۰)۔

فتح حاضر

حمص کی فتح کے بعد حضرت ابو عبیدہ نے حضرت خالد کو قنسرین کی طرف بھیجا۔ راستے میں حاضر کے مقام پر رومیوں کے ایک لشکر سے آپ کی مدھ بھیڑ ہو گئی جس کا سردار میناس تھا۔ میناس، قیصر کے بعد رومیوں کی سب سے اہم شخصیت تھی۔ دونوں فوجوں میں شدید لڑائی ہوئی۔ میناس اور اس کے لشکر کا اکثر حصہ میدان جنگ میں کام آیا۔

جنگ کے بعد حاضر کے باشندوں نے حضرت خالد کو کہلا بھیجا کہ ہم نے قیصر کے زور ڈالنے پر مجبوراً جنگ کی تیاری کی تھی لیکن ہمارا دل آپ سے لڑنے کو نہیں چاہتا تھا اس لئے آپ براہ کرم ہماری جان بخشی کر دیجئے۔ حضرت خالد نے ان کی درخواست قبول کر لی اور انہیں چھوڑ کر آگے بڑھے۔

فتح قنسرین*

حاضر سے روانہ ہو کر آپ قنسرین روانہ ہوئے۔ شہر والے پہلے ہی سے قلعہ بند ہو کر بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت خالد نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اور شہر والوں کو کہلا بھیجا کہ اس طرح قلعہ بند ہونے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اگر تم آسمان پر بھی چڑھ جاؤ گے تو اللہ یا ہمیں تمہارے پاس پہنچا دے گا یا تمہیں ہمارے پاس اتار لائے گا۔

* قنسرین، شام کے ایک صوبے کا نام ہے۔ اسی صوبے میں قنسرین کا شہر بھی ہے جو حلب سے ایک دن کی مسافت پر واقع ہے۔ (معجم البلدان جلد ۷ صفحہ ۱۶۹)۔

اہل قنسرین کو بالآخر ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ انہوں نے صلح کی درخواست کی۔ حضرت خالد نے یہ درخواست اس شرط کے ساتھ منظور کی کہ شہر کی فصیل منہدم کر دی جائے۔ [illegible] اس شرط کو منظور کر لیا اور حضرت [illegible] کرا دیا ۔

•

ہرقل جس وقت "الرہا" [illegible] میں تھا [illegible] حمص کے میدان جنگ میں رومی لشکر کی ہزیمت اور قنسرین کی فصیل کے انہدام کی خبریں ملیں جنہیں سن کر اسے یقین ہو گیا کہ اب شام میں اس کی سلطنت ختم ہو چکی ہے [illegible] وہ انتہائی یاس اور ناامیدی کی حالت میں [illegible] حسرت [illegible] یہ کہتا ہوا [illegible] شام سے رخصت ہو گیا کہ "اے شام! رخصت ہونے والے کا سلام قبول ہو۔ یہ ایسی جدائی ہے جس کے بعد ملاقات ممکن نہیں" ۔

حمص اور قنسرین میں حضرت خالد نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دئے تھے انہیں سن کر آپ کے متعلق حضرت عمر کی رائے بالکل تبدیل ہو گئی اور آپ نے فرمایا "خالد نے اپنی کارناموں کی وجہ سے خود ہی اپنے آپ کو [illegible] ہے۔ اللہ ابوبکر پر اپنی رحمت نازل کرے۔ وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے*۔

* طبری جلد ۵ صفحہ ۱۵۵ - ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۳۴۴ -

فتح مَرْعَش*

قنسرین کی فتح کے بعد حضرت خالد مرعش کی جانب روانہ ہوئے۔ اسے فتح کرنے کے بعد اس کے باشندوں کو جلا وطن کر دیا اور شہر کو منہدم کرا دیا ۔ مرعش کی فتح کے بعد آپ نے حدث کا قلعہ فتح کیا† ۔

فتوحات کا اختتام

اب جبکہ ہم آپ کے عدیم المثال کارناموں اور فتوحات کے ذکر سے فارغ ہو چکے ہیں ایک ایسے اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں جو ان یورپین معترضین کی طرف سے ، جنہیں اسلام کی ترقی ایک آنکھ نہیں بھاتی ، عموماً پیش کیا جاتا ہے ۔ وہ اعتراض یہ ہے کہ ایک بہت ہی قلیل وقت میں حضرت خالد کے ایران و روم کی سلطنتوں پر چھا جانے اور ایک وسیع خطۂ ارض پر قابض ہو جانے کا سبب مسلمانوں کی موت سے بے خوفی ، اسلامی فوجوں کی شان دار بہادری ، ان کے سرداروں کا بے نظیر جنگی تجربہ اور خدائی نصرت و امداد نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کی فتح و نصرت محض اس وجہ سے تھی کہ اس وقت یہ غیر اسلامی حکومتیں داخلی انتشار میں مبتلا ہو کر کمزور ہو چکی تھیں ۔ مسلمانوں نے اس داخلی انتشار سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا اور ان پر پے در پے حملے کر کے حسب منشا کامیابی حاصل کی ۔

* مرعش کا شہر ، شام کی سرحدوں پر واقع ہے جو بلاد روم سے ملتی ہیں ۔ (معجم البلدان جلد ۸ صفحہ ۳۵) ۔

† تاریخ ابو الفداء جلد اول صفحہ ۱۶۰ ۔

بادی النظر میں اگرچہ یہ معترض صحیح نظر آتا ہے لیکن ان لوگوں سے جنہیں تاریخ کے مطالعہ کا ذرا بھی علم ہے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اس اعتراض میں کہاں تک صداقت ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ یہ حکومتیں اس وقت داخلی انتشار میں مبتلا تھیں، لیکن ساتھ ہی یہ امر بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دونوں سلطنتوں نے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے ہمیشہ بڑی بھاری لشکر روانہ کئے۔ صرف اسی پر بس نہیں بلکہ ان لشکروں کی امداد کے لئے کمک کا سلسلہ بھی برابر جاری رہتا تھا اور یہ لشکر فنون جنگ سے اچھی طرح باخبر اور پوری طرح مسلح اور منظم ہوتے تھے۔

جنگ یرموک کے موقع پر رومیوں نے ڈھائی لاکھ کا لشکر جرار مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے جمع کیا تھا۔ اس سے قبل اتنا عظیم الشان لشکر کب کسی سلطنت نے اپنے مد مقابل کے لئے جمع کیا ہوگا؟ اور انسانوں نے کس موقع پر جنگجوؤں کی اتنی بھاری تعداد اپنی آنکھوں سے دیکھی ہوگی؟ یہ وہ باتیں ایسی ہیں جن میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگرچہ وہ لوگ جو حضرت خالد جیسا عدیم المثال شخص اپنی قوم میں پیدا کرنے سے قاصر رہے ہیں اور جن کی نظروں میں مسلمانوں کی ترقی خار کی طرح کھٹکتی ہے، مسلمانوں کے غلبے، ان کی پے در پے فتوحات اور قلیل ترین مدت میں مسلمانوں کے ہاتھوں ایرانیوں اور رومیوں کی عظیم الشان سلطنتوں اور باجبروت شہنشاہوں کی تباہی سے تو انکار نہیں کر سکتے لیکن ان فتوحات کو وہ ان بظاہر دل خوش کن لیکن خلاف واقعہ عذرات کے پردے میں چھپا دینا چاہتے ہیں۔

واقعات کی ترتیب اور ان کا زمانۂ وقوع

وہ واقعات و حوادث جو بلاد شام میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان پیش آئے، مؤرخین میں ان کے وقوع پذیر ہونے کے بارے میں تو کوئی اختلاف نہیں البتہ ان کی ترتیب میں کافی اختلاف ہے - ذیل میں ہم ان واقعات کی ترتیب کے متعلق مختلف مؤرخین کے اختلافات پر کچھ روشنی ڈالیں گے اور بتائیں گے کہ ہمارے نزدیک کس مؤرخ کی بیان کردہ ترتیب کو ترجیح حاصل ہے -

بلاذری* نے لکھا ہے "خالد دیگر مسلمان قائدین سے بصریٰ میں ملے تھے (یرموک میں نہیں) - ان سرداروں نے اہل بصریٰ سے لڑنے کے لئے متفقہ طور پر حضرت خالد کو اپنا امیر مقرر کیا - بصریٰ کی فتح کے بعد جمادی الاول اور جمادی الثانی ۱۳ ھ میں اجنادین کی جنگ ہوئی جس میں عکرمہ بن ابوجہل، ہبار بن سفیان، سلمہ بن ہشام، عمرو بن سعید بن عاصی، ان کے بھائی ابان اور جندب بن عمرو الدوسی وغیرہم شہید ہوئے - جنگ اجنادین کے بعد یاقوصہ کی جنگ ہوئی جس میں مسلمانوں نے کامیابی حاصل کی - اسی جنگ کے دوران میں حضرت صدیق کی وفات کی خبر پہنچی - اس کے بعد ۲۸ - ذوالقعدہ ۱۳ ھ کو جنگ فحل، محرم ۱۴ ھ میں جنگ مرج الصفر، رجب ۱۴ ھ میں فتح دمشق بعد ازاں فتح حمص اور رجب ۱۵ ھ میں جنگ یرموک واقع ہوئی" -

یعقوبی† لکھتے ہیں "حضرت خالد نے مسلمان قائدین سے مل

* فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۱۹ -

† الیعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۶۰ -

کو شام میں بصریٰ اور فحل اور دمشق میں اجنادین کے مقامات پر فتوحات حاصل کیں ۔ .... جنگ اجنادین ہفتہ کے روز ۲۸ - جمادی الاول ۱۳ ھ کو ہوئی ۔ اس کے بعد مرج الصفر کی جنگ ہوئی ۔ رجب ۱۴ ھ میں دمشق فتح ہوا اور اس کے بعد فحل اور پھر حمص ۔ ان فتوحات کے بعد حضرت ابوعبیدہ واپس ہوئے اور یرموک کے مقام پر ڈیرے ڈالے ، کیونکہ انہیں معلوم ہوا تھا کہ ہرقل نے ان کے مقابلے کے لئے ایک عظیم الشان لشکر جمع کیا ہے ۔ چنانچہ ۱۵ ھ میں جنگ یرموک ہوئی ۔ اس کے بعد حضرت ابوعبیدہ حمص واپس آگئے "۔

طبری نے ابن اسحاق کی بیان کردہ روایت کے ماسوا جو روایات بیان کی ہیں وہ اسی ترتیب سے درج کی ہیں جو ہم اوپر درج کر آئے ہیں ۔ ہمارے نزدیک یہی ترتیب صحیح ہے کیونکہ :—

(۱) بلاذری نے واقعۂ فحل کا ذکر جنگ دمشق سے پہلے کیا ہے لیکن یہ حضرت عمرؓ کے اس خط کے خلاف ہے جس میں آپ نے حضرت ابوعبیدہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی کارروائی دمشق سے شروع کریں کیونکہ وہاں رومیوں نے بڑی طاقت مجتمع کر رکھی ہے ۔

بصریٰ و واقعۂ فحل کے متعلق مؤرخین ہیچ و پیچ میں پڑ گئے ہیں ۔ ایک مرتبہ انہیں جنگ اجنادین سے قبل بیان کرتے ہیں اور دوسری مرتبہ جنگ دمشق کے بعد ۔ جہاں تک ہماری تحقیق کا تعلق ہے کسی مؤرخ نے طبری کی اس رائے سے اختلاف نہیں کیا ۔

طبری نے اس واقعے کا ذکر فتح دمشق کے بعد کیا ہے ۔ یہ جہاں محققوں کی دوسری رائے کے مطابق ہے وہاں حضرت عمر

کے اس خط کے مطابق بھی ہے جو آپ نے حضرت ابوعبیدہ کو لکھا تھا۔ نیز جنگی نقطۂ نگاہ سے بھی یہی قرین قیاس ہے کہ دمشق کی جنگ پہلے ہوئی ہو، کیونکہ یہاں دشمن کی ایک کثیر جمعیت جمع تھی اور کسی دوسری طرف رخ کرنے سے پہلے اسے تباہ و برباد کرنا ضروری تھا۔

(۲) بلاذری نے دو جنگوں کا ذکر کیا ہے: ایک یاقوصہ کی جنگ، جس کے متعلق انہوں نے کہا ہے کہ یہ وہ جنگ تھی جس کے دوران میں حضرت ابوبکر صدیق کی وفات کی خبر آئی تھی، دوسری یرموک کی جنگ۔ ہم نے معجم البلدان اور ان کتب تاریخ کی جو ہماری نظروں میں تھیں، چھان بین کی ہے۔ ہم نے کوئی ایسی کتاب نہیں دیکھی جس میں یاقوصہ اور یرموک کو علیحدہ علیحدہ مقامات کے طور پر پیش کیا گیا ہو۔ سب کتابوں میں یہی مذکور ہے کہ یاقوصہ دریائے یرموک کے کنارے کا نام ہے۔ نہ ہی کسی مؤرخ نے یہ ذکر کیا ہے کہ دریائے یرموک کے کنارے دو مرتبہ جنگ ہوئی تھی۔ البتہ زمانہ حال کے بعض مؤرخین نے یہ لکھا ہے کہ دریائے یرموک کے علاوہ یرموک کے نام سے ایک اور مقام بھی موجود ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو ہوسکتا ہے کہ ان دونوں مقامات پر جنگیں ہوئی ہوں۔ لیکن جب تک اس بارے میں کوئی واضح ثبوت پیش نہ کیا جائے اس وقت تک محض قیافے کی بنا پر ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔

(۳) بلاذری اور یعقوبی نیز طبری نے بھی ابن اسحاق کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ جنگ اجنادین، جنگ دمشق سے پہلے، جمادی الاول یا جمادی الثانی ۱۳ھ میں ہوئی اور جنگ یرموک ۱۵ھ میں۔

اس روایت کے بالکل برعکس طبری نے ایک اور روایت درج کی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جنگ یرموک ۱۳ ھ میں ہوئی اور جنگ اجنادین ۱۵ ھ میں۔

قبل اس کے کہ ہم دونوں جنگوں کی تاریخوں کا تعین کریں چند قابل ذکر امور کا بیان ضروری ہے۔

(الف) وہ شہداء، جن کے متعلق بلاذری نے لکھا ہے کہ وہ جنگ اجنادین میں شہید ہوئے، بعینہ وہی ہیں جن کے متعلق طبری نے لکھا ہے کہ یہ جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔ نیز بلاذری اور یعقوبی کی رائے میں یرموک کے مقام پر مسلمانوں کے اجتماع کا جو سبب تھا، طبری کی رائے میں بعینہ وہی سبب اجنادین کے مقام پر مسلمانوں کے اجتماع کا تھا۔

(ب) مؤرخین اس امر پر متفق ہیں کہ ان دونوں جنگوں میں سے ایک جنگ فتح دمشق سے قبل ہوئی تھی اور ایک جنگ بعد میں۔

(ج) یرموک اور اجنادین دو مختلف مقامات ہیں۔ یرموک غور کی جانب ایک ندی ہے جو دریائے اردن میں گرتی ہے اور اجنادین فلسطین کے ضلع بیت جبرین میں رملہ کے قریب ایک مقام ہے۔

ان امور کے تذکرے کے بعد اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ان واقعات کی اصل ترتیب کیا ہے۔ جہاں تک ہم نے غور کیا ہے جنگ یرموک دمشق کی فتح سے پہلے ہوئی ہے اور اجنادین فتح دمشق کے بعد۔ کیونکہ :—

(۱) حضرت ابوبکر صدیق کے اس خط سے جس میں آپ نے حضرت خالد کو شامی افواج کی مدد کے لئے جانے کا حکم دیا

تھا یہی معلوم ہوتا ہے۔ اس خط میں آپ نے حضرت خالد کو لکھا تھا کہ وہ عراق سے چل کر یرموک میں مسلمان افواج کی مدد کے لئے پہنچیں۔

(۲) یاقوت نے بھی معجم البلدان (جلد ۸ صفحہ ۵۰۴) میں یہی تصریح کی ہے۔

(۳) ان اشعار سے بھی جو قعقاع بن عمرو نے اسلامی فتوحات کے متعلق لکھے ہیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ جنگ یرموک فتح دمشق سے پہلے واقع ہوئی تھی۔ قعقاع کہتے ہیں :-

وجئنا الی بصری و بصری مقیمة
فألقت الینا بالحشا و المعاذر
فضضنـا بها ابوابها ثم قابلت
بنا العیس فی الیرموک جمع العشائر

(ہم بصریٰ پہنچے۔ بصریٰ والے اطمینان سے بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہم پر کوڑا کرکٹ پھینکا۔ لیکن ہم نے اس کے دروازوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس کے بعد ہمیں یرموک کے مقام پر رومیوں کا لشکر جرار ملا)۔

ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ عراق سے آنے والی فوج نے پہلے بصریٰ فتح کیا، اس کے بعد یرموک کے مقام پر رومیوں کو شکست دی۔

(۴) طبری کی بجز اس روایت کے سوا، جو اس نے ابن اسحاق کے حوالے سے بیان کی ہے، باقی روایات میں یہی مذکور ہے کہ جنگ یرموک، فتح دمشق سے پہلے ہوئی۔

(۵) طبری نے واقدی کی اس روایت کو، کہ جنگ یرموک

١٥ ھ میں ہوئی ، ضعیف گردانا ہے* ۔

خود طبری کی اس روایت کے ٹکڑوں میں ، جو اس نے ابن اسحق کے حوالے سے لکھی ہے اور جس میں یہ مذکور ہے کہ جنگ اجنادین ١٣ ھ میں ، فتح دمشق ١٤ ھ میں اور جنگ یرموک ١٥ ھ میں ہوئی ، تضاد پایا جاتا ہے ۔ چنانچہ اس روایت کے شروع میں یہ تصریح ہے کہ حضرت خالد کی معزولی اس وقت ہوئی جب مسلمان ١٤ ھ میں دمشق کا محاصرہ کیے ہوئے تھے لیکن روایت کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ "حضرت عمر حضرت ابوبکر صدیق کے عہد خلافت میں مالک بن نویرہ کے قتل اور بعض دوسرے امور کی وجہ سے ، جو حضرت خالد سے جنگوں کے دوران میں سرزد ہوئے ، حضرت خالد سے ناراض رہے اور جونہی خلافت آپ کے ہاتھ میں آئی آپ نے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت خالد کو معزول کرنے کا حکم صادر کیا" ۔ اس واقعے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خالد کی معزولی حضرت عمر کی خلافت کے شروع میں ، یعنی ١٣ ھ کے نصف میں ہوئی ۔ لیکن روایت کے ابتدائی حصہ میں یہ مذکور ہے کہ آپ کی معزولی ١٤ ھ میں محاصرہ دمشق کے وقت ہوئی ۔

(٦) ابن برہان الدین† لکھتے ہیں کہ " حضرت صدیق نے اس وقت وفات پائی جب مسلمان یرموک میں رومیوں سے جنگ کرنے کی تیاریوں میں مشغول تھے" ۔

(٧) یرموک اردن کے علاقے میں ہے اور اجنادین فلسطین کے علاقے میں ۔ فتح دمشق کے بعد اردن میں مسلمانوں کے پڑاؤ

* الطبری جلد ٤ صفحہ ٥٩ ۔

† السیرۃ الحلبیہ جلد ٣ صفحہ ١٦٣ ۔

پوری طرح جم گئے تھے ، لیکن فلسطین میں کئی شہر مثلاً بیت المقدس وغیرہ ایسے تھے جو بدستور رومیوں کے قبضے میں تھے اور وہاں ان کے بڑے بڑے لشکر موجود تھے ۔ ان شہروں کو مسلمانوں نے بعد میں فتح کیا ۔ قرین قیاس یہی بات ہے کہ رومی لشکر جنگ اجنادین کے بعد مسلمانوں سے مزید مقابلے کے لئے ایسے ہی شہروں میں جمع ہوئے ہوں گے جو ان کے قبضہ میں تھے اور جہاں انہیں فتح کی آمید ہو سکتی تھی ۔ یہ بات بالکل بعید از عقل ہے کہ رومی فلسطین کو چھوڑ کر اردن میں مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لئے آگئے ہوں گے ۔

انہی وجوہات کی بنا پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جنگ یرموک ، جنگ دمشق سے پہلے ہوئی ہے اور جنگ اجنادین جنگ دمشق کے بعد ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اجنادین کے مقام پر دو جنگیں ہوئی ہوں ، ایک جنگ یرموک سے پہلے اور دوسری جنگ دمشق کے بعد ۱۵ ھ میں ۔ بلاذری اور یعقوبی نے پہلی جنگ کا تو ذکر کر دیا لیکن دوسری کا چھوڑ دیا ، حالانکہ یہی وہ جنگ ہے جس میں فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص کے اصلی جنگی جوہر دنیا کے سامنے آئے ۔ شاید یہی وجہ ہے کہ طبری ایک روایت میں تو جنگ اجنادین کا ذکر جنگ یرموک سے پہلے کرتے ہیں لیکن پھر جنگ دمشق کے بعد ایک علیحدہ باب میں خاص طور پر اس جنگ کا حال بیان کرتے ہیں ۔

مؤرخین کی روایات میں اختلاف کی بڑی وجہ غالباً یہ ہے کہ ۱۳ ھ ، ۱۴ ھ اور ۱۵ ھ میں کثرت کے ساتھ جنگیں وقوع پذیر ہوئیں ۔ بعض اوقات ایک ایک وقت میں دو دو جنگیں ہوئیں ۔ ایک راوی نے کسی واقعے کا ذکر دوسرے واقعے سے پہلے کر دیا دوسرے راوی نے دوسرے واقعے کا ذکر پہلے کر دیا ۔ بعد میں جب

وہ لوگ آئے جنہوں نے دونوں راویوں سے روایات لیں ، پر انہوں نے اپنی سمجھ کے مطابق واقعات کو بالکل الگ ترتیب دے دی۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی شہر فتح کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ سے چھوٹ گیا جسے انہیں دوبارہ فتح کرنا پڑا۔ ایک راوی نے پہلی فتح کا ذکر کر دیا اور دوسرے راوی نے دوسری فتح کا حال بیان کر دیا۔ اس طرح روایات میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

حضرت خالد اور حضرت عمر

ان اسباب پر بحث کرنے سے پہلے جو ان دو عظیم قائدین کی باہمی غلط فہمی کا باعث بنے ، بہتر ہے کہ ان دونوں کے اخلاق و عادات کا مختصر سا تذکرہ کیا جائے تا کہ اخلاق و عادات کی روشنی میں اس مخالفت کے اسباب پر بحث کرنی آسان ہو جائے ۔

حضرت عمر کے اوصاف

(۱) آپ اپنے تمام کاموں میں سچائی اور انصاف کو مقدم رکھتے تھے اور دنیا کی کوئی طاقت آپ کو حق اختیار کرنے سے منحرف نہ کر سکتی تھی ۔

(۲) ہر اس چیز کو جس میں اسلام کا فائدہ ، ہو آپ کے نزدیک اولین حیثیت حاصل تھی ۔ یہی وجہ تھی کہ عامۃ المسلمین کی خوشنودی کی خاطر آپ عمال کی ناراضی بھی برداشت کر لیتے تھے ۔

(۳) آپ اپنے عمال پر کڑی نظر رکھتے تھے اور ان کا معمولی سے معمولی کام بھی آپ کی نظروں سے اوجھل نہ رہتا تھا ۔

(۴) آپ کا خیال تھا کہ عمال کو خلیفہ کی اجازت کے بغیر کسی چیز میں تصرف کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے ۔ خصوصاً مالی امور میں تو آپ عمال کی آزاد روی کو بالکل برداشت نہیں کرتے تھے ۔ آپ فرمایا کرتے تھے " میں تو مسلمانوں

کا تجارتی نمائندہ ہوں"۔

(۶) آپ جہاں خود حد درجہ کفایت شعار اور نہایت سادگی پسند انسان تھے وہاں اپنے عمال کے متعلق بھی یہی چاہتے تھے کہ وہ بھی آپ کے نمونے پر عمل کرتے ہوئے کفایت شعاری اور سادگی اختیار کریں۔ آپ کی رائے یہ تھی کہ مسلمانوں کو اپنا اصلی جوہر — سادگی — کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے اور دنیا کی نعمتیں حاصل کرنے کی طرف اپنی توجہات قطعاً مبذول نہیں کرنی چاہئیں، کیوں کہ فراغت اور سکون حاصل ہوتے ہی وہ اپنا اصلی مقصد، اعلاء کلمۃ الحق، بھول جائیں گے۔

حضرت خالد کے بعض اوصاف

(۱) آپ دینی حق بات کو ہمیشہ مقدم رکھتے تھے، البتہ زمانہ جنگ میں آپ سے بعض معمولی فروگذاشتیں سرزد ہو جاتی تھیں۔ مگر اس وقت بھی آپ کو یہی خیال رہتا تھا کہ کوئی کام ایسا نہ ہونے پائے جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے۔ مسلمانوں کا فائدہ ہمیشہ آپ کے مد نظر رہتا تھا۔ اور وہ فروگذاشتیں بھی اسی لئے آپ سے سرزد ہوتی تھیں کہ آپ کو ان میں مسلمانوں کا فائدہ نظر آتا تھا۔

(۲) آپ کی رائے یہ بھی تھی کہ عمال اور امراء کو اپنے کاموں میں کچھ آزادی اور اختیار حاصل ہونا چاہئے۔ بہ الفاظ دیگر یہ ضروری نہ ہونا چاہئے کہ جب تک خلیفہ کی طرف سے کوئی حکم موصول نہ ہو، امیر اپنے اختیار سے کوئی کام نہ کر سکے۔ بلکہ اگر خلیفہ کی طرف سے بروقت کوئی حکم موصول نہ ہو تو امیر کو اپنے اختیار سے بھی بعض احکام صادر کرنے کی

اجازت ہونی چاہئے -

(۳) آپ کے نزدیک دنیوی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے اور عیش و آرام سے زندگی گزارنے میں کوئی حرج نہیں تھا ، بشرطیکہ یہ چیزیں دینی حدود کے اندر رہتے ہوئے اختیار کی جائیں* -

(۴) آپ فوجی آدمی تھے - اس وجہ سے آپ کے مزاج میں قدرے سختی اور خشونت پیدا ہو گئی تھی -

اس مجمل بیان سے معلوم ہو چکا ہو گا کہ گو دونوں میں حق بات اختیار کرنے اور مسلمانوں کے فائدہ کو ہمیشہ مقدم رکھنے کی صفات مشترک تھیں ، تاہم دونوں کی طبائع میں بہت فرق تھا اور دونوں میں اپنی طبیعت کے لحاظ سے کچھ نہ کچھ سختی پائی جاتی تھی - ایسی حالت میں دونوں کے درمیان ٹکراؤ اور اختلاف کا ہونا ایسا عجب نہیں -

رسول اللہ کے زمانے میں نظریات کے ان اختلافات نے بیرونی طور پر کوئی نتیجہ یا اثر پیدا نہیں کیا ، کیونکہ حضور کے زمانے میں یہ سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا کہ کوئی شخص حضور کی رائے کے برخلاف کوئی رائے ظاہر کر سکے - اس زمانے میں ہر شخص کا مدعا اور مقصود یہی تھا کہ دینی اور اور دنیوی ہر قسم کے امور کے متعلق رسول اللہ کی رائے دریافت کرے اور کھلے دل کے ساتھ اسے قبول کرے -

حضرت ابوبکر صدیق کا زمانہ آیا تو اس وقت صحابہ کرام

---

* اسی کا اثر تھا کہ آپ اکثر شان دار حماموں میں غسل کیا کرتے تھے اور ایک مرتبہ اشعث شاعر کو انعام میں دس ہزار درہم دے دئے تھے -

اور دینی حیثیت میں بلند مرتبہ رکھنے والے بزرگوں نے اسی رائے کا اظہار کرنا شروع کیا۔ حضرت عمر کی حیثیت تو حضرت صدیق کے وزیر کی سی تھی۔ حضرت صدیق جو کام کرنا چاہتے، اس کے بارے میں پہلے حضرت عمر سے مشورہ کرتے۔ اس وقت سے حضرت عمر اور حضرت خالد کے درمیان اختلافات شروع ہوئے۔ حضرت خالد سے کئی کام ایسے سرزد ہوئے جنہیں حضرت عمر پسند نہ کرتے تھے۔ لیکن وہ حضرت صدیق کے زمانے میں خالد کو معزول کرانے میں کامیاب نہ ہوسکے، کیونکہ اول تو حضرت صدیق بہت نرم طبیعت کے انسان تھے، اور اپنے عمال کے کاموں میں زیادہ دخل دینے اور ان کی چھوٹی موٹی غلطیوں پر سختی سے احتساب کرنا پسند نہ فرماتے تھے، دوسرے اس نازک وقت میں اسلام کو حضرت خالد کی تلوار کی سخت ضرورت تھی۔ یہ خالد ہی تھے جنہوں نے جزیرہ عرب کے مرتدین کا قلع قمع کیا اور کسریٰ اور قیصر کے ایوانوں کو متزلزل کرکے آئندہ عظیم فتوحات کے لئے راستہ صاف کر دیا۔ حضرت خالد کی معزولی خواہ حضرت صدیق کے زمانے میں ہوتی یا حضرت عمر کے زمانے میں، مناسب نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر کو باوجود حضرت خالد سے اختلاف رکھنے کے آخر کار یہ اعتراف کرنا پڑا کہ خالد کے بارے میں حضرت صدیق نے جو رویہ اختیار کیا تھا وہ بالکل درست تھا۔

حضرت عمر نے خلیفہ ہوتے ہی حضرت خالد کو ان کے عہدے سے معزول کر دیا تھا۔ ذیل میں ہم ان اسباب کا ذکر کرتے ہیں جو مؤرخین کے نزدیک حضرت عمر کی حضرت خالد سے ناراضی اور بالآخر آپ کی معزولی کا باعث ہوئے۔

حضرت عمر کی حضرت خالد سے ناراضی کے اصل اسباب

ابن عساکر اور ابن برھان الدین* لکھتے ھیں کہ اس ناراضی کا اصل سبب یہ تھا کہ بچپن میں ایک دفعہ حضرت عمر اور حضرت خالد میں لڑائی ھو گئی ، جس میں حضرت خالد نے حضرت عمر کی پنڈلی توڑ ڈالی ۔ اس واقعے سے حضرت عمر کے دل میں حضرت خالد کی طرف سے جو غصہ پیدا ھوا وہ آخر وقت تک نہ گیا اور یہی وجہ تھی کہ جب حضرت عمر خلیفہ ھوئے تو سب سے پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ خالد کو معزول کردیا ۔

یہ درست ھے کہ بچپن میں ان دونوں میں جھگڑا ھو جایا کرتا تھا اور واقعی حضرت خالد نے ایک دفعہ حضرت عمر کی پنڈلی بھی توڑ دی تھی ، لیکن اس کا گر کچھ اثر ھو سکتا ھے تو وہ محض وقتی ھو سکتا ھے ۔ ھم یہ بات تسلیم نہیں کر سکتے کہ حضرت عمر کے دل پر یہ واقع ھمیشہ ھمیشہ کے لئے نقش ھو گیا ۔ اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ بڑے ھو کر بھی حضرت عمر کے دل میں یہ بات کانٹے کی طرح کھٹکتی رھی تب بھی اسلام لانے کے بعد اس واقعے کے اثرات کا باقی رھنا کسی صورت میں ممکن نہیں اور کوئی عقل مند شخص جسے اسلام کی ان تاثیرات کا علم ھے جو صحابہ کے دلوں میں اس نے پیدا کر دی تھیں ، یہ بات باور کرنے کے لئے کبھی تیار نہ ھوگا ۔ اسلام نے مومنین کے دلوں سے جاھلیت کے ان پرانے کینوں اور عداوتوں کو یکسر مٹا دیا جو پشتہا پشت سے مختلف قبائل اور اشخاص میں چلی آ رھی تھیں ۔ کیا وہ اس ناراضی کو دور نہ کر

* ابن عساکر صفحہ ۱۰۷ ۔ السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۲۸۶ ۔

سکتا تھا جو محض دو بچوں کے آپس کے معمولی جھگڑے کی وجہ سے ان میں پیدا ہو گئی تھی ؟ اسلام لانے کے بعد تو اگر کوئی شخص اپنے باپ یا بھائی کے قاتل سے بھی ملتا تھا تو نہایت صاف دل ہو کر ملتا تھا اور قاتل کی جانب سے اس کے دل میں کوئی کینہ نہ ہوتا تھا ۔ کیا حضرت عمر ایک عام انسان جتنی قوت برداشت بھی اپنے اندر نہ رکھتے تھے اور محض بچپن کے ایک جھگڑے کی وجہ سے ان کے دل میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حضرت خالد سے عداوت اور بغض و کدورت پیدا ہو گئی ؟ کم از کم یہ وجہ حضرت عمر کے سلسلے میں صحیح نہیں ۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت عمر کے دل میں حضرت خالد کی طرف سے کسی قسم کا کوئی کینہ موجود نہ تھا ۔ جب حضرت خالد اپنی معزولی کے بعد مدینہ تشریف لائے تو حضرت عمر نے فرمایا تھا " خالد ! میں تمہاری بے حد عزت کرتا ہوں اور تم مجھے بے حد محبوب ہو* " ۔

ناراضی کے حقیقی اسباب جو حقیقت کے بھی مطابق ہیں ، تاریخ سے بھی مطابقت رکھتے ہیں اور دونوں کے اخلاق و عادات کے لحاظ سے بھی بعید از قیاس نہیں ۔ مندرجہ ذیل ہیں :—

(۱) حضرت خالد کا مالک بن نویرہ کو قتل کرنا اور اس کی بیوہ سے شادی کر لینا ۔ یہ واقعہ رونما ہونے پر حضرت عمر نے حضرت صدیق سے بھی خالد کو قید کرنے اور معزول کرنے کا مطالبہ کیا تھا ۔ رسول اللہ کے زمانے میں بھی حضرت خالد بنو جذیمہ کو قتل کر چکے تھے ۔ بعد میں جنگ مصیخ کے موقعے پر بھی آپ نے دو ایسے اشخاص کو قتل کر دیا ، جو اسلام

* الطبری جلد ۴ صفحہ ۲۰۵ ۔

لے آئے تھے اور ان کے پاس حضرت صدیق کی مرحمت فرمائی ہوئی تصدیق بھی موجود تھی۔ ان واقعات کے باعث حضرت عمر کی برہمی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

(۲) حضرت خالد بعض اوقات حضرت صدیق کی رائے کے برخلاف بھی کوئی کام کر لیا کرتے تھے۔ حضرت عمر یہ برداشت نہ کر سکتے تھے*۔

(۳) حضرت خالد، حضرت صدیق کو جزیہ، لگان اور دیگر محصولات کا، جو لوگوں سے وصول کئے جاتے تھے، کوئی حساب نہ بھیجتے تھے۔ حضرت صدیق تو در گذر کر جاتے تھے لیکن یہ چشم پوشی حضرت عمر سے بعید تھی۔

(۴) مسلمان، حضرت خالد کی شخصیت پر بھروسہ کر بیٹھے تھے اور اسلامی فتوحات کو ان کی جنگی مہارت پر محمول کرنے لگے تھے۔ عوام کا حضرت خالد پر یہ بھروسہ بھی آپ کو معزول کرنے کا ایک سبب بنا۔ فاروق اعظم لوگوں کو یہ دکھانا چاہتے تھے کہ فتح صرف نصرت خداوندی پر مبنی ہے، خالد کی شجاعت و بہادری پر نہیں۔ اللہ ہر حال میں اپنے دین کی مدد کرے گا خواہ خالد سپہ سالار ہوں یا نہ ہوں۔ حضرت عمر نے خود بھی اپنے ایک خط میں، جو آپ نے مختلف شہروں کے حاکموں اور قائدین کے نام بھیجا تھا، اس چیز کی تصریح کر دی تھی۔ اس خط میں آپ نے فرمایا تھا ”میں نے خالد کو کسی ناراضی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا، بلکہ اس لئے کیا کہ لوگ ان کی وجہ سے فتنہ میں پڑنے لگے تھے۔ مجھے ڈر پیدا ہوا کہ

---

* ابن عساکر صفحہ ۱۳۷۔ الاصابہ جلد اول صفحہ ۹۹۔

کہیں وہ خالد کی ذات پر بھروسہ نہ کرنے لگیں۔ میں چاہتا ہوں کہ لوگ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ جو کچھ کرتا ہے اللہ کرتا ہے۔ بندہ کچھ بھی حیثیت اور اختیار نہیں رکھتا*۔"

معزولی کب ہوئی؟

حضرت خالد کی معزولی کے بارے میں بھی مؤرخین میں اختلاف ہے۔ بعض کا تو یہ خیال ہے کہ معزولی کا حکم اس وقت پہنچا جب مسلمان دمشق کے محاصرے میں مشغول تھے† اور بعض یہ لکھتے ہیں کہ معزولی معرکۂ یرموک کے ابتداء میں ہوئی‡۔

وہ لوگ جن کا خیال یہ ہے کہ حضرت خالد کے پاس محاصرۂ دمشق کے دوران میں معزولی کا حکم پہنچا یہ دلیل دیتے ہیں کہ اس محاصرے کے وقت لشکر کے امیر حضرت خالد تھے اور صلح نامہ انہی کی طرف سے لکھا گیا تھا۔ لیکن یہ دلیل کوئی وزنی دلیل نہیں ہے۔ لشکر کی امارت ان کے سپرد اس لئے کی گئی تھی کہ آپ جیسا جنگی ماہر لشکر اسلام میں اور کوئی نہ تھا اور صلح نامہ آن کی طرف سے اس لئے لکھا گیا تھا کہ آپ صلح نامے اور عہد نامے طے کرنے میں بڑے ماہر تھے۔ صرف اسی پر بس نہیں بلکہ ان میں سے ایک فریق تو یہ کہتا ہے کہ

* الطبری جلد ۴ صفحہ ۲۰۶۔

† الطبری بروایت ابن اسحاق جلد ۴ صفحہ ۵۵ - بلاذری صفحہ ۱۲۱۔

‡ طبری کی زیادہ تر روایات میں یہی مذکور ہے۔ ابن اثیر بھی یہی لکھتے ہیں۔

مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ حضرت صدیق کی وفات سے صرف ۲۰ روز قبل کیا تھا ۔ لیکن یہ روایت قطعاً ناقابل اعتبار ہے ۔ بعض لوگ معزولی کا ذکر ہی اس طور پر کرتے ہیں کہ گویا انہیں خود اس پر اعتبار نہیں ہے ۔ چنانچہ بلاذری اس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابو عبیدہ کے لئے شام کی ولایت سنبھالنے کا حکم محاصرۂ دمشق کے دوران میں آیا لیکن حضرت خالد نے اس حکم کو چھپائے رکھا"۔ بعض لوگوں نے اس سلسلے میں جو روایت بیان کی ہے اس کے حصے ہی ایک دوسرے سے مختلف ہیں ۔ یعنی روایت کے شروع میں یہ بیان ہے کہ حضرت خالد کو ۱۴ ھ میں محاصرۂ دمشق کے موقعے پر معزول کیا گیا لیکن روایت کے آخر میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمر نے خلافت سنبھالتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت خالد کی معزولی کا حکم روانہ کیا ۔

ہم اس معاملے میں دوسرے فریق کے ساتھ ہیں جو یہ کہتا ہے کہ حضرت خالد کی معزولی جنگ یرموک کے موقعے پر ہوئی ۔ اپنی تائید میں ہم دو قسم کے دلائل پیش کرتے ہیں : اول ، ٹھوس تاریخی شہادتیں، دوئم ، ایسے تاریخی واقعات جن پر معمولی غور و فکر کرنے سے اصل حقیقت سامنے آجاتی ہے ۔

ٹھوس تاریخی شہادتیں

(۱) طبری کی اکثر روایات میں یہی مذکور ہے کہ حضرت خالد کو جنگ یرموک کے موقعے پر معزول کیا گیا ۔ چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے "مسلمان واقوصہ کے مقام پر تھے ......

وہاں حضرت ابوعبیدہ کو یہ خبر ملی کہ حضرت صدیق کی وفات ہو گئی ہے ، نیز شام کی تمام فوجوں کا سپہ سالار مقرر کیا تھا اور خالد بن ولید کو معزول کر دیا گیا ہے * "۔

(۲) ابن اثیر یرموک کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں "وہیں (یرموک میں) قاصد حضرت صدیق کی وفات کی خبر اور حضرت ابوعبیدہ کی امارت کا حکم لایا † "۔

(۳) معجم البلدان میں اس مقام پر جہاں یرموک کا ذکر آیا ہے ، لکھا تھا "اس روز قاصد حضرت صدیق کی وفات اور حضرت عمر کی خلافت کی خبر اور تمام شام کے لئے حضرت ابوعبیدہ کی امارت اور حضرت خالد کی معزولی کے احکامات لایا ‡ "۔

(۴) مؤلف کتاب السیرۃ الحلبیہ نے لکھا ہے "جب حضرت ابوبکر صدیق نے وفات پائی تو مسلمان یرموک میں جنگ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے .... جب حضرت عمر نے خلافت سنبھالی تو آپ نے حضرت خالد کی معزولی اور اسلامی لشکر پر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی امارت کے احکامات لکھے اور ایک قاصد کو شام کی جانب بھیجا ۞ "۔

تاریخی واقعات

(۱) جمہور مؤرخین کے نزدیک خلافت سنبھالنے کی

---

* الطبری جلد ۴ صفحہ ۵۵ و ۳۶ و ۳۸ ۔

† ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۸۳ ۔

‡ معجم البلدان جلد ۸ صفحہ ۵۰۳ ۔

۞ السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۱۶۳ ۔

حضرت عمر نے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت خالد کی معزولی اور ان کی جگہ حضرت ابو عبیدہ کو سپہ سالاری کے فرائض سونپنے کے احکام جاری کئے*۔ جیسا ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں سب سے پہلی جنگ جو حضرت عمر کے زمانۂ خلافت میں لڑی گئی وہ جنگ یرموک تھی۔ اس صورت میں لازماً یہی ماننا پڑے گا کہ حضرت خالد کو معزولی کا حکم جنگ یرموک میں ملا۔

(۲) یعقوبی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر نے اپنے غلام یرفاً کے ہاتھ حضرت ابوبکر صدیق کی وفات کی خبر اور شداد بن اوس کے ہاتھ حضرت ابوعبیدہ کو خالد کی جگہ شام کا امیر اور سپہ سالار بنانے کا حکم بھیجا۔ یعقوبی نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ وہ جنگ جس کی تیاری حضرت صدیق کے زمانے میں کی گئی اور جس کا اختتام حضرت عمر کے عہد میں ہوا وہ جنگ یرموک تھی†۔ اس صورت میں یہی ماننا پڑے گا کہ آپ کی معزولی جنگ یرموک کے موقعے پر ہوئی۔

(۳) ابن اثیر لکھتے ہیں کہ ”(خلافت ملنے کے بعد) سب سے پہلا خط جو حضرت عمر نے لکھا وہ حضرت ابوعبیدہ کے نام تھا جس میں آپ نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ خالد کے لشکر کی کمان بھی اپنے ہاتھ میں لے لیں...... سب سے پہلی بات جو خلیفہ ہونے کے بعد آپ نے کی وہ بھی حضرت خالد کی معزولی کے بارے میں تھی‡“۔

---

* الطبری جلد ۴ صفحہ ۵۴ و ۵۶ - یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ - ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۹۳ -

† یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ -

‡ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۹۳ -

(۴) حضرت صدیق نے جس خط میں حضرت خالد کو اسلامی لشکروں کی امداد کےلئے سام جانے کا حکم دیا تھا اس میں لکھا تھا کہ تم اپنی فوجوں کو لے کر عراق سے چلو اور یرموک پہنچ کر اسلامی افواج سے مل جاؤ* ۔ اس خط سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت خالد کو مسلمانوں کی امداد کے لئے یرموک بھیجا گیا تھا ۔ جنگ یرموک حضرت ابوبکر صدیق کی وفات کے بعد اور حضرت عمر کے عہد کے آغاز میں ہوئی ۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے حضرت عمر کا اپنے عہد کا پہلا کام حضرت خالد کی معزولی تھا ۔ اس صورت میں معزولی جنگ یرموک کے دوران ھی میں ماننی پڑے گی ۔

تاریخ سے معلوم ھوتا ھے کہ حضرت عمر نے حضرت خالد کو کم از کم دو مرتبہ ان کے عہدوں سے معزول کیا ۔ پہلی بار جنگ یرموک کے موقع پر آپ کو اس عراقی لشکر کی قیادت سے معزول کیا جو آپ کے ساتھ عراق سے شام آیا تھا اور حضرت ابوعبیدہ کو ان تمام افواج کا جو مختلف امراء کی زیر سرکردگی سام میں موجود تھیں سپہ سالار اعظم مقرر کر کے حضرت خالد کو ان کے ماتحت کر دیا ۔ بعد میں جب قنسرین فتح ھوا تو حضرت عمر نے انہیں وھاں متعین کر دیا (گو وھاں بھی آپ حضرت ابوعبیدہ کے ماتحت ھی تھے) کچھ عرصے بعد انہیں وھاں سے بھی معزول کر دیا گیا ۔

یہ واقعہ اس طرح ظہور پذیر ھوا کہ جب حضرت عمر بیت مقدس تشریف لائے تو قنسرین سے حضرت خالد آپ سے ملنے کے لئے جابیہ پہنچے ۔ حضرت عمر کے واپس تشریف لے جانے کے

* طبری جلد ۴ صفحہ ۲۶ و ۳۰ ۔ ابن عساکر صفحہ ۲۰۷ ۔

بعد آپ وہاں سے بہت سا مال لے کر قنسرین واپس پہنچے ۔ تمام شہر میں یہ شہرت ہوئی کہ خالد بہت سا مال و اسباب لے کر آئے ہیں تو ایک شاعر اشعث بن قیس کے منہ میں پانی بھر آیا اور اس نے آپ کی تعریف و توصیف میں ایک قصیدہ لکھ کر آپ کو جا سنایا ۔ آپ نے اسے دس ہزار درہم مرحمت فرمائے ۔ حضرت عمر سے یہ بات کب پوشیدہ رہ سکتی تھی ۔ آپ نے حضرت ابو عبیدہ کو ایک خط لکھا جس میں انہیں حکم دیا کہ یہ خط پہنچتے ہی خالد کے سر سے ان کی ٹوپی اتار لیں اور عمامہ ان کی گردن میں ڈال دیں اور ان سے دریافت کریں کہ اشعث کو رقم انہوں نے کہاں سے دی ہے ؟ اگر مسلمانوں کے مال سے دی ہے تو خیانت کی ہے اور اگر اپنے پاس سے دی ہے تو اسراف کیا ہے ۔ اس لئے دونوں حالتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں ۔ انہیں معزول کر کے ان کا کام وہ خود سنبھال لیں ۔

حضرت ابو عبیدہ نے اور باتوں میں تو خلیفہ کے حکم کی تعمیل کر دی لیکن حضرت خالد کو یہ نہ بتایا کہ انہیں معزول کیا جا چکا ہے ۔ حضرت خالد ابھی اسی شش و پنج میں مبتلا تھے کہ آیا واقعی انہیں معزول کیا جا چکا ہے یا وہ بدستور اپنے عہدے پر قائم ہیں ۔ جب حضرت خالد مدینہ نہ پہنچے تو حضرت عمر کو یہ خیال ہوا کہ ہو نہ ہو ابو عبیدہ نے خالد کو ان کی معزولی کی اطلاع نہیں دی ہے ۔ جس پر آپ نے ایک خط بھیج کر حضرت خالد کو مدینہ طلب کیا ۔ حضرت خالد یہ خط لے کر ابو عبیدہ کے پاس پہنچے ۔ اس وقت حضرت ابو عبیدہ نے کہا کہ میں اب تک آپ کو رنج پہنچانا نہ چاہتا تھا ۔ لیکن یہ بات یہی ہے کہ میرے پاس آپ کو معزول کرنے کا حکم آیا تھا ۔ حضرت خالد ، حضرت ابو عبیدہ سے رخصت ہو کر قنسرین

پہنچے اور انہیں رخصت کرنے کے بعد ایک خطبہ دیا۔ وہاں سے وہ حمص پہنچے، وہاں بھی ایک خطبہ دیا۔ حمص سے مدینہ کا رخ کیا۔ مدینہ پہنچ کر جب حضرت عمر سے ملے تو آپ نے ان سے شکایت کی کہ آپ نے میرے معاملے میں زیادتی سے کام لیا ہے۔ حضرت عمر نے پوچھا ''تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی؟''۔ حضرت خالد نے جواب دیا ''مال غنیمت کے حصوں سے''۔ یہ کہہ کر فرمایا کہ اگر میرے پاس ساٹھ ہزار درہم سے زیادہ رقم نکلے تو میں وہ آپ کے حوالے کرتا ہوں''۔ چنانچہ بیس ہزار درہم زائد نکلے جو حضرت عمر نے بیت المال میں داخل کر دئے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا ''خالد! اللہ کی قسم تم مجھے نہایت عزیز اور محبوب ہو۔ آج کے بعد میں تم پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا*''۔ یہ کہہ کر آپ نے تمام ممالک میں یہ فرمان بھیج دیا کہ ''میں نے خالد کو کسی ناراضی یا ان کی خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا بلکہ صرف اس لئے معزول کیا کہ لوگ ان کی وجہ سے فتنہ میں پڑنے جا رہے تھے''۔

حضرت خالد کے مدینہ تشریف لانے پر حضرت عمر نے یہ بھی فرمایا تھا:

صنعت فلم یصنع کصنعک صانع
وما یصنع الاقوام فاللہ یصنع†

تم نے جو جو کارہائے نمایاں سر انجام دئے اور جو کچھ کیا، ویسے کسی نے نمایاں نہیں کئے لیکن حق بات یہ ہے کہ قومیں کچھ نہیں کیا کرتیں، جو کچھ کرتا ہے

* الطبری جلد ۵ صفحہ ۲۰۴۔ ابن عساکر صفحہ ۱۰۱۔
† الطبری جلد صفحہ ۲۰۶۔

عنہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے)۔

مدینہ سے حضرت خالد حمص واپس چلے گئے اور وہیں رہائش اختیار کر لی۔ آپ کی وفات بھی حمص ہی میں ہوئی*۔

حضرت خالد کی معزولی کا اثر، حضرت عمر کے دل پر

خواہ حضرت خالد کی معزولی کا کوئی سبب بھی کیوں نہ ہو، تاہم حضرت عمر صدق دل سے یہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ دینی نقطۂ نگاہ سے بالکل ٹھیک ہے اور اسی میں مسلمانوں کا فائدہ بھی مضمر ہے۔

معزولی کا اثر، حضرت خالد کے دل پر

اس معزولی سے حضرت خالد کے عزم و ارادہ اور قوت و طاقت میں کسی قسم کا فرق نہیں پڑا۔ آپ دین کی حمایت کے لئے بدستور سرگرم عمل اور اعلاء کلمۃ الحق کے لئے بدستور کوشاں رہے۔ حضرت عمر کی طرف سے کسی قسم کا کینہ اور غصہ آپ کے دل میں پیدا نہیں ہوا۔ معزولی کا حکم عین اس وقت پہنچا تھا جب میدان کارزار گرم تھا۔ ایسے موقع پر جب کوئی رنجدہ خبر موصول ہو تو فطری طور پر انسان میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے لیکن آپ کسی قسم کی کمزوری دکھائے بغیر برابر دشمن کے مقابلے میں مصروف عمل رہے اور اس وقت تک دم نہ لیا جب تک مکمل فتح حاصل نہ کر لی۔ بعد میں بھی آپ نے قربانی کا ایسا بے نظیر نمونہ پیش کیا جو رہتی دنیا

* ابن عساکر صفحہ ۱۲۷ و ۱۳۰۔

تک یاد کرتے رہے گا۔ گو بعد کی جنگوں میں آپ کی حیثیت محض ایک سپاہی کی تھی جو اپنے افسر کے حکم کے مطابق لڑ رہا ہو لیکن ان جنگوں میں بھی آپ نے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دئیے کہ خود حضرت عمر کو آپ کی جنگی مہارت اور امارت کے لئے آپ کی اہلیت کا اعتراف ان الفاظ میں کرنا پڑا "خالد نے اپنے کارناموں سے خود ہی اپنے آپ کو سپہ سالار بنا لیا"۔ حضرت عمر جیسے شخص کی زبان سے حضرت خالد کی اس سے زیادہ تعریف اور کیا ہو سکتی ہے۔

امراء کے دلوں پر معزولی کا اثر

حضرت خالد کی معزولی ایسی بات نہ تھی جو امراء اور قائدین کے دلوں سے آپ کی قدر و منزلت اور عظمت کم کر دیتی۔ معزولی کے بعد بھی آپ کی وہی عزت اور وقعت باقی رہی جو معزولی سے پہلے تھی۔ دوران جنگ میں جب کوئی نازک مرحلہ پیش آجاتا اور دشمن کا لشکر کسی طرح زیر نہ ہو سکتا تو تمام امراء مشورے کے لئے حضرت خالد ہی کے پاس حاضر ہوتے اور آپ کی بتائی ہوئی تدابیر کے مطابق عمل کرتے تھے۔ گو امارت اور قیادت کا ظاہری نشان تو آپ کے پاس نہ تھا لیکن اس کے اثرات کسی موقع پر بھی زائل نہ ہو سکے۔

لشکریوں کے دلوں پر معزولی کا اثر

مسلمان دوسرے قائدین کے مقابلے میں آپ کی فوج میں شریک

ہو کر دشمن سے مقابلہ کرنے کو زیادہ ترجیح دیتے تھے۔ معزولی کے بعد بھی ہر شخص خواہ وہ پہلے آپ کی فوج میں شامل رہا ہو یا نہ رہا ہو، آپ کی اطاعت کے لئے بے چین نظر آتا تھا۔ فوج کے ہر دستے کی یہی خواہش ہوتی تھی کہ حضرت خالد اسی میں شامل ہوں تا کہ وہ آپ کے حسن تدبیر، اصابت رائے اور فنون جنگ میں مہارت کی بدولت جنگ میں زیادہ سے زیادہ سرخروئی حاصل کر سکے۔

صحابہ کے دلوں پر معزولی کا اثر

اس میں کوئی شک نہیں کہ جلیل القدر اور کبار صحابہ دل سے یہی چاہتے تھے کہ حضرت خالد امارت کے عہدے پر بدستور برقرار رہیں اور انہیں حضرت عمر کی خوشنودی بھی اسی طرح حاصل رہے جس طرح انہیں حضرت صدیق کی خوشنودی حاصل تھی۔ وہ حضرت خالد کے بے نظیر کارناموں سے اچھی طرح واقف تھے اور ان کی خواہش تھی کہ اللہ کی تلوار کفار کے سروں پر بدستور مسلط رہے۔

ناراضی اور اختلاف کا اختتام

شروع میں حضرت عمر اور حضرت خالد کے درمیان جو ناراضی اور اختلاف پایا جاتا تھا وہ بالآخر دونوں جانب سے محبت اور اخلاص پر مختتم ہوا۔ دونوں نے یہ اعتراف کر لیا کہ ہر شخص اپنے موقف میں حق پر تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اختلاف دنیوی یا شخصی وجوہات سے نہیں تھا بلکہ

بعض [illegible] کی وجہ سے [illegible] بعد میں حضرت عمر خود بھی اس پر پشیمان ہوئے۔ جب حضرت خالد کی وفات ہوئی اور ان کے ترکے میں سوائے ان کے گھوڑے، ہتھیاروں اور ایک غلام کے اور [illegible] نہ نکلا تو حضرت عمر نے فرمایا "اللہ ابوسلیمان پر رحم کرے۔ [illegible] [illegible] [illegible] ہوتے ہوں گے"۔ اسی طرح جب حضرت خالد [illegible] لائے اور حضرت عمر کی خدمت میں [illegible] [illegible] ان سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا "[illegible]! اللہ کی قسم [illegible] عزیز اور محبوب تھے۔ [illegible] کبھی ناراض نہیں ہوں گا"۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کا دل بالآخر حضرت خالد کی طرف سے بالکل صاف ہو گیا تھا اور انہوں نے [illegible] بلکہ ان پر کبھی ناراض نہ ہونے کا عہد بھی کیا۔

اسی طرح جب حضرت عمر پر قاتلانہ حملہ کیا گیا اور آپ کو بچنے کی امید نہ رہی تو لوگوں نے کہا "اگر آپ [illegible] عمر [illegible] بعد میں [illegible] کے لیے [illegible]"۔ آپ نے فرمایا "اگر [illegible] حالات [illegible] پھر جب میں [illegible] حضور [illegible] اور وہ مجھ سے پوچھتے کہ اے عمر! [illegible] تو میں عرض کرتا [illegible]! میں نے [illegible] اور [illegible] فرماتے [illegible] کہ [illegible] سنا ہے کہ [illegible] اللہ کی [illegible] میں سے ایک

* [illegible] صفحہ [illegible]

تلوار ہیں جسے اس نے مشرکوں پر مسلط کیا ہے*"۔

حضرت خالد کی وفات پر حضرت عمر کو سخت صدمہ ہوا اور آپ نے فرمایا "خالد کے مرنے سے اسلام کی فصیل میں ایک ایسی دراڑ پڑ گئی ہے جو کبھی پر نہ کی جاسکے گی۔ کاش اللہ ان کی عمر اور لمبی کر دیتا†"

ہشام بن بختری بنو مخزوم کے چند لوگوں کے ساتھ حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے کہا "تم نے خالد کے بارے میں جو اشعار کہے ہیں وہ سناؤ۔ ہشام نے وہ اشعار آپ کو سنائے لیکن آپ کو وہ پسند نہ آئے۔ آپ نے فرمایا :

"تم نے ابو سلیمان (حضرت خالد) کی قرار واقعی تعریف و توصیف نہیں کی۔ وہ چاہتے تھے کہ شرک کو کلی طور پر نیست و نابود کردیں۔ انہوں نے اپنی زندگی نہایت اچھے طریقے پر گزاری۔ وہ اپنی مثال آپ تھے اور زمانہ ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے"۔ اس کے بعد آپ نے بنو تمیم کے ایک شاعر کے یہ اشعار پڑھے :

"اس شخص سے جو جانے والے کی مخالفت پر کمر بستہ تھا کہہ دو کہ اگر تمہیں اپنے اوپر اتنا ہی ناز ہے تو اس جیسے کارنامے تو کر کے دکھاؤ۔ اس شخص کی زندگی، زندگی کہلانے کی مستحق نہیں جو دوسروں کے پس‌خوردہ پر گزارہ کرتا ہے اور وہ موت موت نہیں جس کے بعد انسان زندگی‌ٔ جاودانی

* ابن عساکر صفحہ ۱۳ے۔
† ابن عساکر صفحہ ۱۳ے۔

حاصل کرلے*"۔

جس طرح حضرت عمر اس رائے پر جو انہوں نے حضرت خالد کے بارے میں رکھی تھی نادم تھے اور انہوں نے آپ کی فضیلت اور کارناموں کا کھلے دل سے اعتراف کر لیا تھا اسی طرح حضرت خالد نے بھی یہ اعتراف کر لیا تھا کہ حضرت عمر نے جو کچھ کیا وہ محض اللہ کی خاطر اور مسلمانوں کے فائدے کے لئے کیا۔ مرض الموت میں حضرت ابوالدرداء، حضرت خالد کی عیادت کے لئے آئے۔ باتوں باتوں میں حضرت خالد نے کہا "اے ابوالدرداء! اگر عمر وفات پا گئے تو تمہیں بہت سے ناخوشگوار امور دیکھنے پڑیں گے"۔ حضرت ابوالدرداء نے کہا "آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ میرا بھی یہی خیال ہے"۔ حضرت خالد نے کہا "مجھے کئی باتوں کے متعلق رنج ہوا لیکن جب میں نے اس مرض میں ان پر ٹھنڈے دل سے غور کیا تو مجھے معلوم ہو گیا کہ عمر نے جو کچھ کیا وہ محض اللہ کی خوشنودی کی خاطر کیا۔ ایک تو مجھے اس واقعے کے متعلق رنج تھا جب عمر نے میرا مال مجھ سے لے کر لوگوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ لیکن میں دیکھتا ہوں یہ صرف مجھ پر ہی منحصر نہیں، انہوں نے کئی سابقون الاولون اور بدری صحابہ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا†۔ مجھے اس بات پر بھی رنج تھا کہ وہ مجھ سے درشتی سے پیش آئے۔ لیکن اس میں بھی میں منفرد

* ابن عساکر صفحہ ۲۱۶۔

† حضرت علی نے سعد بن ابی وقاص، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت عمرو بن العاص اور حضرت ابو ہریرہ کے اموال بھی اسی طرح ضبط کر لئے تھے۔ العقد الفرید جلد اول صفحہ ۱۵ و ۱۶۔

نہیں تھا ۔ اور بھی کئی لوگوں پر انہوں نے سختی کی اور ان کے ساتھ وہ درشتی سے پیش آئے ۔ مجھے یہ خیال تھا کہ وہ میرے قریبی رشتے دار ہیں اس لئے میرا لحاظ کریں گے ۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ وہ دینی اور دنیوی امور میں قریبی اور غیر قریبی کسی شخص کی پروا نہیں کرتے اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتے ۔ جب یہ باتیں میرے ذہن میں آئیں تو سارا رنج اور تمام وہ کدورت جو میرے دل میں عمر کی طرف سے تھی یکسر کافور ہو گئی "۔

حضرت خالد کی ان باتوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے متعلق حضرت عمر کے سلوک کو نہ صرف جائز ہی سمجھتے تھے بلکہ آپ کے دل میں جو کچھ کدورت ان کے متعلق تھی وہ بھی آپ نے بالکل باہر کی تھی اور کھلے دل سے یہ اعتراف کر لیا تھا کہ حضرت عمر ایسے شخص نہیں جو محض قرابت کی بنا پر کسی شخص کا لحاظ کریں یا کسی ملامت گر کی پروا کریں ۔ انہی باتوں کے دوران میں آپ نے یہ بھی فرمایا "اسلام کو بہترین مدد عمر بن الخطاب کے ذریعے ملی ہے* "۔

حضرت عمر کے عدل و انصاف پر آپ کو اس درجہ یقین تھا کہ جب آپ دنیا سے رخصت ہونے لگے تو یہ فرمایا کہ میرا ترکہ اور میری وصیت عمر بن الخطاب کے پاس پہنچا دی جائے تا کہ وہ اس کا نفاذ کر سکیں† ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے یہی اخلاق تھے

---

* ابن عساکر صفحہ ۱۲ء ۔

† ابن عساکر صفحہ ۱۲ء ۔ الاستیعاب جلد اول ۱۵۷ء ۔ ابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۱۰۳ ۔ الاصابہ جلد اول صفحہ ۱۰۰ ۔

کہ جب ان کی بھتیجی ... مسلمان ہوئی تو انہیں ... عملی باتوں کو ... شکل ... ان کی تمام کوششیں محض اللہ کی رضا اور حق و انصاف کی خاطر تھیں اور دوستوں بھی۔

حضرت خالدؓ کا دینی مرتبہ

اسلام لانے کے بعد حضرت خالدؓ کی ساری جد و جہد اور سعی و کوشش اسلام کے جھنڈے کو بلند رکھنے اور اسلام کو بلند کرنے کی خاطر صرف ہوتی رہی۔ آپ نے اپنی جان اور مال اللہ کے راستے میں اور دین کی سربلندی اور مسلمانوں کی امداد کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اب دین کا علم حاصل کرنے اور تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی گزارنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔ حضرت ابن عباس حضرت خالد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ رسول اللہ کے ساتھ حضرت میمونہ کے گھر میں داخل ہوئے۔ وہاں گوہ کا بھنا ہوا گوشت لایا گیا۔ رسول اللہ نے اسے کھانے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا تو کسی نے حضور سے عرض کیا کہ یہ گوہ کا گوشت ہے جس پر حضور نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ خالد نے عرض کیا "حضور! کیا یہ حرام ہے"؟ حضور نے فرمایا "حرام تو نہیں چونکہ یہ میری قوم کی سرزمین (مکہ) میں نہیں پایا جاتا اس لئے مجھے یہ پسند نہیں آتا"۔ خالد کہتے ہیں "حضور کے یہ فرمانے پر میں نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا اور کھانا شروع کیا۔ حضور میری طرف دیکھتے رہے"۔*

لیکن حضرت خالد بہت بعد میں اسلام لائے تھے اور اسلام

* ابن عساکر صفحہ ۶۱۷ ۔ اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۳ ۔

لانے کے بعد وہ جنگوں اور جہاد میں مشغول ہو گئے اس لئے دین میں غور و فکر کرنے، اس میں تبحر حاصل کرنے اور قرآن کریم اور احادیث سیکھنے کے لئے وہ زیادہ وقت نہ نکال سکے۔ ابن عساکر بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حیرہ میں حضرت خالد نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ دوران نماز میں ایک ہی سورۃ آپ نے بار بار پڑھی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا "جہاد نے مجھے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے سے محروم رکھا*" ابن حجر نے اصابہ میں یہ الفاظ اس طرح بیان کئے ہیں "جہاد نے مجھے تعلیم قرآن کے بڑے حصے سے محروم رکھا†۔"

آپ نے پے درپے جنگوں میں شرکت کرنے کے باوجود احادیث نبوی کا کچھ نہ کچھ حصہ محفوظ کر لیا اور جہاں تک ہوسکا ان کی اشاعت کی۔ آپ سے اٹھارہ احادیث مروی ہیں۔ ایک حدیث متفق علیہ ہے جسے بخاری اور مسلم دونوں نے بیان کیا ہے اور ایک میں بخاری منفرد ہیں۔ علامہ ابن حجر نے اپنی کتابوں، اصابہ اور تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ حضرت خالد سے ابن عباس، جابر بن عبداللہ، مقدام بن معدیکرب، قیس بن ابی حازم، اشترنخعی، علقمہ بن قیس، جبیر اور ابوالعالیہ وغیرہم نے احادیث لی ہیں‡۔

* ابن عساکر صفحہ ۲۰۷۔

† الاصابہ جلد اول صفحہ ۴۱۴۔

‡ ابن اثیر نے اسدالغابہ (جلد ۲ صفحہ ۱۰۴)۔ میں ابن حجر کے بیان کردہ لوگوں کے علاوہ ابو امامہ بن سہیل بن حنیف کا نام بھی بیان کیا ہے۔ ابن عساکر (صفحہ ۶۸۶) میں بھی یہ نام درج ہیں۔

جہاں تک فقہ میں ان کی دسترس کا تعلق ہے مؤرخین لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت خالد حمام میں داخل ہوئے ۔ آپ نے جسم کو ایک ایسے کھردرے پتھر سے رگڑا جسے مٹی میں شراب ملا کر اور پھر اسے آگ میں پکا کر تیار کیا گیا تھا ۔ جب حضرت عمر کو اطلاع ملی تو آپ نے انہیں لکھا "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے شراب سے تیار کئے ہوئے پتھر کو اپنے جسم پر ملا ۔ اللہ نے شراب کے ظاہر اور باطن کو اسی طرح حرام کیا ہے جس طرح اس نے ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے گناہوں کو حرام کیا ۔ اللہ نے شراب کے چھونے کو بھی حرام قرار دیا ہے چہ جائیکہ اس سے غسل کیا جائے ۔ آئندہ سے شراب کو اپنے جسم سے کبھی مس نہ کرنا کیوں کہ وہ نجس ہے ۔ تم نے غلطی سے ایسا کر لیا ہے ۔ آئندہ ایسا کبھی نہ کرنا" ۔

حضرت خالد نے جواب میں لکھا "ہم نے اس مٹی کو آگ میں پکا کر اس سے شراب کی خاصیتیں قطعاً دور کر دی تھیں اس لئے اس سے جسم صاف کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا" ۔

ایک فقہی معاملہ میں ان کا حضرت عمر کو جواب دینا اور شرب کی اس طرح تفریق کرنا کہ اگر وہ اپنی اصل شکل میں اسی شدت اور نشہ پیدا کرنے والی حالت میں ہو تو حرام ہے لیکن جب اس سے یہ صفت زائل ہو جائے تب اسے شراب کا نام نہیں دیا جا سکتا ، یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ دینی امور میں گہری نظر رکھنے والے شخص تھے ۔ گو یہ بات ضرور ہے کہ فقہ میں ان کا پایہ حضرت ابن عباس ، حضرت ابن مسعود اور ان جیسے اہل علم اور فقیہ لوگوں جتنا نہیں ہے ۔ دینی امور میں ان کی

* طبری جلد ۴ صفحہ ۲۰۴ ۔ ابن عساکر صفحہ ۲۰۹ ۔

کا حقہ واقفیت کا ثبوت اس واقعے سے بھی ملتا ہے کہ رسول اللہ نے بنو الحارث بن کعب تک اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے حضرت خالد کو نجران بھیجا تھا ۔ جب وہ لوگ اسلام لے آئے تو حضور نے آپ کو یہ حکم بھی دیا کہ ان میں رہ کر انہیں شریعت اسلام اور دینی امور کی تعلیم دیں ۔ یہ کسی صورت بھی باور نہیں کیا جا سکتا کہ رسول اللہ نے تبلیغ اسلام کرنے اور دینی امور کی تعلیم دینے کے لئے کسی ایسے شخص کو بھیجا ہو گا جسے خود اسلامی عقائد و اعمال اور دینی امور سے واقفیت حاصل نہیں تھی ۔ آپ نے جن لوگوں کو بھی اس اہم فریضے کی ادائیگی کے لئے روانہ فرمایا وہ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے ہر طرح اہل تھے اور حضرت خالد بھی انہی میں سے ایک تھے ۔

حضرت خالد کے اوصاف و اخلاق

اس ضمن میں ہم بعض ایسے بڑے بڑے لوگوں کے اقوال درج کرتے ہیں جنہوں نے آپ کی زندگی کے ہر پہلو کا اچھی طرح مشاہدہ کیا تھا ، ان عظیم لوگوں کے اقوال سے آپ کے اخلاق و عادات کی صحیح اور روشن تصویر سامنے آجائے گی ۔ یہ لوگ آپ کے ہم عصر تھے اور انہوں نے آپ کے متعلق جو کچھ کہا وہ اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر کہا ۔ اس لئے ان کے اقوال ایک قطعی فیصلے کا درجہ رکھتے ہیں ۔

رسول اللہ آپ کے متعلق فرماتے ہیں ”خالد کو تکلیف نہ دو کیونکہ وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جسے اللہ نے کافروں پر گرایا ہے*“۔

* الاستیعاب جلد اول صفحہ ۱۶۸ ۔ ابن عساکر صفحہ ۷۹۹۔

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا "یہ اللہ کے بندوں میں کیا خوب آدمی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جسے اس نے کفار اور منافقین پر کھینچا ہے|۔"

حضرت ابوبکر صدیق کو جب الیس اور امغیشیا کے معرکوں کے دوران میں آپ کے کارناموں کا حال معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا "اے گروہ قریش! تمہارے شیر نے ایک شیر پر حملہ کر دیا اور اس کے چنگل میں گھس کر اس کو مغلوب کر دیا۔ اب عورتیں خالد جیسا بہادر پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔"

جب حضرت عمر نے حضرت خالد کو معزول کرنے پر اصرار شروع کیا تو حضرت صدیق نے فرمایا "میں اس تلوار کو ہرگز نیام میں نہ ڈالوں گا، جسے اللہ نے کفار پر مسلط کیا ہوا ہے‡۔"

خود حضرت عمر نے قنسرین کی فتح کا حال سن کر فرمایا "اس کارنامے سے خالد نے خود ہی اپنے آپ کو امیر بنا لیا۔ اللہ ابوبکر پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے☼"۔

آپ نے حضرت خالد کی وفات کی خبر سنی تو فرمایا "اسلام کی فصیل میں ایک ایسی دراڑ پڑ گئی ہے جو کبھی نہ بھر

* الاستیعاب جلد اول صفحہ ۱۵۱ - السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۲۸۶ -

| السیرۃ الحلبیہ جلد اول صفحہ ۱۰۶ -

‡ الطبری جلد ۴ صفحہ ۳۰ -

☼ الطبری جلد ۴ صفحہ ۱۰۱ - ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۴۴۳ -

سکے گی* ''۔

حضرت عمرو بن العاص سے ایک مرتبہ حضرت صدیق نے حضرت خالد کے بارے میں رائے دریافت کی ۔ آپ نے کہا '' وہ جنگ کی سیاست کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں ۔ موت کی پروا مطلق نہیں کرتے ۔ ان میں بلے کی سی پھرتی ہے اور ان کا حملہ شیر کے مانند ہوتا ہے† ''۔

اکیدر ، رئیس دومہ نے آپ کے متعلق کہا تھا '' فتح حاصل کرنے میں کوئی شخص ان سے زیادہ خوش نصیب اور جنگی امور میں کوئی شخص ان سے زیادہ تجربہ کار نہیں ہے ۔ خالد کے مقابلے میں کوئی قوم خواہ اس کی تعداد کم ہو یا زیادہ ٹھہر نہیں سکتی‡ ''۔

خود حضرت خالد اپنے متعلق فرماتے ہیں ''جس دن سے میں اسلام لایا اس دن سے رسول اللہ میرے اور دوسرے صحابہ کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے تھے☼ ''۔

ان اقوال کی موجودگی میں حضرت خالد کی بہادری اور آپ کی استعداد کی صحیح تصویر ہمارے سامنے آ جاتی ہے ۔

---

* ابن عساکر صفحہ ۱۰۷ ۔

† الیعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۴۴ ۔

‡ اکیدر نے یہ بات اس موقعے پر اپنے ساتھیوں سے کہی تھی جب حضرت خالد عیاض بن غنم کی مدد کے لیئے دومۃ الجندل گئے تھے ۔

☼ ابن عساکر صفحہ ۱۹۱ ۔ السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۸۸ ۔

آپ کی جنگی لیاقت

حضرت خالد ہر میدان سے کامیاب اور کامران ہو کر لوٹے۔ کسی جگہ بھی آپ کو شکست کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ جہاں جاتے تھے فتح اور کامرانی آپ کے قدم چومتی تھی۔ آپ ایک مدبر اور دوراندیش سپہ سالار تھے جو جنگ کے اصولوں اور طریقوں سے پوری طرح واقف تھے۔ آپ جانتے تھے کہ کس موقع پر آگے بڑھنا چاہئے اور کس موقع پر مدافعت کرنی چاہئے۔ سپہ سالار کی صفت کے ساتھ ساتھ سپاہی کی صفات بھی آپ میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ لڑائی میں آپ بوڑھوں کی سی تجربہ کاری، نوجوانوں کی سی بہادری اور شیر کی سی جرأت دکھاتے تھے۔ آپ دشمن پر اندھا دھند حملہ نہیں کر دیتے تھے بلکہ حملہ کرنے کے لئے موزوں وقت کی تلاش میں رہتے تھے۔ آپ دشمن کے حالات معلوم کرنے کی پوری جستجو کرتے رہتے تھے۔ کسی شہر کو فتح کرنے کے بعد وہاں سے روانہ ہوتے وقت اس شہر کی حفاظت کے لئے ایک فوج وہاں متعین کر دیتے تھے۔ اپنے لشکر کے عقب کی حفاظت کا سامان بڑے اہتمام سے کرتے تھے تاکہ دشمن بے خبری میں پیچھے سے حملہ نہ کر سکے۔ کثرت سے لڑائیاں لڑنے کے باعث آپ کو جنگی امور کا اس قدر تجربہ ہو گیا تھا کہ کوئی شخص بھی اس میدان میں آپ کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ جب تک فتح نہ ہو جاتی آپ میدان جنگ سے نہ ہٹتے تھے۔ دشمنوں کی قوت و کثرت، بہادری اور شجاعت اور سامان جنگ کی فراوانی آپ کو قطعاً مرعوب نہ کر سکتی تھی۔ میدان جنگ میں شہادت حاصل کرنے کے حد درجہ شائق تھے*۔ نہ خود

* حضرت صدیق کی آپ کو نصیحت بھی یہی تھی کہ موت
(باقی صفحہ ۳۱۸ پر)

سوئے تھے نہ دوسروں کو سونے دیتے تھے۔ دشمن کی کوئی بات آپ سے مخفی نہ رہ سکتی تھی۔

لشکر کے سپاہیوں سے آپ کا حسن سلوک

حضرت خالد اپنی ماتحت فوج سے بہت محبت کرتے تھے اور ہر سپاہی سے نہایت نرمی سے پیش آتے تھے۔ فوج کو ہمیشہ ایسے مقامات پر متعین کرتے تھے جہاں سے فتح حاصل کرنے میں کوئی روک نہ ہو۔ ہلاکت کی جگہوں میں اسے کبھی نہ لے جاتے تھے۔ بلکہ ایسے موقعے پر خود آگے ہوتے تھے۔ غنیمت میں سے پورا حصہ انہیں مرحمت فرماتے تھے۔ غنیمت کے علاوہ بھی بہت انعام و اکرام سے نوازتے رہتے تھے۔ آپ کے وقت کا اکثر حصہ فوج کو لڑائی کے لئے ابھارنے، ہمت بندھانے اور جوش و خروش دلانے میں صرف ہوجایا کرتا تھا۔ ایک ایک صف کے سامنے جاتے اور فرماتے "اے اہل اسلام! صبر میں عزت ہے اور بزدلی میں ذلت۔ خدائی مدد اسی شخص کو حاصل ہوگی جو صبر اختیار کرے گا"۔ فوج کے ساتھ آپ کے حسن سلوک کے نتیجے میں ہر شخص آپ کا گرویدہ ہو گیا تھا اور آپ ہی کے حسب

لہ حاشیہ صفحہ ۳۱۷

کی آرزو ہو، تمہیں زندگی بخشی جائے گی۔ (عیون الاخبار جلد اول صفحہ ۱۲۵۔ العقد الفرید جلد اول صفحہ ۳۱)۔ اسی قسم کے الفاظ مؤلف العقد الفرید نے ان الفاظ میں بیان کئے ہیں: کتنی ہی موتیں ہیں جن کا سبب زندگی حاصل کرنے کا جذبہ تھا اور کتنی زندگیاں ہیں جن کا باعث موت حاصل کرنے کا جذبہ تھا۔ (العقد الفرید جلد اول صفحہ ۳۱)۔

[illegible]
جائیں، هم جلنے کے لئے تیار هیں* -

[illegible]

[illegible]

* الطبری جلد ۴ صفحه ۱۴ -

قبول کیا تھا اور اللہ کی راہ میں بیش از پیش قربانیاں دی تھیں، بے حد خیال رکھتے تھے اور اُن کی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے ۔ آپ کا یہ یقین تھا کہ اللہ کی مدد کا ظہور انہی لوگوں سے ہوتا ہے ۔ اس تعظیم و تکریم کی روشن مثال جنگ مؤتہ کے موقع پر نظر آتی ہے جبکہ آپ نے ایک بدری صحابی کے ہاتھ سے جھنڈا لینے سے انکار کر دیا تھا اور جب انہوں نے یہ کہہ کر جھنڈا آپ کو دینا چاہا کہ تم مجھ سے بہتر لڑنا جانتے ہو تو آپ نے فرمایا '' میں نہ جھنڈا نہیں لوں گا ۔ آپ اس کے مجھ سے زیادہ حق دار ہیں کیونکہ آپ جنگ بدر میں شریک ہوچکے ہیں''۔ جب آپ عراق سے شام جانے لگے تب بھی آپ نے صحابہ کرام کو دوسرے لوگوں پر ترجیح دی اور انہیں خاص طور سے اپنی فوج میں شامل کیا ۔

جہاد سے عشق

اسلام لانے کے بعد آپ نے اپنے آپ کو ہمہ تن اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا ۔ اللہ کی راہ میں نہ آپ کو اپنی جان کی پروا تھی نہ مال کی ۔ زندگی میں آپ کو جہاد سب سے زیادہ پسند تھا ۔ اور آپ کی تمام تر کوشش اسی باب میں صرف ہوتی تھی کہ دشمنان دین کو چین سے نہ بیٹھنے دیا جائے ۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ زندگی کی کوئی رات مجھے میدان جنگ کی سخت رات سے زیادہ محبوب نہیں ، جس میں میں مہاجرین کو ساتھ لے کر دشمنوں سے لڑوں ۔ آپ کی شدید خواہش تھی کہ آپ کی وفات تلواروں اور نیزوں کے سائے میں ہو ۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو بستر پر جان دینے کے خیال سے آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور آپ نے نہایت حسرت

بھرے الفاظ میں فرمایا " میں ایک سو سے زیادہ جنگوں میں لڑا ہوں۔ میرے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں تلوار، تیر یا نیزے کے زخم کا نشان نہ ہو۔ میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ میں میدان جنگ میں شہادت حاصل کرتا لیکن افسوس میں بستر پر پڑا ہوا اس طرح جان دے رہا ہوں جس طرح اونٹ جان دیتا ہے*"۔

حضرت خالد کے اہل و عیال

حضرت خالد کی کئی بیویاں تھیں جن سے کثیر اولاد پیدا ہوئی۔ آپ کے ایک بیٹے سلیمان تھے انہی کی وجہ سے حضرت خالد کی کنیت ابوسلیمان تھی۔ ایک بیٹے عبداللہ† تھے جو عراق میں شہید ہوئے۔ دو بیٹے عبدالرحمٰن اور مہاجر خاص شہرت کے مالک ہوئے۔ یہ دونوں رسول اللہ کے زمانے میں بہت چھوٹی عمر کے تھے۔ جب حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان اختلاف پیدا ہوا تو عبدالرحمٰن، حضرت معاویہ کے ساتھ مل گئے اور مہاجر، حضرت علی کے ساتھ۔ بعض روایتوں میں مذکور ہے کہ مہاجر جنگ صفین میں شہید ہوئے‡۔ عبدالرحمٰن کا شمار عرب کے مشہور بہادروں اور شہسواروں میں ہوتا تھا۔ ان کی طبیعت میں فیاضی اور سخاوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ حضرت عثمان کے زمانے میں وہ حضرت معاویہ کے ماتحت حمص کے والی تھے۔ جب کوفہ کے مفسدین نے حضرت عثمان کے خلاف شورش برپا کرنی شروع کی تو حضرت عثمان نے انہیں

* اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۰۔ المعارف لابن قتیبہ صفحہ ۹۰۔

† انساب القریشیین جلد ۲ صفحہ ۳۴۲۔

‡ انساب القریشیین جلد ۲ صفحہ ۳۴۰۔

شام کی طرف جلا وطن کر کے امیر معاویہ کے پاس بھیجنے کا حکم دیا لیکن حضرت معاویہ بھی بعض وجوہات کی بنا پر انہیں شام میں نہ رکھ سکے اور انہیں واپس کوفہ بھیج دیا۔ یہ لوگ کوفہ آنے کی بجائے جزیرہ چلے گئے جہاں کے عامل عبدالرحمن تھے۔ جب آپ کو ان لوگوں کی آمد کا حال معلوم ہوا تو آپ نے فوراً انہیں بلوایا اور کہا ''میں نے تمہارے حالات سنے ہیں۔ خدا مجھے نامراد کرے اگر میں تمہیں درست نہ کر دوں۔ تم جانتے ہو کہ میں اس شخص کا بیٹا ہوں جس نے فتنۂ ارتداد کو دور کیا تھا اور بڑی بڑی مشکلات پر قابو پایا تھا۔ میں دیکھوں گا کہ کس طرح تم معاویہ اور سعید (والی کوفہ) سے جو باتیں کیا کرتے تھے مجھ سے بھی کر سکتے ہو۔ سنو! اگر کسی شخص کے ساتھ تم نے یہاں فتنہ و فساد کی کوئی بات کی تو ایسی عبرت ناک سزا دوں گا کہ ہمیشہ یاد رکھو گے''۔ یہ کہہ کر انہیں نظر بند کر دیا اور ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنے کا حکم دیا۔ جب سفر پر جاتے تو انہیں اپنے ساتھ پا پیادہ لے جاتے اور ان سے دریافت کرتے کہ اب تمہارا کیا حال ہے؟ جسے نیکی درست نہیں کرتی اس کا علاج سزا ہوتی ہے۔ تم لوگ اب کیوں نہیں بولتے؟ آخر ان لوگوں نے ندامت کا اظہار کیا اور معافی چاہی۔

عبدالرحمان بن خالد کی شہرت و عظمت اور لوگوں کی ان سے محبت اس درجے تک پہنچ گئی کہ جب حضرت معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنے بعد خلیفہ بنانے اور لوگوں سے اس کی بیعت لینے کا ارادہ کیا تو آپ نے مسجد میں خطبہ دیا اور کہا ''میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری موت کا وقت قریب ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں ہی تمہارے لئے ایک ایسا

ہے کہ مشہور کر دوں جس کی وجہ سے مسلمان انتشار کا شکار ہو جائیں
سمجھا رہا ہوں۔ تم مجھے بتاؤ کہ میں کس شخص کو اپنے بعد
تمہارا حاکم مقرر کروں"۔ لوگوں نے متفقہ طور پر عبدالرحمٰن
بن خالد کا نام پیش کیا۔ حضرت معاویہ کو یہ بات بہت
بری لگی اور انہوں نے انہیں مروا ڈالنے کا ارادہ کیا۔ ان کی
ہدایت کے مطابق ایک یہودی طبیب ابن اثال نے شراب میں
زہر ڈال کر عبدالرحمٰن کو پلا دی جس سے ان کی موت واقع
ہو گئی۔ اس یہودی طبیب سے عبدالرحمٰن کے بیٹے خالد نے
یا بعض روایتوں کے بموجب خالد بن مہاجر بن خالد نے
عبدالرحمان کے قتل کا بدلہ لے لیا*۔

ان لڑکوں کے علاوہ حضرت خالد بن ولید کے اور بھی
کئی لڑکے تھے۔ ابن قتیبہ لکھتے ہیں "شام میں حضرت خالد
کے کئی لڑکے اور پوتے موجود تھے لیکن وہ سب طاعون کی
وبا میں فوت ہو گئے، کوئی بھی باقی نہ بچا۔ ان کے گھروں
اور جائداد کے وارث ایوب بن سلمہ بن عبداللہ (بن ولید
بن ولید بن مغیرہ) ہوئے"۔ مؤلف کتاب اسدالغابہ†
لکھتے ہیں "حضرت خالد بن ولید کی تمام اولاد ختم ہو گئی اور
کوئی بھی باقی نہ رہا۔ ایوب بن سلمہ مدینہ میں ان کے

* المعارف لابن قتیبہ صفحہ ۹۰۔

† ان کا نام ولید تھا لیکن رسول اللہ کے بعد ... سلمہ رکھا
گیا تھا۔ حضور نے ایک دفعہ ان کے بارے میں ارشاد فرمایا
"تم نے مغیرہ کا ایک ... بنا دیا ہے"۔
انساب القریشین جلد ... صفحہ ... ۔ الاستیعاب جلد اول صفحہ ۲۹۹۔

‡ اسدالغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۳۔

گھوڑوں کے وارث ہوئے"۔ مؤلف کتاب نہایۃ الارب* لکھتے ہیں "حضرت خالد بن ولید کی تمام اولاد ختم ہو گئی۔ مشرق اور مغرب میں کوئی شخص بھی ان کی اولاد میں سے باقی نہ رہا۔ جو شخص ان کی اولاد میں سے ہونے کا دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹا ہے"۔ مؤلف کتاب صبح الاعشیٰ† اور دیگر اہل علم حضرات بھی حضرت خالد کی نسل کے ختم ہو جانے پر متفق ہیں۔

حضرت خالد کی وفات

حضرت خالد کی جائے وفات اور سنہ وفات کے بارے میں مؤرخین میں کافی اختلاف ہے۔ ہم ذیل میں بعض روایات کو درج کرکے کوشش کریں گے کہ صحیح جائے وفات و سنۂ وفات متعین کرسکیں۔

(۱) طبری نے واقدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ نے ۲۱ھ میں حمص کے مقام پر وفات پائی‡۔

(۲) ابن عساکر لکھتے ہیں "حضرت خالد کی قبر حمص میں ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کے جنازے کو کس کس نے غسل دیا تھا اور کون کون جنازے پر حاضر ہوا تھا☼۔

(۳) دوسری جگہ لکھتے ہیں "حضرت خالد حمص کی

* نہایۃ الارب جلد ۲ صفحہ ۳۵۶۔
† صبح الاعشیٰ جلد اول صفحہ ۳۵۵۔
‡ الطبری جلد ۳ (۲۱ھ کے واقعات)۔
☼ ابن عساکر صفحہ ۶۹۵۔

سرحد پر مقیم ہو گئے تھے۔ آپ نے گھوڑے اور ہتھیار سب یہیں تھے۔ حمص ہی میں آپ نے وفات پائی*"

(۴) ایک اور جگہ لکھتے ہیں "معزولی کے بعد حضرت خالد بن ولید مدینہ آئے اور حضرت عمر سے ملے۔ وہاں سے وہ شام چلے گئے اور حمص میں مستقل طور پر مقیم ہو گئے۔ اسی جگہ ۲۱ھ میں آپ نے وفات پائی†"۔

(۵) مؤلف کتاب اسد الغابہ لکھتے ہیں "آپ نے شام کے مقام حمص میں وفات پائی۔ البتہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ کی وفات مدینہ میں ۲۱ھ میں ہوئی‡"۔

(۶) ابن حجر تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں "محمد بن سعد، ابن نمیر اور چند لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے ۲۱ھ میں حمص میں وفات پائی۔ دحیم اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ مدینہ میں وفات پائی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کی وفات ۲۲ھ میں ہوئی"۔

(۷) ابن حجر اپنی دوسری کتاب "الاصابہ✡" میں لکھتے ہیں:
"حضرت خالد بن ولید نے ۲۱ھ میں شہر حمص میں وفات پائی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی لیکن اکثر لوگوں کا خیال یہی ہے کہ آپ کی وفات حمص میں ہوئی"۔

---

* ابن عساکر صفحہ ۲۱۲۔

† ابن عساکر صفحہ ۲۱۴۔

‡ اسدالغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۴۔

✡ الاصابہ جلد اول صفحہ ۱۰۰۔

(۸) بدر عینی* لکھتے ہیں "حضرت خالد بن ولید نے ۲۱ھ میں حمص میں اپنے بستر پر وفات پائی ۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ نے مدینہ میں وفات پائی لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح ہے"۔

ان روایات پر غور کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ نے ۲۱ھ میں حمص کے مقام پر وفات پائی کیونکہ ان روایات میں سے بعض میں سرے سے مدینہ کا ذکر ہی نہیں ۔ اسی طرح بعض میں ۲۲ھ کا بھی ذکر نہیں۔ ۲۲ھ میں آپ کی وفات کا ذکر کرنے والوں نے بھی جو الفاظ استعمال کئے ہیں ان میں شک کا پہلو زیادہ نمایاں ہے ۔ اس لئے ہم یہی نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ آپ کی وفات ۲۱ھ میں حمص کے مقام پر ہوئی ۔

اللہ حضرت خالد بن ولید پر اپنی رحمتیں اور برکات نازل فرمائے۔ آپ نے اسلام کی خاطر جو خدمات سرانجام دیں وہ ایسی ہیں کہ بھلائی نہیں جاسکتیں ۔ ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ آپ کی زندگی کے واقعات پر غور کرے اور اپنے میں بھی وہی صفات پیدا کرے جو حضرت خالد میں تھیں ۔ کیونکہ اسلام اور مسلمانوں کی زندگی انہی صفات کو اختیار کرنے میں مضمر ہے ۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین

* شرح بخاری از علامہ عینی جلد ۱۶ صفحہ ۲۳۸ ۔

ماخذ کتاب

	ماخذ	مؤلف	مؤلف کی تاریخ وفات
(۱)	المغازی	واقدی	۲۰۷ھ
(۲)	فتوح الشام	واقدی	۲۰۷ھ
(۳)	السیرۃ النبویہ	ابن ہشام	۲۱۳ھ
(۴)	الطبقات الکبریٰ	ابن سعد	۲۳۰ھ
(۵)	المعارف	ابن قتیبہ	۲۷۰ھ
(۶)	فتوح البلدان	بلاذری	۲۷۹ھ
(۷)	انساب الاشراف	بلاذری	۲۷۹ھ
(۸)	تاریخ الیعقوبی	احمد بن یعقوب	۲۸۲ھ
(۹)	تاریخ الامم و الملوک	طبری	۳۱۰ھ
(۱۰)	جامع البیان فی تفسیرالقران	طبری	۳۱۰ھ
(۱۱)	العقد الفرید	قرطبی	۳۲۸ھ
(۱۲)	الاغانی	اصفہانی	۳۵۶ھ
(۱۳)	انساب القرشیین	مقدسی	۳۸۷ھ
(۱۴)	الاستیعاب	ابن عبدالبر	۴۶۳ھ
(۱۵)	تاریخ مدینۂ دمشق	ابن عساکر	۵۷۱ھ
(۱۶)	معجم البلدان	یاقوت حموی	۶۲۶ھ
(۱۷)	الکامل	ابن اثیر	۶۳۰ھ
(۱۸)	اسدالغابہ	ابن اثیر	۶۳۰ھ

	ماخذ	مؤلف	مؤلف کی تاریخ وفات
(۱۹)	المختصر فی اخبار البشر	ابو الفداء	۷۳۲ھ
(۲۰)	تفسیر ابن کثیر	عماد الدین اسماعیل بن کثیر	۷۷۴ھ
(۲۱)	الاصابه	ابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۲)	تہذیب التہذیب	ابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۳)	شرح البخاری	علامه عینی	۸۵۵ھ
(۲۴)	الخمیس فی احوال أنفس نفیس	دیاربکری	۹۶۶ھ
(۲۵)	السیرۃ الحلبیه	ابن برهان الدین حلبی	۱۰۴۴ھ

مندرجه بالا اهم ماخذوں کے علاوه هم نے اس کتاب کی تالیف میں اور بهی کئی کتابوں سے مدد لی هے جن میں موجوده عربی مؤرخین اور مستشرقین کی تصانیف شامل هیں لیکن چونکه ان کے ماخذ بهی مندرجه بالا کتابیں هی هیں اس لئے هم نے ان کا ذکر غیر ضروری سمجها ۔

ابو زید شلبی